ماہنامہ

حنا

اپریل 2013

پاک سوسائٹی
ڈاٹ کام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلامیات

حمد منیر نیازی 7
نعت ناصر کاظمی 7
پیارے نبیؐ کی پیاری باتیں سید اختر ناز 8

انشاء نامہ

نسخہ کتے کے کاٹنے کا ابن انشا 13

انٹرویو

عائزہ خان سے ملاقات کاشف گوریجہ 15

سلسلے وار ناول

تم آخری جزیرہ ہو ام مریم 18
وہ ستارہ صبح اُمید کا فوزیہ غزل 196

مکمل ناول

میری وحشتوں کو قرار دے مصباح تارڑ 44
محبت فاتح عالم مصباح نوشین 140

ناولٹ

مختصر زندگی ان گنت خواب مبشرہ ناز 88
کاسہ دل سندس جبیں 116

انتباہ: ماہنامہ حنا کے جملہ حقوق محفوظ ہیں، پبلشر کی تحریری اجازت کے بغیر اس رسالے کی کسی بھی کہانی، ناول یا سلسلہ کو کسی بھی انداز سے نہ تو شائع کیا جا سکتا ہے، اور نہ کسی ٹی وی چینل پر ڈرامہ، ڈرامائی تشکیل اور سلسلے وار قسط کے طور پر کسی بھی شکل میں پیش کیا جا سکتا ہے، خلاف ورزی کرنے کی صورت میں قانونی کارروائی کی جا سکتی ہے۔

افسانے

تتلی کے پروں پر صبا جاوید 77
تسبیح شکرانہ عابی ناز 222

مستقل سلسلے

کتاب نگر سے یمی کرن 230
حاصل مطالعہ تحریم محمود 233
بیاض تسنیم طاہر 236
رنگ حنا بلقیس بھٹی 240
میری ڈائری سے صائمہ محمود 245
حنا کی محفل مین نعیم 243
خبر نامہ عبداللہ 249
حنا کا دستر خوان افراح طارق 251
کس قیامت کے یہ نامے فوزیہ شفیق 255

سردار طاہر محمود نے نواز پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ حنا 205 سرکلر روڈ لاہور سے شائع کیا۔
خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ، **ماہنامہ حنا** پہلی منزل محمد علی امین میڈیسن مارکیٹ 207 سرکلر روڈ اردو بازار لاہور، فون: 042-37310797, 042-37321690 ای میل ایڈریس،
monthlyhina@hotmail.com, monthlyhina@yahoo.com

کچھ باتیں ہماریاں

ملکی تاریخ کی کرپٹ ترین اور نا اہل ترین حکومت اپنی مدت پوری کر کے رخصت ہو چکی ہے اور ملک میں نگران سیٹ اپ قائم ہو چکا ہے، اب نظریں آنے والے انتخابات کی جانب لگی ہیں کہ اقتدار کا ہما کس کے سر پر بیٹھتا ہے، جانے والی حکومت کی کارکردگی نے عوام کے جمہوری اداروں پر اعتماد کو متزلزل کر دیا ہے، خاص طور پر حکومت نے اپنے آخری دنوں میں جس طرح قومی خزانے کی بندر بانٹ کی ہے اس نے تو بڑے بڑوں کے جمہوریت پر یقین کو کمزور کر دیا ہے اب نگران حکومت کا فرض ہے کہ ملکی خزانے سے لوٹی گئی رقم واپس وصول کرے وگرنہ ڈر ہے کہ کہیں پاکستان دیوالیہ نہ ہو جائے۔

الیکشن کمیشن کا آئینی فرض ہے کہ انتخابی امیدواروں کے لئے آئین کی دفعہ 62 اور 63 پر عمل درآمد کو یقینی بنایا جائے جو امیدوار ٹیکس چور یا قرض نادہندہ اور قانون کی رو سے کسی بھی وجہ سے نادہندہ ہیں ان کے انتخاب لڑنے پر سختی سے پابندی لگائی جائے، دوسری طرف سیاسی جماعتوں کے قائدین پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ ایسے امیدواروں کو ٹکٹ دیں جو کہ نیک نام ہوں، وگرنہ اندازہ لگانا مشکل نہ ہے کہ اگر آنے والے انتخابات میں ایسے ہی لوگ منتخب ہوئے جیسے کہ پچھلی اسمبلی میں تھے تو وطن عزیز کا کیا حال ہوگا۔

قیمت میں اضافہ:۔ روز افزوں مہنگائی اور بجلی کی لوڈشیڈنگ کی وجہ سے پرچے پر آنے والی لاگت میں کافی اضافہ ہو گیا ہے، اس لئے مجبوراً اس شمارے کی قیمت میں تین روپے کا اضافہ کیا جا رہا ہے، امید ہے قارئین ہماری مشکل کو سمجھتے ہوئے حسب سابق تعاون جاری رکھیں گے۔

اس شمارے میں:۔ اداکارہ عائندہ ملک سے ملاقات، مصباح نازڈ اور مصباح نوشین کے مکمل ناول، سندس جبیں اور مبشرہ ناز کے ناولٹ، صبا جاوید اور عابی ناز کے افسانے، فوزیہ غزل اور ام مریم کے سلسلے وار ناولوں کے علاوہ حنا کے سبھی مستقل سلسلے شامل ہیں۔

آپ کی آرا کا منتظر
سردار محمود

حمد باری تعالیٰ

شام شہروں میں شمعیں جلا دیتا ہے تو
یاد آ کر اس نگر میں حوصلہ دیتا ہے تو

آرزو دیتا ہے دل کو موت کی وقت دعا
میری ساری خواہشوں کا یہ صلہ دیتا ہے تو

حد سے بڑھ کر سبز ہو جاتا ہے جب رنگ زمیں
خاک میں اس نقش رنگیں کو ملا دیتا ہے تو

تیز کرتا ہے سفر میں موج غم کو یورشیں
بجھتے جاتے شعلہ دل کو ہوا دیتا ہے تو

دیر تک رکھتا ہے تو ارض و سما کو منتظر
پھر انہی ویرانیوں میں گل کھلا دیتا ہے تو

اے منیر اس بات کے افلاک پر ہونا ترا
اک حقیقت کو فسانہ بنا دیتا ہے تو

منیر نیازی

نعت رسول مقبول ﷺ

دل کی دنیا میں ہے روشنی آپؐ سے
ہم نے پائی نئی زندگی آپؐ سے

کیوں نہ نازاں ہوں اپنے مقدر پہ ہم
ہم کو ایماں کی دولت ملی آپؐ سے

کل بھی معمور تھا آپؐ کے نور سے
ہے منور جہاں آج بھی آپؐ سے

دشمنوں پر بھی در رحمتوں کا کھلا
راہ و رسم محبت چلی آپؐ سے

دل کا غنچہ چٹکتا ہے صلی علی
اپنے گلشن میں ہے تازگی آپؐ سے

ختم ہے آپؐ پر شان پیغمبری
یہ روایت مکمل ہوئی آپؐ سے

ناصر کاظمی

پیارے نبی ﷺ کی پیاری باتیں

سید اختر ناز

حق خاندان و معاشرت

انسانی معاشرت کا سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہ السلام کے رشتہ ازدواج سے چلا اور پھیلتا ہوا وسیع کائنات ارضی میں کروڑوں خاندانوں پر محیط ہو گیا ہے، قرآن مجید میں انسانی معاشرت کی توضیح کچھ اس طرح کی گئی۔

''اے انسانو! تم سب کو اللہ نے ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تم کو خاندان، قبیلہ صرف اس لئے بنا دیا تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ (الحجرات:13)

اور اس طرح پتا چلا، عائلی زندگی، انسانی معاشرت کا بنیادی ادارہ ہے اور میاں بیوی اس ادارہ کے بنیادی ستون ہیں اور میاں بیوی کا اختلاط اور اجتماع ہی خاندان کو جنم دیتا ہے، جو اولاد کے وجود سے پھلتا پھولتا اور پھیلتا ہے۔

خاندان معاشرے کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے، جس طرح قطرہ قطرہ مل کر بارش بنتا ہے، اسی طرح کئی خاندان مل کر معاشرے کا وجود تشکیل دیتے ہیں، امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسلام نے چار وجوہ کے باعث اولاد کی پرورش و پرداخت پر زور دیا ہے۔

۱۔ اللہ کی مخلوق باقی رہے۔

۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ امت کی کثرت کے باعث فخر کروں گا۔

۳۔ اولاد صدقہ جاریہ ہے۔

۴۔ بچپن میں مر جائے تو والدین کی شفاعت کرے گی۔

نسل انسانی کی بقا کے لئے اللہ تعالیٰ نے خاندان کی تشکیل مرد و زن میں نکاح کے ذریعے فرمائی، نکاح کی ضرورت کیوں ہوئی، نکاح کا مقصد صرف آئندہ نسلوں کو دنیا میں لے آنا ہی نہیں بلکہ ان کی حفاظت اور تعلیم و تربیت بھی ہے اور اس کے لئے ضروری ہے کہ مرد و زن، جنسی اختلاط کے شوق سے ہٹ کر اس کے ثمرات کو اپنے لئے عطیہ، خداوندی سمجھیں اور پیدا ہونے والی اولاد کے مالک اور وارث بن کر ان کو محبت و پیار کے ساتھ ساتھ اچھا انسان بنانے کے لئے اچھی تعلیم و تربیت دیں، نکاح اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے لئے دونوں میاں بیوی کو ذمہ دار بناتا ہے اور معاشرہ اسی نکاح کے وجود سے ان کے جنسی اختلاط کو قبول کر کے اس کے ثمرات کو اپنانے کا پابند ہوتا ہے۔

حقوق الزوجین

عورت اور مرد کے ازدواجی تعلق کا بہتر سطح پر استوار ہونا پورے معاشرے کی زندگی کے لئے ضروری ہے، اسلام نے اسی وجہ سے عورت و مرد کے دائرہ ہائے کار کو منظم اخلاقیات و قانونی حقوق و فرائض کی بنیادوں پر استوار کیا ہے، جسمانی طور پر مرد قوی اور عورت نازک و دلدار قسم کی مخلوق ہے، اس لئے اسلام نے مرد کو عورت کی کفالت اور اس کے ساتھ معروف طریقوں سے پیش آنے کا حکم دیا ہے، سورہ بقرہ میں ارشاد ہے۔

''وہ (میاں بیوی) اللہ کی حدوں کو قائم رکھیں گے۔'' (آیت 23)

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

''اور ان (عورتوں) کے ساتھ بھلے طریقے سے زندگی بسر کرو۔'' (النساء 19)

معاشی ذمہ داریوں میں بھی زیادہ ذمہ داری مرد پر ڈالی کیونکہ وہ اس کی نسل کی بقاء کے فریضہ میں اس کی خدمت پر مامور ہے، سورہ النساء میں ارشاد خداوندی ہے۔

''مرد عورتوں کے محافظ (قوام) ہیں، اس بناء پر کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ایک (یعنی مرد) کو دوسرے (یعنی عورت) پر فضیلت دی اور یہ اس بناء پر کہ مرد اپنا مال خرچ کرتا ہے۔ (آیت 34)

اس سے پہلے اسی سورت میں ارشاد فرمایا۔

''جو کچھ مردوں نے کمایا، اس کے مطابق ان کا حصہ ہے اور جو کچھ عورتوں نے کمایا ہے، اس کے مطابق ان کا حصہ ہے، ہاں اللہ سے اس کے فضل کی دعا مانگتے رہو۔ (النساء 32)

شوہر کی ذمہ داریاں

غرض اس طرح اسلام مندرجہ ذیل پہلوؤں کے حوالہ سے مرد پر بیوی کے سلسلے میں ذمہ داریاں ڈالتا ہے۔

۱۔ مرد بیوی کے ساتھ معروف اور بھلے طریقے سے تعلق نبھائے۔

۲۔ تفریح اور دل بستگی کے جائز مواقع مہیا کرے۔

۳۔ بیوی کی معاشی ضروریات کی کفالت کرے۔

۴۔ ازدواجی معاملات میں بیوی کے ساتھ عدل و توازن کو برقرار رکھے۔

۵۔ بیوی کے اعزا و اقرباء کا احسان مند رہے اور انہیں احترام دے۔

۶۔ بیوی کی اولاد کی تعلیم و تربیت کے حوالے سے مشاورت کو پوری پوری اہمیت دے۔

۷۔ خاوند اور بیوی ایک دوسرے کے ستر پوش ہیں، اس لئے خاوند کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ عورت کے ساتھ اپنے تعلقات کو محبوب اور محترم رکھے اور ان کی ستر پوشی کرے۔

سب سے بہتر

۸۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''تم میں بہتر اور سب سے زیادہ با اخلاق وہ ہے جو اپنے اہل خانہ کے ساتھ سب سے زیادہ اچھا ہے۔''

بیوی سے محبت کرنا

بیوی کے ساتھ جذبہ محبت مرد پر فرض ہے، اس لئے مرد کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اس میں خیانت نہ کرے۔

بیوی کی بدصورتی پر صبر کرنا

بیوی کی بدصورتی یا سخت طبیعت پر صبر کرے، شاید کہ اللہ اس کی اس آزمائش کے بدلے میں اس سے زیادہ اچھی اولاد عطا کر دے، کیونکہ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

''پھر اگر تم (کسی وجہ سے) ناپسند کرو تو ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں ناپسند ہو مگر اللہ نے تمہارے لئے اس میں بہت کچھ بھلائی رکھ چھوڑی ہو۔'' (النساء ۹)

بیوی سے سلوک

بیوی اگر بدکاری یا حرام کاری کا ارتکاب کر بیٹھے تو خاوند کے لئے ضروری ہے کہ وہ اسے اس کی خامی کی نشاندہی کرکے اسے اصلاح کی طرف مائل کرے، نصیحت وحکمت سے اگر وہ مان جائے تو بہتر، ورنہ اسے اپنے سے علیحدہ کرنے کی دھمکی دے دے، لیکن اگر وہ پھر بھی اپنی روش نہ بدلے تو بھلے طریقے سے اس سے علیحدگی اختیار کرلے۔

بیوی پر تنقید کرنا

بیوی کی جاسوسی کرنا، بہتان لگانا یا اس کی غیر حاضری میں لوگوں کے سامنے بد تعریفی یا لوگوں کے سامنے اس کی بے عزتی کرنا مرد کے لئے قطعاً روا نہیں ہے، اسی لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد بڑا ہی حکمت خیز ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''عورت ٹیڑھی پسلی سے پیدا ہوئی ہے، اگر تم اس کو سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے تو توڑ ڈالو گے، اس لئے اس کجی کے باوجود اس سے فائدہ اٹھاتے رہو۔'' (بخاری کتاب الانبیاء)

بیوی کی کمائی

عورتیں اگر گھریلو ذمہ داری کے ساتھ ساتھ خاندان کی کفالت میں اپنی ملازمت سے، کاروبار سے یا کسی اور ہنر مندی کے کام سے معاشی کفالت کا باعث بنتی ہوں تو ان کا یہ قوی حق ہے کہ معاشرہ عام طور پر اور شوہر خاص طور پر اس کے آرام، طعام اور معاشی و سماجی ضروریات کا انتظام کرے۔

گھر کے کاموں میں بیوی کی مدد

گھریلو کام کاج میں بیوی کی مدد کریں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی پوشاک خود دھو لیتے، پیوند لگا لیتے، رفو کر لیتے، بکری کا دودھ دوہتے، ناقہ باندھ لیتے اور گھر کی ضرورت پر دوسروں کی ضرورت کو ترجیح دیتے، اگرچہ خود کتنی ہی تکلیف انہیں برداشت کرنی پڑتی۔

بیوی کے حقوق

گھر کا خرچ شوہر کے ذمہ ہے، عورت کا کام یہ ہے کہ وہ خوش اسلوبی سے معاملات خانہ داری کو سنبھال رکھے، اہل وعیال کے اخراجات کے لئے حلال روزی کما لانا شوہر کا فرض ہے، ایک صحابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ کسی شخص کی بیوی کا اس کے شوہر پر کیا حق ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''اس کا حق یہ ہے کہ جب تو کھائے تو اسے کھلائے اور جب تو پہنے تو اسے پہنائے، اس کے چہرے پر کبھی نہ مارے، اس کو بد دعا کے الفاظ نہ کہے اور اگر اس سے ترک تعلق کرے تو صرف گھر میں کرے۔''

گھر کا خرچ

گھر پر کیا جانے والا خرچ اعتدال کی راہ پر ہونا چاہیے کیونکہ اعتدال کا راستہ سب سے اچھا ہے اور سورہ الاعراف میں ہے، کھاؤ اور پیو مگر اسراف نہ کرو، (آیت 31)

اور دوسری جگہ سورہ بنی اسرائیل میں ہے کہ ''تو اپنا ہاتھ گردن سے نہ باندھ رکھ اور نہ ہی اسے بالکل کھلا چھوڑ دے۔'' (آیت 29)

یعنی انسان نہ تو بخیل بن کر دولت کی گردش کو روک دے اور نہ فضول خرچ بن کر معاشی وسائل ضائع کرے، اس کا حال صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر کچھ اس طرح تھا جو حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بقول کچھ اس طرح ہے کہ:۔

صحابہ کی کیفیت یہ تھی کہ انسانوں کے معاملہ میں تو زرخیز زمین کی طرح فیاض تھے، مگر گھر کے ساز و سامان اور لباس کے معاملہ میں کم پیداوار دینے والی زمین کی مانند تھے، یعنی اپنی ذات پر کم خرچ کرتے لیکن اہل وعیال اور دوسرے لوگوں پر کھلے دل سے خرچ کرتے۔

شوہر کا فرض

عورت کو اچھا لباس اور اچھی خوراک دینا شوہر کا فرض ہے، لیکن وسائل رزق کے معیار سے بڑھ کر نہیں، عورت کے لئے ریشم اور سونے کا استعمال جائز ہے، لیکن لازمی نہیں ہے، خاوند کی اقتصادی حالت اگر اسے اجازت دے تو اسے ریشمی لباس اور زیورات بنوا کر دے دے، اور اگر وسائل کم ہوں تو حالات کے مطابق جس قدر اچھا، خوش نما اور معیاری لباس یا زیور دیا جا سکتا ہو دے۔

مہر کی ادائیگی

نکاح کے بعد مرد پر سب سے پہلا جو عورت کا فرض بنتا ہے وہ مہر کی ادائیگی ہے، سورہ النساء میں ہے کہ ''عورتوں کے مہر انہیں خوش دلی سے ادا کردو۔'' (آیت 40)

اور اگر عورت چاہے تو اپنی خوشی سے مہر کا کچھ حصہ یا سارے کا سارا معاف بھی کرسکتی ہے، قرآن پاک میں ارشاد ہے، ''البتہ اگر وہ اپنی خوشی سے مہر کا کوئی حصہ تمہیں معاف کردیں تو اسے تم مزے سے کھا سکتے ہو۔'' ایسا کرنے کے لئے عورت پر کوئی دباؤ نہیں ہونا چاہیے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سلسلہ میں حکم دیا ہے کہ مہر کو حد اعتدال پر مقرر کرو۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔

''عورتوں کو مرد کے پلہ باندھنے کی کوشش کرو اور مہروں میں حد سے نہ بڑھو۔'' (بخاری، باب حقوق الزوجین)

بیوی کی کفالت

عورت کو اپنی ذاتی ضروریات کی کفالت کے لئے جس قدر رقم ضروری ہو، شوہر کی ذمہ داری ہے کہ اس کی کفالت کرے اور معقول حد میں نان نفقہ ادا کرے، قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

''خوشحال آدمی اپنی خوشی کے مطابق اور کم مال اپنی استطاعت کی حد تک اپنی بیوی پر خرچ کرے جو اس کو اللہ نے دیا ہے۔'' (الطلاق 7)

بیوی کی عزت

عورت مرد کی شریک زندگی ہے اور اس کے بچوں کی ماں اور اس کے خاندان کی عزت و ناموس ہے، اس کا احترام اس کا فرض ہے، اس لئے اس کی کسی طور پر بھی توہین یا ہتک نہ ہونے پائے۔

سورہ البقرہ میں ارشاد ہے۔

''اور ان کو ستانے اور زیادتی کرنے کے لئے نہ روک رکھو جو ایسا کرے گا، وہ اپنے اوپر ظلم کرے گا، اللہ تعالیٰ کے احکام کو مذاق نہ بناؤ۔'' (آیت 231)

اس صورت میں ایک اور جگہ ارشاد خداوندی ہے۔

''جولوگ اپنی بیویوں کے پاس نہ جانے کی قسم کھا لیتے ہیں، ان کے لئے چار ماہ کی مہلت ہے اگر وہ رجوع کر لیں تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے اور اگر طلاق کا عزم کیا تو اللہ سننے اور جاننے والا ہے۔'' (آیت 227,226)

دوسری شادی

معاشی حالات اور جسمانی تندرستی اگر ساتھ دیتی ہو اور پہلی بیوی کی دل آزاری مقصود نہ ہو بلکہ وہ برضا و رغبت اجازت دے دے تو مرد دوسری شادی کرنے کا روادار ہے اور اگر ان میں سے کوئی ایک پہلو بھی ناقص ہو تو اسے عورت پر ظلم وزیادتی تصور کیا جائے گا، سورہ النساء میں ارشاد ہے۔

''پھر اگر تم کو اندیشہ ہو کہ تم عدل نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی بیوی رکھو۔'' (آیت 3)

اس کے ساتھ ہی یہ بھی حکم مذکور ہے کہ ''شوہر کہیں ایک طرف نہ جھک جائے اور دوسری عورت کو معلق نہ رکھ چھوڑے۔ (النساء 129)

عورت کو کسی بھی ناانصافی کی صورت میں داد رسی کے لئے قانونی چارہ جوئی کرنے کی اجازت ہے۔

شوہر کے حقوق

عائلی زندگی میں جس طرح بیوی کے حقوق کی ادائیگی شوہر کے لئے پورے کرنا ذمہ داری کے زمرے میں آتا ہے، اس طرح شوہر کے حقوق کا بیوی کے لئے پورا کرنا اتنا ہی واجب ہے، گھر کی کامیاب زندگی دونوں کے باہمی اتفاق، تعاون، محبت اور احترام باہمی سے ہی ممکن ہے، گھر کے امور میں شوہر چونکہ جوابدہ ہے اس لئے اس کے اہل خانہ کو اس کی مدد کرنا ہو گی، تا کہ وہ کامیابی سے گھر کا نظام چلانے پر قادر رہ سکے، ذیل میں اس سلسلہ میں ان ذمہ داریوں کا تذکرہ کیا جا رہا ہے جو شوہر کے بیوی پر حقوق متصور کیے جاتے ہیں۔

بہتر عورت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کون سی عورت کو بہتر کہا جا سکتا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ عورت جسے جب اس کا شوہر دیکھے تو اسے خوشی حاصل ہو، جب اسے حکم دے تو بجا لائے اور کبھی اپنی ذات یا مال کے بارے میں کوئی ناگوار بات نہ کرے۔ (ابو داؤد)

اس فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ظاہر ہوتا ہے کہ عورت کو خوش اخلاق، اطاعت گزار اور دیانت دار و امین ہونا چاہیے۔

ضروری بستر بنا کر رکھنے کے متعلق

سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا۔

''ایک بستر آدمی کے لئے چاہیے اور ایک اس کی بیوی کے لئے اور ایک بستر مہمان کے لئے اور چوتھا شیطان کا ہو گا۔'' (یعنی جو لوگوں کو دکھانے اور اپنی برتری ظاہر کرنے کے لئے بنایا جائے) (صحیح مسلم)

☆☆☆

☆☆☆

نسخہ کسی کاٹنے کتے کا

ابن انشاء

ایک اخبار میں بھونکتے کتے سے بچنے کا نسخہ شائع ہوا ہے لکھا ہے۔

''اگر آدمی ساکت کھڑا ہو جائے، بازو اور ہاتھ نیچے کی طرف سیدھے کر لے اور دوسری طرف دیکھنے لگے تو بھونکتا ہوا کتا کچھ دیر کے بعد خاموش ہو جائے گا اور پھر وہاں سے چلا جائے گا۔''

اخبار نے یہ نہیں لکھا کہ یہ نسخہ کہاں سے لیا گیا ہے، اوپر فقط ''جدید طبی تحقیق'' کا عنوان دیا گیا ہے، یہ بھی مذکور نہیں آیا، کتوں کو بھی مطلع کر دیا گیا ہے کہ ان پر اس ضابطہ اخلاق کی پابندی ضروری ہے، یہ اعتراض بھی کچھ لوگ کریں گے کہ اگر انسان حسب ہدایت بھیگی بلی بن کر منہ دوسری طرف کر کے کھڑا ہو جائے اور کتا اس کی ٹانگ لے جائے تو ایڈیٹر اخبار ہذا کس حد تک ذمہ دار ہو گا، ہمارے نزدیک تو یہ اعتراض بے محل اور ناواجب ہے، بھونکنا الگ فعل ہے اور کاٹنا الگ، کتا کاٹ لے تو سیدھا سیدھا اسپتال جا کر چودہ انجکشن پیٹ میں لگوا لیجئے اور مزے کیجئے، اصل کوفت تو کتے کی عف عف سے ہوتی ہے اور اس کے لئے یہ نسخہ مجرب ہے۔

☆☆☆

ان امور میں اصل مشکل اس وقت پیش آتی ہے جب کتے کو معلوم نہ ہو کہ اسے اخبار میں چھپی ہوئی ہدایت کی پابندی کرنی ہے یعنی کوئی شخص بازو لٹکا کر دوسری طرف منہ کر لے تو اسے دم دبا کر کھسک جانا چاہیے کیونکہ بعض کتے ناخواندہ ہوتے ہیں، یا اخبار نہیں پڑھتے یا جان بوجھ کر بات ٹال جاتے ہیں۔

پچھلے دنوں ایک مشہور ہوٹل کے لاؤنج میں ایک کتے کو استراحت کرتے پایا گیا، مینجر صاحب بہت خفا ہوئے، اسے کان سے پکڑ کر دروازے پر لے گئے جہاں موٹے موٹے لفظوں میں صاف لکھا ہوا تھا کہ۔

''جن کتوں کے ساتھ ان کا مالک نہ ہو، ان کا ہوٹل میں آنا منع ہے۔''

بہ نظر احتیاط ہم لوگوں کو مشورہ دیں گے کہ وہ اس اخبار کا شمارہ ہمیشہ اپنے ساتھ رکھیں، جس میں یہ ترکیب درج ہے، اگر کوئی کتا بھونکنے سے باز نہ آئے بلکہ کاٹنے پر اتر آئے تو جدید طبی تحقیق والا صفحہ اس کے سامنے کر دیں پھر بھی باز نہ آئے تو ڈنڈے سے اس کی خبر لیں۔

یہ ڈنڈے سے خبر لینے کی ہدایت ہماری طرف سے ہے، احباب مذکورہ کی ذمہ داری نہیں، ہماری طبی تحقیق اتنی جدید نہ سہی تاہم مجرب ضرور ہے، ڈنڈا بڑی کار آمد چیز ہے اور بہت سے نسخوں میں پڑتا ہے، پرانے زمانے میں اسے تنبیہ الغافلین کہتے تھے اور شاگرد اس کو احترام کی نظر سے دیکھتے تھے، کچھ مدت ہوئی ہم نے ایک کارٹون دیکھا کہ ایک استاد اپنے شاگرد رشید کو ایک موٹی سی کتاب سے دھڑا دھڑ پیٹ رہا ہے، کتاب کا نام بھی نظر آ رہا تھا ''دی چائلڈ سائیکالوجی'' یعنی بچوں کی نفسیات۔

ایک زمانے میں اخباروں سے صرف

خبروں کا کام لیا جاتا تھا یا پھر لوگ سیاسی رہنمائی کے لئے انہیں پڑھتے تھے آج تو اخبار زندگی کا اوڑھنا بچھونا ہیں، سیٹھ اس میں منڈیوں کے بھاؤ پڑھتا ہے، بڑے میاں ضرورت رشتہ کے اشتہارات ملاحظہ کرتے ہیں اور آہیں بھرتے ہیں، عزیز طالب علم فلم کے صفحات پر نظر ٹکاتا ہے اور علم کی دولت نایاب پاتا ہے، بی بی اس میں ہنڈیا بھوننے کے نسخے ڈھونڈتی ہے اور بعض لوگوں نے تو اخباری نسخے دیکھ کر مطب کھول لئے ہیں، پچھلے دنوں عورتوں کے ایک اخبار میں ایک بی بی نے لکھ دیا تھا کہ پریشر ککر تو مہنگا ہوتا ہے اسے خریدنے کی ضرورت نہیں، یہ کام بخوبی ڈالڈا کے خالی ڈبے سے لیا جا سکتا ہے، کفایت شعار بی بیوں نے یہ نسخہ آزمایا، نتیجہ یہ ہوا کہ کئی زخمی ہوئیں اور ایک آدھ بی بی تو مرتے مرتے بچی، ایسے نسخوں میں عمل کرتے ہوئے وہ حکایت نہ بھولنی چاہیے کہ ایک صاحب کی بھینس کو اپھارہ ہو گیا تھا، وہ ایک جہاں دیدہ بزرگ کے پاس دوڑے دوڑے گئے کہ۔

''پارسال آپ کی بھینس کو بھی تو اپھارہ ہوا تھا، آپ نے کیا دوا دی تھی۔''

ان بزرگ نے کہا۔

''سیر بھر سوڈا کاسٹک پانی میں گھول کر پلا دیا تھا۔''

وہ شخص گیا اور یہ نسخہ آزمایا، بھینس اسے نوش جان کرتے ہی مر گئی، وہ شخص پھر ان بزرگ کے پاس آیا اور شکایت کی کہ ''حضور میری بھینس تو یہ نسخہ استعمال کرتے ہی مر گئی۔''

''بھئی مر تو میری بھینس بھی گئی تھی۔'' ان بزرگ نے نہایت حلم اور متانت سے فرمایا۔

☆☆☆

ہم دس بارہ روز فلو میں مبتلا رہے اور بستر سے نہ اٹھ سکے، اس میں بھی کچھ دخل جدید طبی تحقیق کو ہے۔

ایک صاحب روحانی اور نفسیاتی علاج کرتے ہیں، انہوں نے ہدایت کی کہ اپنے دل میں یہ سمجھ لو کہ تمہیں فلو ولو کچھ بھی نہیں ہے، سب وہم ہے، ہم نے اس نسخے پر عمل کیا، بلکہ اگر کوئی کہتا تھا ''میاں دوا کرو، تمہاری کھانسی تو خطرناک معلوم ہوتی ہے۔''

تو ہم یہی جواب دیتے تھے کہ ''میاں ہوش کی دوا کرو، کون سی کھانسی؟ کیسی کھانسی؟'' ان کے علاج ختم ہوا تو دوسرے کرم فرما نے ایک اخبار میں سے دیکھ کے بتایا کہ۔

''دو دن کا مکمل فاقہ کرو اور پیاز کی گٹھی سونگھتے رہو۔''

اب ہم نے یہ عمل کیا، اتفاق سے نقوی کلینک والے ڈاکٹر نقوی صاحب نے دیکھ لیا اور کہا۔

''میاں کیوں پاگل ہو رہے ہو، اخبار والے ہو کر بھی اخبار کی باتوں پر یقین کرتے ہو، یہ لو کیپسول اور یہ رہا مکسچر۔''

خیر اللہ نے صحت دی، ہم نے ان نفسیاتی معالج کو پکڑا کہ۔

''حضرت ہم تو ڈاکٹر کی دوا سے ٹھیک ہوئے، آپ کو پچھلے دنوں فلو ہوا تھا، آپ کیسے نفسیاتی علاج سے ٹھیک ہو گئے۔'' ہنس کے بولے۔

''میاں میں بھی ڈاکٹر ہی کی دوا سے ٹھیک ہوا تھا۔''

☆☆☆

عائزہ خان سے ملاقات

کاشف گوریجہ

کنزہ خان جو کہ عائزہ خان نام سے جانی جاتی ہیں۔ عائزہ خان 15 جنوری 1991 میں پیدا ہوئی انہوں نے 16 سال کی عمر میں اپنے کیریئر کا آغاز ماڈلنگ سے کیا۔

ان کی پہلی ڈرامہ سیریز، تم جو ملے، ہم، ٹی وی پر ریلیز ہوئی۔ بعد ازاں پے در پے ڈراموں میں اپنی صلاحیتوں کو آزمایا ان کے کیریئر میں مشہور و مقبول ڈارمیں ٹوٹے ہوئے پر، کالا جادو، پل صراط، اور می رقصم شامل ہیں۔

ان ڈراموں کے علاوہ عائزہ نے مختلف چینلز پر مختلف ڈرامہ سیریز میں کام کیا اور بہت جلد ڈرامہ انڈسٹری میں اپنی ایک بڑی جگہ بنائی۔

ڈرامے کے علاوہ عائزہ خان نے ٹیلی فلمز میں بھی اپنے فن کو اجاگر کیا، ان کی مشہور ٹیلی فلمز، ہائے میں مری، من موہنی، پھر ہوائیں، اظہار، عید پہ آؤ نہ، ذرا سی عورت، اور دیگر شامل ہیں۔

ٹیلی وژن کمرشلز اور میوزک ویڈیوز میں بھی عائزہ خان نے پرفام کیا۔

عائزہ خان سے ملاقات قارئین حنا کے لیے اس ماہ کا توشہ خاص حاضر ہے۔

☆ آپ ڈرامہ انڈسٹری میں کیسے متارف ہوئیں؟

ﷲ میں نے اپنے کیریر کا آغاز ماڈلنگ سے کیا ڈرامہ میں ایکٹنگ کرنے کا سوچا بھی نہیں تھا ڈراموں میں بائی چانس ہی انٹری ہوئی

☆ کیسا رہا ماڈلنگ کرتے کرتے ڈراموں میں پرفارم کرنا؟؟؟

میرے لیے یہ نیا تجربہ تھا ایسا تجربہ جس کا میں نے سوچا بھی نہیں ہوا تھا۔ مگر میرے لیے بہت اچھا تجربہ ثابت ہوا۔

☆ کیا آپ کی فیملی نے آپ کو سپورٹ کیا؟؟؟

میری فیملی نے مجھے بہت سپورٹ کیا میری والدہ اکثر شوٹنگ کے دوران میرے ساتھ ہوتی ہیں۔

☆ ثانیہ سعید اور ان کی ٹیم کے ساتھ زرد موسم میں کام کا کیسا تجربہ رہا؟؟؟

ثانیہ سعید اور ان کی ٹیم کے ساتھ کام کا تجربہ بہت اچھا تھا ٹیم کے تمام ممبر نہایت ہیلپ فل تھے۔ اُن کے ساتھ کام کر کہ بہت انجوائے کیا۔

☆ کون سے ایکٹرز کے ساتھ آپ کو کام کر کے مزا آیا اور کیوں؟؟؟

مجھے ثانیہ سعید، صباء حمید، فیصل اور مہیب مرزا کے ساتھ کام کا زیادہ مزا آیا اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ سب بہت مددگار رہیں۔

☆ کس طرح کے رول آپ کو پلے کرنا اچھا لگتا ہے؟؟؟

مجھے ایسے رول کرنا اچھا لگتا ہے جس میں میں اپنے دیکھنے والوں کو کوئی میسج دے سکوں نہ کہ بولڈ رول۔

☆ آپ کے خیال میں کون سا رول ایسا ہے جو کہ آپ کے لیے ایک چیلنج رہا؟؟؟

میرے خیال میں می رقصم کے رول کو میں اپنے لیے ایک چیلنج سمجھتی تھی جو کہ میں نے بہت خوبی سے نبھایا۔

☆ ایکٹنگ میں آپ کس سے متاثر ہیں؟؟؟

پاکستان ڈرامہ لائن میں بہت باصلاحیت اداکار ہیں مگر مجھے مہیب مرزا، ہمی خان اور فہد مصطفیٰ کے کام نے مجھے بہت متاثر کیا۔

☆ آپ آسانی سے اپنی پرسنل لائف اور پروفیشنل لائف کو مینج کر لیتی ہیں؟ آپ کو مشکل نہیں لگتا؟؟؟

مجھے یہ سب یہ مشکل نہیں لگتا، یہ سب بہت اچھے طریقے سے مینج کر لیتی ہوں۔

☆ اگر آپ کو فلمز میں کام کی آفر ملے تو کیا آپ اسے قبول کریں گی؟؟؟

میں نے بہت سی ٹیلی فلمز میں کام کیا ہے، میرے خیال میں ڈرامہ تک ہی محدود رہوں گی فلمز میں کام سے معذرت کر لوں گی۔

☆ آپ کی ذات میں بہترین عنصر کیا ہے؟؟؟

یہی کہ میں بہت کام کرتی ہوں اور اچھا کام کرتی ہوں۔

☆ جب آپ اپنی پرسنل لائف میں شاپنگ یا دیگر کاموں میں مشغول ہوتی ہیں تو کیسا لگتا ہے آپ کے فینز آپ کو پہچان لیتے ہوں گے؟؟؟

جی ہاں فینز پہچان لیتے ہیں اور راستے میں ہی تبصرہ شروع کر دیتے ہیں۔

☆ آپ کو سر بازار اپنے فینز پر کبھی غصہ آیا؟؟؟

نہیں کبھی نہیں بلکہ میں بڑی محبت سے اُن کا استقبال کرتی ہوں۔

☆ میوزک میں دلچسپی رکھتی ہیں؟؟؟

آج کل کے دور میں جب میڈیا اتنا عام ہے تو میوزک میں دلچسپی کس کو نہیں ہوگی۔

☆ کس طرح کا میوزک پسند ہے؟

یہ موڈ پر ڈیپینڈ کرتا ہے جس طرح کا موڈ ہو اسی طرح کا میوزک سننا اچھا لگتا ہے۔

☆ کھانا پکانے کا شوق ہے؟؟؟

جی ہاں مجھے کھانا کھانے کا اور کھانا بنانے کا بہت شوق ہے اور میرے ہاتھ سے بنے کھانوں میں لذت بھی ہے۔

اپنے ہاتھ کے بنے کھانے بہت شوق سے کھاتی ہوں

☆ اپنے فینز کو کوئی پیغام دینا چاہیں گی؟؟؟

اپنے فینز کا بہت شکریہ کہ انہوں نے میری اداکاری کو سراہا، اور اُن کی محبت سے آج میں کامیاب ہوں۔

اس کے ساتھ ہی عائزہ خان سے ہماری ملاقات ختم ہوئی۔

☆☆☆

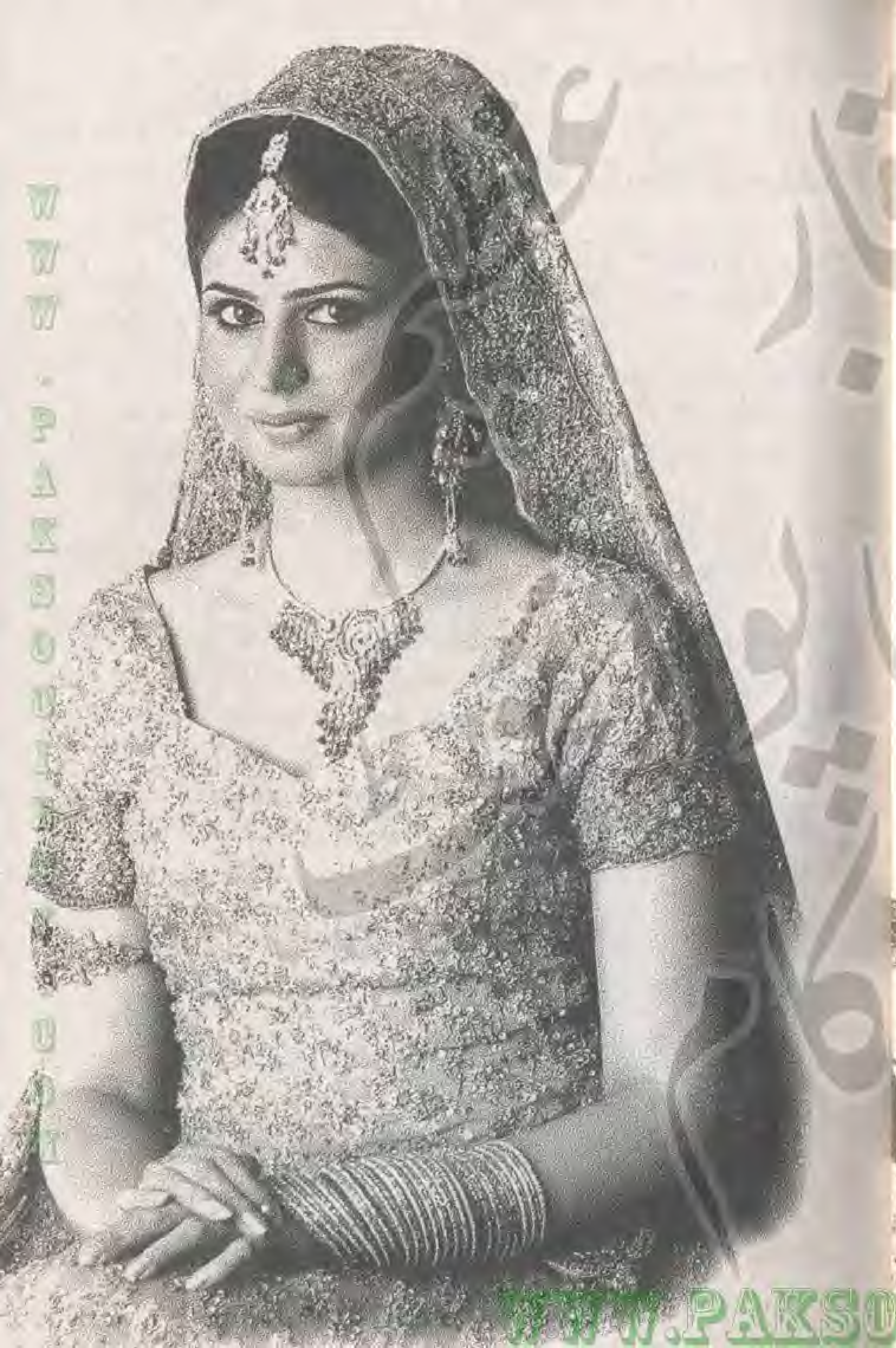

[illegible] آخری جزیرہ ہو

ام مریم

اٹھارویں قسط کا خلاصہ

معاذ، لیکچرار کی حیثیت سے جس کالج میں تعینات ہوا ہے پرنیاں وہیں پڑھتی ہے، نیہاں کے ساتھ وہاں ہر لڑکی معاذ حسن کی وجیہہ و شاندار پرسنالٹی پہ دل و جان سے فدا ہے، جبکہ پرنیاں اس قدر بے زار خائف اور کھڑی ہوئی، معاذ کو اس کا یہی رویہ تکلیف دیتا ہے، نیہاں، معاذ کی توجہ پرنیاں میں محسوس کر کے بپھر اٹھتی ہے اس کی یہی رقابت پرنیاں سے شدید جھگڑے کی صورت معاذ کے سامنے آتی ہے اور ثنا، معاذ کی پرنیاں کے لئے اتنی حساسیت محسوس کر کے چونک اٹھتی ہے اور اس کے سوالات پرنیاں کے ٹینشن بڑھانے کا باعث بنتے ہیں۔

زینب، تیمور کے ساتھ سمجھوتے کی زندگی گزارنے میں مصروف خود کو پردوں میں لپیٹ کر اپنوں کے سامنے پیش کرتی ہے مگر جہان جو اس کی رگ رگ سے واقف ہے اسی کے اندر کا بھید پا کر اس قدر اذیت و کرب کا شکار ہے۔

نوریہ کا پروپوزل آنے پہ زیاد اپ سیٹ ہے مگر نوریہ زیاد کے ساتھ زینب کی بھی سننے پہ آمادہ نہیں۔

زینب چیک اپ کی خاطر ہاسپٹل جاتی ہے واپسی پہ جہان کو اسے پک کرنا پڑتا ہے اور یہ سامنا جہان کی اذیت و کرب میں اضافے کا باعث بنتا ہے۔

اب آپ آگے پڑھیئے

انیسویں قسط

اس کی توقع اور خدشے کے عین مطابق جس نے بھی اسے دیکھا ایکدم حیران رہ گیا تھا اور وہی سوال کیا تھا جس سے وہ سب سے زیادہ خائف تھی۔

"کس کے ساتھ آئی ہو؟"

یہ الگ بات کہ اس سوال میں جوش محبت اور خوشی بھی شامل تھی مگر وہ اتنی زود رنج ہو رہی تھی کہ ان باقی اہم باتوں کو فراموش کر دیا تھا۔

"بے حد اداس ہو رہی تھیں زینب کے لئے، میں نے کہا مل آؤ۔" معاذ جب ہال کمرے میں پہنچا تھا اپنے مخصوص ازلی بے نیاز پر اعتماد انداز میں جواب دیا تھا، ان سب کی حیران اور متبسم شرارتی نگاہیں پرنیاں کی سمت اٹھ گئی تھیں۔

"ماشاء اللہ پھر تو مبارک ہو، آپ کی تو اچھی انڈر اسٹینڈنگ ہو گئی ہے لالے سے۔" ماریہ اس سے لپٹ کر جوش سے بولی تو پرنیاں کا ضبط جواب دے گیا تھا، کچھ کہے بغیر وہ مما سے لپٹ کر کچھ اس طرح سے روئی کہ ان کے ساتھ دیگر حاضرین بھی بوکھلا سے گئے، معاذ البتہ سیڑھیاں چڑھ کر اپنے کمرے میں جا چکا تھا۔

"کیا ہوا بیٹے! کچھ بتاؤ تو؟ کچھ کہہ دیا ہے معاذ نے؟" مما کی جان پہ بن آئی تھی، ماریہ بھاگ کر پانی لینے باہر دوڑی، بھابھی جلدی سے نزدیک سرک آئیں حوصلہ دینے کو، غرض ایک ہلچل سی مچ گئی تھی۔

"زبردستی لے کر آئے ہیں مجھے، اتنا ڈانٹا بھی ہے، مما پلیز آپ انہیں کہیں اس جاب سے ریزائن کر دیں، یا پھر میرا کہیں اور مائیگریٹ کرا دیں۔" وہ یونہی روتے ہوئے اصل مسئلہ بیان کر رہی تھی، بھابھی کے چہرے پہ مسکراہٹ بکھری اور مما گہرا سانس بھر کے رہ گئی تھیں، ماریہ نے پانی کا گلاس اس کی جانب بڑھایا۔

"معاذ سے کوئی اچھی امید رکھنا ہی عبث ہے۔" مما جھنجھلا کر کہہ رہی تھیں۔

"بھئی وہ ٹیچر ہے اب تمہارا، کسی غلطی پہ تو ڈانٹ سکتا ہے نا؟" بھابھی نے معاذ کا دفاع کرنا چاہا، پرنیاں نے شاکی نظروں سے انہیں دیکھا تھا۔

"اور وہ جو اتنا تنگ کرتے ہیں مجھے۔"

"تنگ......؟ اس کا مطلب جانتی ہیں، کیسا ان لمیٹڈ قسم کا لفظ ہے یہ اور اس سے بڑھ کر معنی خیز، ویسے کس قسم کا تنگ کرتے ہیں، وہ ہاتھ پکڑتے ہیں یا جسارت اس سے بھی کہیں آگے تک جا پہنچی ہے؟"

اس پل زینب اندر آئی تھی، اس کا آخری فقرہ ہی سنا تھا اور اسی کو لے کر رگید ڈالا تھا، انداز کی شوخی و شرارت اور معنی خیزی ایسی کہ پرنیاں کانوں کی لوؤں تلک سرخ پڑ گئی، سب کے بیچ اتنی خفت محسوس ہوئی تھی کہ اس کا زمین میں گڑ جانے کا جی چاہا تھا، اس کی نظریں نہیں اٹھ سکتی تھیں، مما نے زینب کو گھورا تھا اس نے ہنستے ہوئے پرنیاں کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا اور زبردستی گلے لگا لیا۔

"اُفوہ اتنا کیوں غصہ کر رہی ہو؟ یار شوہر ہیں وہ تمہارے۔" زینب کو اس کا چہرہ دیکھ کر ہنسی آئے جا رہی تھی، جہان ٹھنڈا سانس بھر کے رہ گیا، پرنیاں نے خود کو سنبھال کر اسے سلام کیا تھا، اس نے بڑی متانت اور شفقت بھرے انداز میں جواب دے کر خیریت پوچھی تھی۔

"ان کی خیریت نیک مطلوب نہیں ہے، لالے کی نگاہ کرم جو پڑ چکی ان پر۔" زینب کا موڈ اسے دیکھ کر خوشگوار ہو چکا تھا، مما چائے بنوانے کو اٹھ گئی تھیں، اس سے کچھ دیر بعد ہی زیاد بھی آ گیا۔

"ارے آپ کیسے راستہ بھول گئیں؟"

"اب یہ نہ پوچھنا کس کے ساتھ آئی ہیں، اس سوال نے بیچاری کو پہلے ہی بہت عاجز کیا ہے؟" زینب کے ہاتھ اچھا موضوع لگا تھا اسے چھیڑنے کا، زیاد حیران ہو کر اسے دیکھنے لگا۔

"ہے تو یہ اہم سوال، ورنہ یہ محترمہ اس دہلیز کو یونہی تو عبور نہیں کرتی ہیں، خصوصی بلاوا ہوتا ہے۔" پرنیاں کا چہرہ پھر تپنے لگا، اس نے ہونٹ بھینچ لئے تھے۔

"تم کون لا سکتا ہے، لالہ لے کر آئے ہیں۔" زینب نے زیاد کی معلومات میں اضافہ کرتے ہوئے شریر نظروں سے پرنیاں کو دیکھا تھا جس کی پیشانی پہ پسینہ نمودار ہونے لگا تھا، زیاد کو جھٹکا لگا۔

"رئیلی؟ امیزنگ یار، لالے کی کیا بات ہے، وہ کچھ بھی کر سکتے ہیں۔" حیرت کے بعد یاس زدہ لہجہ ہو گیا تھا، زینب نے اس کا کاندھا تھپکا۔

"فکر کیوں کرتے ہیں، آپ کے بھی انتظام میں لگے ہوئے ہیں، اللہ نے چاہا تو فل رومنٹک ماحول آپ کے لئے بھی تیار ہو جائے گا۔" زیاد نے مسکرا کر زینب کو دیکھا تھا۔

"تم نے کی بات اس سے؟"

"ہاں مگر وہ اڑیل ٹٹو بنی ہوئی ہے، نان سنس!" زینب نے دانت بھینچے تھے، تب ہی ماما ملازمہ کے ہمراہ ٹرالی سمیت وہاں پھر آ گئیں۔

"زینب بیٹے چائے بنا کر پرنیاں اور اپنی مما جان کو دو پہلے۔" مما نے تسبیح پڑھنے میں مشغول مما جان کو دیکھ کر کہا تھا۔

"پپا آ گئے؟" زینب نے سوالیہ نگاہوں سے مما کو دیکھا تھا۔

"ہاں آ گئے ہیں، ڈونٹ وری میں نے چائے بھیج دی ہے ان کی اور بھائی جان کی۔" مما پرنیاں کے ساتھ آ کر بیٹھ گئیں، زینب نے باری باری سب کو چائے دی تھی، مما جان نے تسبیح پوری کی پھر بالخصوص زینب اور پرنیاں کے منہ پہ پھونک ماری تھی اور پرنیاں کو گلے لگا کر پیار کرتے خیریت دریافت کرنے لگیں، دوران وظیفہ وہ بات کرنے سے گریز کیا کرتی تھیں، پرنیاں کے آنے پہ انہوں نے محض اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔

"ہاں جی کریں ان کے لاڈ، ہم تو سوتیلے ہیں نا؟" زیاد نے مما جان کو دیکھ کر شکایت بھری آواز میں کہا، تو مما جان نے فوراً اسے بھی گلے لگا کر ماتھا چوما تھا۔

"کیوں بیٹے! مجھے تو سب بچے برابر ہیں۔"

"مذاق کر رہا ہے بھابھی بیگم! آپ بھی کس کی باتوں میں آ رہی ہیں؟" مما ہنسنے لگیں، ایسے ہی خوش گوار ماحول میں چائے پی گئی تھی۔

"معاذ کو چائے نہیں دے کر آئیں ماریہ؟ اب وہ شور مچائے گا۔" مما نے یاد آنے پہ ماریہ کو دیکھا تھا، وہ بوکھلا سی گئی۔

"میں تو نہیں جا رہی اب، مما ڈانٹ کھانے کا موڈ نہیں ہے۔" ماریہ نے صاف جواب دیا تھا۔

"لالے نے کیا پردہ کر لیا ہے ان سے؟ یہاں آ کر چائے نہیں پی سکتے تھے؟" زیاد نے پرنیاں کو دیکھ کر پھر محفل گرم کرنی چاہی، جہان نے فہمائشی نظروں سے زیاد کو دیکھا، پرنیاں کی گھبراہٹ اس کی نظروں سے مخفی نہیں تھی۔

"نوریہ اور حوریہ کو بھی بلا لیں نا مما!" پرنیاں کو یہ کمی بڑی شدت سے محسوس ہوئی تھی، زیاد جھوم اٹھا۔

"جیتی رہیں بھاوج! آپ نے تو میرے دل کی کلی چٹکا دی ہے۔" وہ منہ بھر بھر کے اسے دعائیں دے رہا تھا، پرنیاں تو کہہ کر پچھتائی تھی، اس نے جھینپ کر سر جھکا لیا تھا۔

"جاؤ حسان! بلا کے لاؤ نوریہ کو، کہنا پرنیاں جی بلا رہی ہیں۔" زیاد نے حسان کو دوڑایا تھا، باقی سب زیر لب مسکراتے رہے، جہان اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا، ماریہ کو اس وقت اکیڈمی جانا ہوتا تھا وہ بھی چلی گئی، بھابھی کچن میں کھانے کے انتظام میں مصروف ہو گئی تھیں، ساتھ میں مما بھی ان کی مدد کے خیال سے اٹھیں تھیں کہ پرنیاں نے اپنی خدمات پیش کر دیں۔

"میں ہیلپ کروا دیتی ہوں مما!"

"جیتی رہو بیٹی! ابھی نہیں، ساری زندگی آپ کو ہی کرنا ہے یہ کام، مگر باقاعدہ طریقے سے۔" مما تو نہال ہی ہو گئی تھیں اسے لپٹا کر وفور جذبات سے بولیں۔

"جی جی! جب لالے آپ کو باقاعدہ رخصت کرا کے لے آئیں گی، یہ والی رخصتی تو عارضی سی ہے نا۔" زیاد کو پھر موقع ملا تھا، اسے چھیڑنے کا، زینب ہنسنے لگی، مما نے پرنیاں کے حیا آلود شرمائے ہوئے روپ کو محبت آمیز نگاہوں سے دیکھتے ہوئے اپنی دونوں اولادوں کو تادیبی نظروں سے گھورا تھا۔

"خبردار کوئی ضرورت نہیں ہے میری بیٹی کو تنگ کرنے کی۔"

"جی ہاں ہم بھلا کیوں کر تنگ کر سکتے ہیں، یہ پرمٹ تو آپ کے بڑے صاحبزادے نے حاصل کر لیا ہے۔" زیاد نے چہک کر کہا تھا، زینب کا قہقہہ سب سے بلند تھا، پرنیاں بری طرح بلش ہوئی تھی، اس کا دل اتنی شدتوں سے دھک دھک کرنے لگا کہ گویا ابھی پسلیاں توڑ کر سینے سے باہر آ گرے گا۔

"مما! مام!" معاذ نہایت خراب موڈ کے ساتھ تیزی سے سیڑھیاں اترتا ہوا نیچے آ رہا تھا، زیاد نے ٹھنڈا سانس بھرا۔

"لیجیے آ گئے ہیں، اپنے حق جتلانے۔" وہ مصنوعی خفگی سے بولا۔

"مما میرے کمرے کا دیکھا ہے کیا حشر ہو رہا ہے، کسی کو احساس تک نہیں ہے، جو کام بھی کروانا ہے خود کہہ کر حد ہے یعنی......" اس نے آتے ہی غصہ دکھانا شروع کر دیا تھا، مما نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

"کیا گستاخی سرزد ہو گئی سرکار! اتنا غصہ؟" زیاد کی زبان پر پھر خارش ہوئی مگر معاذ اس کی بجائے مما کو شاکی انداز میں دیکھ رہا تھا۔

"آپ کے پاس میرے لئے تو ٹائم بچتا ہی نہیں ہو گا نا۔" اس کا منہ پھولا ہوا تھا، مما کو ہنسی آنے لگی، پرنیاں دانستہ سے اگنور کر رہی تھی، ورنہ زیاد کی معنی خیز مسکراہٹ جو معاذ کو وہاں آتے دیکھ کر ہی اس کے ہونٹوں سے مستقل طور پہ چپک گئی تھی اسے کنفیوژ کرنے کو کافی تھی۔

"ابھی تک بچگانہ حرکتیں ہیں میرے اتنے بڑے بیٹے کی۔"

"کیا ہوا ہے کچھ بتاؤ بھی؟" مما نے اس کے بال بکھیرے تو اس نے کچھ اور بھی خفگی سے انہیں دیکھا تھا۔

"پچھلے آدھ گھنٹے سے میں وارڈ روب سے پہننے کے لئے کوئی لباس دیکھ رہا ہوں مگر نہیں مل رہا، اگر شرٹ ہے تو جینز نہیں جس کا ٹراؤزر ہے اس کی شرٹ غائب، سب کچھ مکس ہو رہا ہے۔" وہ بری طرح سے جھلایا ہوا تھا۔

"شرٹس کے بٹن بھی چیک کر لینے تھے لالے، ٹوٹے ہوئے نہ ہوں۔" زیاد نے چھیڑا۔

"معاذ بیٹے ابھی چینج کر لو، میں بزی ہوں نا، کچھ دیر میں آ کر آپ کی وارڈ روب ٹھیک کر دوں گی۔" مما نے اسے تسلی دی، مگر وہ حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر رہ گیا تھا۔

"یعنی مزید انتظار، دوسرے لفظوں میں ٹائم ویسٹ، مام آپ بزی ہیں کسی اور سے کہہ دیں نا، سب ہاتھ پہ ہاتھ ہی دھرے بیٹھی ہیں نا۔" اصلاح دینے کے ساتھ اس نے ترچھی نگاہوں سے پرنیاں کو دیکھا تو زیاد کو گدگدی سی ہوئی تھی۔

"اوئے ہوئے۔" اس نے سیٹی بجائی تھی۔

"سیدھی طرح سے کہیں نا آپ کو پرنیاں کی خدمات درکار ہیں۔"

"سمجھ دار کو اشارہ کافی ہوتا ہے، مام کیا خیال ہے۔" معاذ نے پہلے زیاد کو ٹرخایا تھا پھر مما کے گلے میں بازو حمائل کر کے منمنایا، پرنیاں اپنی جگہ پہ متذبذب اور کنفیوز ہو رہی تھی۔

"بیٹے اچھا نہیں لگتا، بچی مہمان ہے، آپ کام کروا رہے ہیں۔" مما نے مسکراہٹ دبائی تھی اور کسی قدر سنجیدگی سے جواب دیا۔

"مہمان کو خود خیال کر لینا چاہیے، کسی کا اتنا سا کام کرنے سے تھکن تھوڑا ہی ہو جاتی ہے۔" اب کے معاذ براہ راست پرنیاں کو دیکھ رہا تھا، انداز میں خفیف سی شوخی کا رنگ تھا، زیاد کو اچھو لگ گیا تھا، پرنیاں گھبرا کر کھڑی ہو گی۔

"مما! آ...... آپ...... ان کا کام کر دیں میں کچن دیکھ لیتی ہوں بھابھی کے ساتھ۔" معاذ نے سر پیٹنے والے انداز میں جھلا کر اسے دیکھا اور گویا اپنے بال ہی نوچ لئے تھے۔

"حد ہے یعنی، آپ یہ بھی کہہ سکتی تھیں محترمہ کہ میں آپ کا وارڈ روب دیکھ لیتی ہوں۔" وہ بے حد شاکی تھا، پرنیاں کا چہرہ فق ہو گیا، اس کی گھبراہٹ تبدریج بڑھ رہی تھی، اوپر سے زیاد اور زینب کو کھی کھی، وہ واقعی کنفیوژ ہو چکی تھی، مما نے سر تھام لیا۔

"پرنیاں جاؤ بیٹے آپ ڈھونڈ کے دے دو اسے کپڑے۔" وہ سخت عاجز ہو کر بولی تھیں، معاذ نے سکھ کا سانس لے کر پھر مما کو گلے لگایا تھا۔

"تھینکس۔" وہ ان کے کان میں گھس کر ہنسا، مما نے اسے ایک چپت لگا دی تھی، پرنیاں شپٹائی ہوئی سی اس کے کمرے کی جانب روانہ ہوئی تھی، یوں جیسے اس کے پاس کوئی چارہ اس کے سوا رہ ہی نہ گیا ہو۔

"بہانہ تھا کپڑوں کا تو، ورنہ تو صاف لگتا ہے آپ ان کے ساتھ تنہائی چاہ رہے تھے۔" پرنیاں کے جانے کے بعد زیاد نے آہ بھر کے معاذ کو جتلایا وہ ڈھٹائی سے ہنسنے لگا۔

"بات ساری سمجھداری کی ہوتی ہے، میں اپنی راہیں خود ہموار کر رہا ہوں، عقل استعمال کرتے ہوئے۔"

اس کے لہجے کا تفاخر اور زعم بے مثال تھا، زیاد نے رشک آمیز نگاہوں سے اسے دیکھا اور بے اختیار داد دی۔

"آپ کو پہلے سے گرو مان چکا ہوں، بس ہار پھول پہنانے کی خواہش ہے۔"

"ہار پھول ذرا ٹھہر کے پہنانا، ابھی تو میں اپنے کمرے میں جا رہا ہوں۔" معاذ نے مسکراہٹ دبا کر بے نیازی کا شاندار مظاہرہ کیا اور اسے ہاتھ سے وکٹری کا نشان بنا کر دکھاتا سیڑھیاں چڑھ گیا، پرنیاں اس کے کمرے میں پہلے بھی آ چکی تھی، تب بھی اس کی فیلنگز عجیب تھیں اب تو عجیب تر تھیں، پہلے وہ اس کی بے اعتنائی لاتعلقی اور سرد مہری سے زخم خوردہ تھی اب اس کی توجہ اور التفات اسے ہر پل سہمائے رکھتے تھے، اس کے ہر اٹھتے قدم میں اب بھی گریز اور جھجک تھی مگر وہ یہ سب کرنے پہ مجبور مما کے کہنے پہ ہو گئی تھی، ورنہ اسے اپنا حق اپنے تمام تر شخصی وقار اور شناخت کے ساتھ ہی درکار تھا، معاذ اسے اس کے اصل حوالے سے نہیں جانتا تھا، یہ بات اکثر اسے بہت توہین آمیز احساس کربناک اذیتوں سے دوچار کیا کرتی تھی، مگر چارہ صبر کے سوا کچھ نہیں تھا، یہ سارا معاملہ کچھ اس طور الجھا تھا کہ سلجھنے کی امید عبث ہو کر رہ گئی تھی، بظاہر دیکھا جاتا تو یہ عام سی بات تھی، معاذ نے منتخب تو اسی کو کیا تھا، کیا فرق پڑتا تھا کہ وہ اس حوالے سے آگاہ نہیں تھا مگر وہ جس حد تک حساس تھی اسے اپنا رونا مضطرب اور ہرٹ کر چکا تھا اب وہ اسی حوالے سے منتخب بھی ہونا چاہتی تھی مگر حالات اور واقعات کسی اور ڈگر پہ چل نکلے تھے، اسے اپنا وجود حالات کے سمندر میں ڈوبتا ابھرتا ایک حقیر تنکا محسوس ہونے لگا تھا جو تند خیز موجوں کے رحم و کرم پہ لمحوں میں زیر و زبر ہوتا رہتا ہے، وہ کبھی اپنے اعصاب کو ٹوٹتا بکھرتا اور مجروح ہوتا محسوس کرتی رہتی تھی مگر وہ ان پر خلوص لوگوں کو بھی آزمائش میں مبتلا نہیں کرنا چاہتی تھی، جنہوں نے اسے محبت مان اور عزت دینے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی، مما نے کہا تھا، معاذ ضدی اور جذباتی ہے، وہ غصے میں سب سے زیادہ اپنا نقصان کرتا ہے، اسے ان کی ریکوسٹ یاد تھی جبھی وہ اکثر مقامات پہ اپنی انا اور پندار کو اپنے ہی پیروں تلے کچل جاتی تھی، یہ بھی ایک ایسا ہی عمل تھا جس نے اسے اندر سے شکستہ کر دیا تھا۔

"آ...... آہم!"

وارڈ روب کھولے کپڑوں کے جوڑے بنا کر تہہ لگاتی وہ اپنی سوچوں میں اس بری طرح غلطاں تھی کہ معاذ کے آنے کی اسے خبر تک نہ ہو سکی، وہ اس کے پاس آ کر بولا تب وہ جو بے دھیان بے خیال تھی ایک دم زور سے اچھل گئی تھی، معاذ کی شرٹ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر قدموں میں جا گری، اس نے گھبرا کر معاذ کو دیکھا اور اسے روبرو پا کے ان بڑی بڑی سحر طراز آنکھوں میں واضح گریز اتر آیا۔

"آ...... آپ یہاں کیوں آئے ہیں؟" وہ جھنجھلائی جز بز ہوئی تھی، جس قدر اعتراض ہوا تھا اس شدت سے اس کے لہجے میں ناپسندیدگی اتر آئی تھی، معاذ کی آنکھیں حیرت سے پھٹنے والی ہو گئیں۔

"ہائیں! یعنی کہ میں اپنے کمرے میں بھی نہیں آ سکتا، یہ کیسی پابندی ہے بھئی؟" اس کے انداز میں مصنوعی پن تھا، دبی ہوئی مسکراہٹ اس کے موڈ کی سرشاری اور سرمستی کی غماز تھی۔

"میرا مطلب ہے، یہ ایٹی کیٹس کے خلاف ہے، میں اپنا کام کر کے چلی جاتی تو آپ کو آنا چاہیے تھا۔" وہ بے طرح جھنجھلائی تھی، اسے غصہ آتے جا رہا تھا، وہ خود کو معاذ کے سامنے ہرگز بھی گھاس بنا کر پھینکنا نہیں چاہتی تھی۔

"اجی چھوڑیں جی ایٹی کیٹس کو، خود سوچیں اگر مجھے خود باہر ہی رہنا ہوتا تو اتنے جتن کر کے آپ کو یہاں بلانے کی ضرورت کیا تھی۔" اس کے ذومعنی جملے پر پرنیاں کا حلق خشک ہو کر رہ گیا، اس نے سراسیمگی کی کیفیت میں گھبرا کر اسے دیکھا تھا۔

"کی...... کیا...... مطلب؟ کہنا کیا چاہتے ہیں آپ؟" خشک لبوں پہ زبان پھیر کر وہ بامشکل کچھ بولنے کے قابل ہو سکی تھی، رنگ ہر لمحہ پیلا پڑتا جا رہا تھا مگر معاذ پہ جیسے سرے سے کوئی اثر نہیں تھا، اس نے جواباً بہت گہری نگاہوں سے اسے دیکھا تھا پھر بھرپور مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

تو میرا کفر ہے، تو میرا ایماں بھی
تو نے لوٹا ہے مجھے تو نے بسانا ہے مجھے
میں تمہیں یاد بھی کرتا ہوں تو جل اٹھتا ہوں
اب تجھے بھی اسی آگ میں جلانا ہے مجھے

یہ اس کے انداز بیان کا سحر ہی تھا کہ ماحول پہ ایک خوبصورت سی خاموشی طاری ہو گئی تھی، پرنیاں کی ہتھیلیاں بھیگنے لگیں، معاذ نے ایک مخموری سی سانس بھری تھی، اپنی بے حد روشن مگر شوخ نگاہوں کو اس کی لرزتی پلکوں پہ جمایا تھا اور دل سے مسکرا دیا۔

"آپ بھی تو کچھ کہیں نا پرنیاں۔" وارڈ روب کے کھلے دروازے سے ٹیک لگائے دونوں بازو سینے پہ لپیٹے وہ کتنا فریش کس درجہ مطمئن نظر آتا تھا، پرنیاں نے لرزتے ہاتھوں سے اپنا دوپٹہ سنبھالا اور کچھ کہے بغیر باہر جانے کو لپکی تھی کہ معاذ نے بے اختیار اپنا بازو پھیلا کر گویا اس کی راہ مسدود کی تھی، پرنیاں اگر بروقت تھم نہ جاتی تو لازمی اس سے ٹکرا گئی ہوتی، اس نے کس قدر غصہ بھری نگاہوں کو اٹھایا۔

"سوری! بٹ آپ کا کام مکمل نہیں ہوا ابھی۔" وہ تبسم خیز لہجے میں بولا تھا۔

"مجھے جانے دیں پلیز۔" وہ رو دینے کو تھی، معاذ بھی یکدم سنجیدہ ہو گیا۔

''تیمور خان کی حویلی میں جو کچھ آپ نے دیکھا وہ......''

''مجھے آپ کے کسی بھی پرسنلز سے انٹرسٹ نہیں ہے سر! آپ کیوں کانشش ہو رہے ہیں۔'' پرنیاں نے بھڑک کر کہتے اس کی بات قطع کر دی، معاذ نے اس کے تنے ہوئے نقوش والے گلابی چہرے کو دیکھا۔

''میں صرف آپ کے لئے کانشش ہوں مس اور میں ہر کسی کو وضاحتیں اور صفائیاں بھی نہیں دیا کرتا۔'' وہ یکدم سرد مہری پہ اتر آیا تھا اور کسی قدر نخوت سے بولا تھا۔

''اینڈ لیسن۔''

انا پرست تو ہم بھی غضب کے ہیں لیکن
تیرے غرور کا بس احترام کرتے ہیں

اب کہ اس کا لہجہ کسی قدر فہمائشی تھا، پرنیاں اپنی جگہ پہ بل کھا کر رہ گئی، غم و غصے سے اسے اپنا دماغ ماؤف ہوتا محسوس ہوا، عجیب شاہانہ انداز تھا باور کرانے کا، وہ پھٹ پڑنے کو ہوئی مگر اس کی شخصیت میں کچھ ایسا رعب و دبدبا تھا کہ وہ اپنی کڑواہٹ پوری طرح نہیں نکال سکی، کہا تو فقط اس قدر۔

''مجھ سے ایسی باتیں مت کیا کریں سر!'' اس کے لہجے کی گمبھیر تر سنجیدگی اور چڑ نے معاذ کو سکتے میں مبتلا کر دیا تھا، پرنیاں کہہ کر خود ہی خائف بھی ہو گئی، یوں لب بھینچے کھڑا تھا جیسے اپنے اندر سے اٹھتی طیش کی تند لہر کو دبا رہا ہو، پھر اس نے ایک گھٹی گھٹی سانس بھری۔

''دوبارہ کہیں یہ بات پرنیاں، میری طرف دیکھ کر۔'' وہ اس کے سامنے آن کھڑا ہوا تھا، پرنیاں کا اضطراب بڑھنے لگا، اس نے پلکیں نہیں اٹھائیں۔

''کبھی کبھار میرا دل چاہتا ہے ان تمام بدتمیزیوں کی آپ کو ایسی ہی سزا بھی دوں مگر پرنیاں میں خود اپنے دل کے ہاتھوں بے بس ہوں۔'' وہ عجیب سی بے بسی کا شکار ہو کر کہہ رہا تھا، اپنے اپنی آنکھوں میں شدید جلن محسوس ہو رہی تھی۔

''میں ہمیشہ سراہا اور پسند کیا گیا ہوں، پرنیاں آپ ہیں جو مجھے اگنور کر رہی ہیں، یہی بات مجھے حیران کرتی ہے، وائے کیا کمی ہے مجھ میں آپ کو بتانا پڑے گا۔'' اس کے لہجے میں پھر سے غصہ جھنجھلاہٹ ضد اور ہٹ دھرمی در آئی تھی، پرنیاں کی جان ہوا ہونے لگی۔

''آپ مجھے جانے دیں پلیز۔'' اس نے پھر وہی رٹ لگائی تھی، معاذ نے جھلا کر اسے دیکھا، پھر کسی قدر تختی سے بولا تھا۔

''ہاسٹل میں کیوں رہتی ہیں آپ؟ زینب سے دوستی کیسے ہوئی، دو سال پہلے تک تو میں نے کبھی آپ کو نہیں دیکھا، وہ انگلش میں ماسٹرز کر رہی تھی آپ میڈیکل کی اسٹوڈنٹ، کالج بھی آپ کے الگ، یہ تعلق اتنا گہرا کیسے ہو گیا کہ آپ کی میری ساری فیملی سے جان پہچان ہو گئی۔'' وہ اب کے کسی قدر تختی سے بولا تھا، پرنیاں موضوع کی یکلخت تبدیلی پہ سارا اعتماد اور طنطنہ ہوا ہوتا محسوس کرتی بری طرح سے پزل ہوئی تھی، اس کا دل دھک سے رہ گیا، اسے سمجھ نہیں آئی آخر اس قسم کے سوالوں کا مقصد کیا تھا، سب سے بڑا خوف اسے یہی محسوس ہوا تھا کہیں وہ سب کچھ جان تو نہیں گیا۔

''ک...... کیا مطلب؟ یہ انویسٹی گیشن کیسی؟'' وہ بری طرح گڑبڑائی۔

''میں آپ کے پیرنٹس سے ملنا چاہتا ہوں، جب کسی لڑکے کو کوئی لڑکی پسند آ جائے تو اس کے پیرنٹس سے ملا جاتا ہے نا۔'' معاذ ہنوز سنجیدہ تھا، پرنیاں نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا اور اس کی نگاہوں میں رقم سچائی کو پا کر قدرے ریلیکس ہوئی تھی۔

''اور وہ جو آپ کی منکوحہ......'' پرنیاں نے کسی قدر طنز سے کہتے کاٹ دار نظروں سے اسے دیکھا تو معاذ کا خراب موڈ کچھ اور بھی برہمی سمیٹ لایا۔

''اسے آپ جہنم میں جھونک دیں، آپ کو اس کی اتنی فکر کیوں ہے؟'' وہ ضبط کھو کر پھٹ پڑا تھا۔

''اس لئے فکر ہے کہ میں نہ غاصب ہوں نہ بے حس، سمجھے آپ۔'' پرنیاں جو اس ذلت پر کٹ کر رہ گئی تھی، جھلس کر بولی تھی اور اس سے کترا کر کمرے سے بھاگ گئی، معاذ نے شدید غیض کے عالم میں ٹیبل کو ٹھوکر رسید کی تھی۔

☆☆☆

چاند سفارش جو کرتا ہماری دیتا وہ تم کو بتا
شرم و حیا کے پردے گرا کے کرنی ہے ہم کو خطا
ذکر ہے اب تو خود کو مٹانا ہونا ہے تجھ میں فنا
چاند سفارش جو کرتا ہماری دیتا وہ تم کو بتا

شام کا وقت تھا وہ مما اور بھابھی کے ساتھ کچن میں آ گئی تھی، جب کچن کی کھلی کھڑکی سے انڈین گانے کی آواز اندر آنے لگی، پرنیاں نے حیران ہو کر کھڑکی سے جھانکا، معاذ سلیولیس بلیک ٹی شرٹ میں ملبوس جینز کے پائینچے چڑھائے برآمدے میں اپنی بائیک دھونے میں مصروف تھا، کچھ فاصلے پہ پڑی چیئر پہ اس کا سیل فون موجود تھا، اسی پہ یہ سانگ چل رہا تھا، وہ گہرا سانس بھر کے پیچھے ہٹنے کو تھی کہ اسی پل معاذ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا، دیکھا کیا اندر تک جھانکا تھا، عجیب نظریں تھیں، مجنونانہ سی ضدی سرکش قسم کی، پرنیاں کو اس کی نگاہوں کے اسی جتلاتے ہوئے انداز نے خوفزدہ کیا تھا، وہ بے اختیار پیچھے ہٹی، اسے جانے کیوں لگا تھا معاذ نے جان بوجھ کر یہ سب کیا ہے ورنہ وہ اور اس قسم کے کام کرے، ناممکن، مقصد اسے یہ کچھ جتلانا تھا، اس کا دل عجیب سے انداز میں دھڑکنے لگا، ابھی وہ سنبھلی بھی نہیں تھی کہ وہ دندناتا ہوا کچن کے دروازے پہ آن کھڑا ہوا۔

''مما مجھے چائے بنا کر دیں، ساتھ میں کچھ کھانے کو بھی۔'' کچن کے دروازے سے کاندھا ٹکاتے ہوئے بولا تھا، کھڑکی کے رستے گانے کی آواز اسی زور و شور سے آ رہی تھی۔

تیری ادا بھی جھونکے والی چھو کے گزر جانے دے
تیری لچک ہے جیسے ڈالی دل میں اتر جانے دے
آ جا بانہوں میں کر کے بہانہ ہونا ہے تجھ میں فنا
چاند سفارش جو کرتا ہماری دیتا وہ تم کو بتا

شرم و حیا کے پردے گرا کے کرنی ہے ہم کو خطا

پرنیاں نے دانستہ روخ پھیر لیا تھا اور بریانی کا مسالہ بھوننے لگی، ہنگر کے کھلے ڈلے الفاظ اس کے چہرے پہ سرخی ہی نہیں تپش بھی سمیٹ لائے تھے، ناگواری جو تھی وہ الگ۔

''دیوانہ کر دیا ہے میرا دیور تم نے پرنیاں! قسم سے مجھے تو اب بیچارے پہ رحم آنے لگا ہے، تم بھی کر لو نا ذرا سا اس طرح تو وہ بھی کسی کی توجہ کا طالب نہیں ہوا قسم سے۔'' بھابھی اس پہ جھک کر شریر مسکان کے ساتھ بولی تھیں، پرنیاں ہولے ہولے کانپنے لگی، جو بھی تھا جیسے بھی تھا، وہ آخر انسان تھی، اتنی توجہ اسے بھی پریشرائز کرتی تھی، وہ تو پہلے ہی اسیر تھی، اکثر اس پہ متضاد کیفیات کا غلبہ چھا جاتا، بھابھی کی بات پہ اس کا دل معمول سے ہٹ کر دھڑکنے لگا، کچھ کہے بغیر اس نے محض ہونٹ کچلے تھے۔

''یہ لو دے آئے اسے۔'' بھابھی نے جھٹ پٹ چائے بنا کر ساتھ میں کباب اور کٹلس تیار کر کے ٹرے سجا دی تھی۔

''جاؤ نا، وہ تمہارے لئے اتنے جتن کر رہا ہے تم اتنا بھی نہیں کر سکتیں، بیوی ہو اس کی۔'' بھابھی نے اس کے گریز اور شرم کو دیکھتے ہوئے نرمی سے سمجھایا، پرنیاں نے مضطرب نظروں سے مما کو دیکھا، وہ خاموش تھیں مگر ان کی نگاہیں اور چہرے کے تاثرات ضرور بھابھی کی بات کی تائید کر رہے تھے، وہ یہیں پہ ہارنے لگتی تھی، اسے ٹرے تھامنا پڑی، معاذ دوبارہ باہر جا چکا تھا، پرنیاں کے ہر اٹھتے قدم کے ساتھ اس کا پندار زخمی ہو رہا تھا، معاذ نے اسے دور سے آتے دیکھا تو اپنی فتح پہ نازاں ہو کر مسکرایا اور پائپ پھینک کر پہلے نل بند کیا پھر تولیہ اٹھا کر ہاتھ پونچھنے لگا تھا مگر انداز میں واضح فتح مندی تھی۔

ہے جو ارادے بتا دوں تم کو شرما ہی جاؤ گی
دھڑکنیں جو سنا دوں تم کو گھبرا ہی جاؤ گی
ہم کو آتا نہیں ہے چھپانا ہونا ہے تجھ میں فنا
چاند سفارش جو کرتا ہماری دیتا وہ تم کو بتا
شرم و حیا کے پردے گرا کے کرنی ہے ہم کو خطا

وہ خود بھی ساتھ ساتھ گنگنانے لگا تھا، وہی سحر انگیز بیان، وہی سحر طراز لہجہ، وہی جان نکال لینے والا انداز، پرنیاں کے اندر اکھاڑ بچھاڑ ہونے لگی، اس نے جھک کر ٹرے میز پر رکھی تھی پھر ٹیبل کو کرسی کے نزدیک کر دیا۔

''کہاں جا رہی ہیں؟'' اسے پلٹتے دیکھ کر وہ تیزی سے ٹوک گیا۔

''میں کچن میں بزی ہوں۔'' پرنیاں نے جیسے طوطا کر ہا جواب دیا تھا۔

''پرنیاں مجھے یہ تو بتا دیں آپ نے کیا فیصلہ کیا ہے؟''

''کون سا فیصلہ؟'' وہ ششدر رہ گئی۔

''پرنیاں میرے یہی نیک ارادے ہیں جو یہ حضرت بیان کر رہے ہیں۔'' اس نے ہاتھ سے موبائل فون کی سمت اشارہ کیا جس پہ وہی گانا پھر ری وائنڈ کر دیا تھا، البتہ آواز کم تھی پرنیاں کا چہرا

اس درجہ بے حجابی کے مظاہرے پہ خفت اور حیا سے دہک اٹھا، وہ ایک دم جھٹکے سے مڑی تھی پہلے سے دوسرا قدم نہیں اٹھا سکی، معاذ اپنے آہنی وجود کے ساتھ اس کے راستے کی دیوار بن گیا تھا۔

''مجھے جانے دیں سر!'' وہ جیسے روہانسی ہو گئی۔

''میری بات کا جواب دیئے بغیر آپ نہیں جا سکتیں۔'' وہ ایک بار پھر ہٹ دھرم اور خود سر تھا، ہٹیلے انداز میں بات کرنے والا۔

''پرنیاں اور نیلما میں فرق ہے سر! آپ اسی فرق کو نہیں سمجھ پا رہے ہیں۔'' وہ پھٹ پڑی تھی، وہ ہمیشہ مفاہمت کرتی اپنے آپ کو توڑتی پھر اس کی جانب بڑھتی تھی مگر وہ ہر بار اسے شکستگی کرب اور دکھ سے لبریز کر دیا کرتا تھا، معاذ ساکن رہ گیا، محض ایک لمحے کو اس کی پرنیاں کی نمناک آنکھوں سے نگاہ چار ہوئی تھی اور اس نے پرنیاں کی آنکھوں میں کرب اضمحلال کے ساتھ شکوہ بھی نظر آیا تھا، وہ دوڑتی ہوئی راہداری کے موڑ پہ غائب ہو گئی، معاذ نے بھینچے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ کپ واپس ٹیبل پہ پٹخ دیا۔

(تم بھی مجھے نیلما کے درجے پر لا کر پرکھ رہی ہو پرنیاں! یہی تمہاری غلطی ہے اور میں معاف کرنے والوں میں سے نہیں ہوں) وہ لمبے ڈگ بھرتا اپنے کمرے میں جا رہا تھا۔

☆☆☆

جی بھر کے دیکھوں تجھے اور تجھے گوارا ہو
بے تاب میری نظریں ہوں اور پیار تمہارا ہو
جاں کی فکر ہو نہ دنیا کی پرواہ
اک تیرا پیار ہو جو بس ہمارا ہو

معاذ گنگناتے ہوئے تیار ہو رہا تھا جب دروازہ ناک کر کے زیاد اندر آیا، وہ خود بھی ٹک سک سے تیار ہاسپٹل جانے کو تیار تھا۔

''ہائے لالے! ہاؤ آر یو؟'' زیاد مسکرایا تھا، معاذ نے پرفیوم اسپرے کرتے ہوئے گردن ترچھی کر کے اسے دیکھا۔

''صبح صبح کیوں نازل ہو گئے ہو چھوٹے؟''

''آپ سے اک کام کہا تھا کچھ بنا اس کا؟'' وہ بھی اسی کا بھائی تھا اس نے اگر غرض کو پا لیا تھا تو شرمندہ ہونے والوں میں سے زیاد بھی نہ تھا جھٹ مطلب کی بات کی۔

''کون سا کام؟'' معاذ اب بیڈ پہ بیٹھ کر موزے پہن رہا تھا، زیاد نے چڑ کر اسے دیکھا۔

''بالکل صحیح، کریں یہ سوال مجھ سے، آپ کو تو پرنیاں جی کے سوا آج کل سب کچھ بھولا ہوا ہے۔'' زیاد کا موڈ بگڑ گیا تھا، جبھی لڑنے کو تیار ہو گیا۔

''اُفوہ طعنے کیوں دینے بیٹھ گئے ہو، یاد کرا دو نا۔'' معاذ نے اسے گھورا تھا، زیاد سرد آہ بھر کے رہ گیا، کیا شان بے نیازی تھی۔

''نوریہ سے بات کی نہیں نا آپ نے؟'' اور معاذ واقعی شرمندہ ہو گیا تھا۔

''سوری یار! بالکل ذہن سے نکل گیا، انشاء اللہ آج کالج سے واپسی پہ ضرور۔''

''دیکھ لیں آپ کو پھر بھول گیا تو...... پتہ ہے اس کا اک اور پروپوزل آیا ہوا ہے۔'' زیاد کی بے چینی عروج پہ جا پہنچی تھی۔

''ڈونٹ وری، ڈونٹ وری میں سمجھاؤں گا اسے۔'' معاذ جوتے پہن چکا تھا واش روم کی سمت ہاتھ دھونے بڑھ گیا، پھر وہ اور زیاد اکٹھے ہی کمرے سے نکل کر ڈائننگ ہال کی جانب آ رہے تھے کہ جہان بھی اپنے کمرے سے نکل کر ان کے ہمقدم ہو گیا، پرنیاں کچن سے ٹرے اٹھائے نکلی تھی، گھریلو حلیے میں دیکھ کر معاذ کی پیشانی پہ بل پڑ گئے، وہ لمبے ڈگ بھرتا اس کے سامنے آ گیا تھا۔

''یہ ویٹرس سروس کیوں شروع کر دی، کالج نہیں جانا تھا آپ نے؟'' پرنیاں نے اس سوال پر گڑبڑا کر پہلے اسے پھر اس کے پیچھے کھڑے جہان اور زیاد کو دیکھا، جہان تو گہرا سانس بھر کے ڈائننگ ہال کی جانب مڑ گیا البتہ زیاد متجسس نظروں سے مسکراتا دونوں کو دیکھ رہا تھا۔

''کیا پوچھ رہا ہوں میں؟ دل کی طرح سماعتوں نے بھی اثر لینا چھوڑ دیا۔'' اس کے لہجے میں برہمی کے ساتھ طنز بھی شامل ہو گیا تھا۔

''آ...... آج مجھے نہیں جانا تھا۔'' وہ سر جھکا کر مجرمانہ انداز میں بولی تو معاذ کی پیشانی کی شکنیں کچھ اور بڑھ گئیں۔

''چلیں جا کر تیار ہو کر آئیں، آپ آج بھی کالج جا رہی ہیں۔'' معاذ نے اس کے ہاتھوں سے ٹرے لے کر پٹخی تھی اور قطعی لہجے میں بولا، توہین کے احساس نے پرنیاں کو سر تا پا جھلسا کے رکھ دیا۔

''مجھے مما نے چھٹی کرنے کو کہا ہے، زینب جا رہی ہے اس لئے۔'' وہ سخت روہانسی ہو گئی تھی، معاذ نے سرد نظروں سے اسے دیکھا۔

''میں بھی اس لئے چاہ رہا ہوں کہ آج کالج چلی جائیں، تیمور خان آ رہا ہے اور میں ہرگز نہیں چاہتا اس سے آپ کا سامنا ہو۔'' معاذ نے ایک بار پھر خلاف مزاج، خلاف عادت وضاحت دی تھی، پرنیاں کا چہرا جانے کس جذبے کے تحت سرخ پڑ گیا، کچھ کہے بغیر وہ خاموشی سے پلٹ گئی تھی، معاذ ڈائننگ ہال چلا آیا۔

''تم آخر پرنیاں کو ساتھ کیوں لے جا رہے ہو معاذ؟'' جہان نے اسے ٹوکا تھا۔

''جب میں لا سکتا ہوں تو لے جا بھی سکتا ہوں۔'' اس نے نخوت سے جواب دیا تھا۔

''یہ کتنی غلط بات ہے معاذ کہ آپ اسے یہاں سے خود جانے کو کہہ رہے ہو، بچی کیا سوچے گی۔'' خود مما کو اس کی اس حرکت پہ تاؤ آیا تھا، جبھی ڈانٹ کر بولی تھیں۔

''ایسا نہیں ہے مما! میں اسے نکال نہیں رہا، بس نہیں چاہتا ان کا حرج ہو۔'' اس کے جواب پہ مما ٹھنڈا سانس کھینچ کر رہ گئیں۔

''وہ آئی کیوں نہیں ہیں، انہیں بھیجیں دیر ہو رہی ہے۔'' معاذ نے گھڑی دیکھتے ہوئے جھنجھلا کر کہا تھا، اب اس سے کچھ کہنا فضول تھا، وہ جو ٹھان لیتا تھا کر کے رہتا تھا، مما خاموشی سے باہر آ گئیں پرنیاں تیار ہو چکی تھی مگر معاذ کے ساتھ جانے پر تیار نہیں تھی۔

''مما آپ سمجھتی نہیں ہیں، مجھے ان کے ساتھ کالج آتے دیکھ کر ایک اسکینڈل کھڑا ہو جائے گا، میں ہرگز افورڈ نہیں کر سکتی۔'' اس کے اپنے تحفظات تھے۔

''بیٹے آپ کو یہ رشتہ چھپانا ہی نہیں چاہیے تھا، جھوٹ ہمیشہ مسائل پیدا کرتا ہے اور مشکلات سے دوچار بھی۔'' پرنیاں کی آنکھیں اس بات پہ بھر کر چھلکنے کو بے قرار ہو گئیں۔

''آپ بھی اب یہی بات کہہ رہی ہیں مما! جس قسم کی صورتحال تھی، اس میں، میں کیسے اس بات کا ڈھنڈورا پیٹ سکتی تھی۔'' مما خاموش سی ہو گئیں اور بے اختیار اسے گلے لگا لیا تھا۔

''سوری بیٹے! مگر میں سمجھتی ہوں اب اس رشتے کو قبول کرنے اور ظاہر کرنے میں ہی بھلائی ہے، ورنہ بہت کریٹیکل پرابلمز کھڑی ہو سکتی ہیں۔'' پرنیاں کے پاس ان کی اس بات کا جواب نہیں تھا، وہ اسے بہت دیر تک حالات کی اونچ نیچ سمجھاتی رہی تھیں۔

''کیا ارادے ہیں آپ کے؟'' معاذ سرد تاثرات کے ساتھ دروازے پہ نمودار ہوا تھا، پرنیاں نے گھبرا کر مما کے پیچھے پناہ لی اس حرکت نے معاذ کو گویا پیچ پا ہی کر دیا تھا۔

''معاذ بیٹے پرنیاں اس بات سے کنفیوژ ہے کہ انہیں آپ کے ساتھ دیکھ کر وہاں سب حیران ہوں گے، آپ خود بھی تو سوچو۔''

''یہ ہمیشہ صرف اپنے لئے ہی سوچتی ہیں مما! جبکہ میں اپنے ساتھ ان کا بھی سوچتا ہوں، یہ ان کی غلطی ہے نا کہ انہوں نے وہاں کسی سے بھی مجھ سے اپنا تعلق ظاہر نہیں کیا، اینی ویز یہ اتنا ہاٹ ایشو نہیں ہے، میں خود فیس کر لوں گا، آیئے آپ۔'' وہ مما کو مطمئن کر کے پرنیاں سے مخاطب ہوا تو پرنیاں جو اس کی معنی خیز بات پہ پھر سے ہولنے لگی تھی مرتے کیا نہ کرتے کے مصداق اس کے ساتھ چل پڑی مگر اس طرح کہ دل خون ہوا جا رہا تھا۔

''آپ کو اندازہ تو ہو گیا ہو گا میری پاور اور میری اپروچ کا۔''

''مس پرنیاں! معاذ حسن جو کرنے کا سوچ لے ارادہ باندھ لے اسے کر کے رہتا ہے الحمدللہ۔'' اس کے بیٹھنے کے بعد اس نے زور سے دروازہ بند کر کے اس پہ جانے کیا جتلانا چاہا تھا۔

''سو میں ابھی بھی کہتا ہوں سنبھل جائیں سدھر جائیں کہ۔''

چلو یہ فرض کرتے ہیں
کہ تم مشرق میں مغرب ہوں
چلو یہ مان لیتے ہیں
بڑا لمبا سفر ہے یہ
مگر یہ بھی حقیقت ہے
تمہاری ذات کا سورج
بہت سا راستہ چل کر
میری ہستی میں ڈوبے گا

پرنیاں نے گھبرا کر نظریں اٹھائیں، وہ اسی کی سمت متوجہ تھا بھنوؤں کو بہت پیارے انداز میں جنبش دے کر ہنسا۔

"کیا سمجھیں؟" پرنیاں نے ہونٹ بھینچ کر نگاہ کا زاویہ بدل دیا، معاذ گویا سر پیٹنے والا ہو گیا تھا۔

یاد آتے ہیں آج اف گناہ کیا کیا
پہلا یہ کہ محبت کر لی آخری یہ کہ تم سے کر لی

پرنیاں کا رخ کھڑکی کی جانب تھا، اس دہائی دیتے انداز پہ نا چاہتے ہوئے بھی اس کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

☆☆☆

تمہارے ساتھ چلتے ہیں ہزاروں چاہنے والے
میرے ہونے نہ ہونے سے تمہیں کیا فرق پڑتا ہے

اس نے سرد آہ بھری اور ٹہلنا موقوف کر کے چلتی ہوئی سوئمنگ پول کے کنارے گلابوں کے کنج کے پاس سفید مرمر کی بینچ پر آ بیٹھی، تھوڑے فاصلے پر شان سے سر اٹھائے کھڑے املتاس کی ٹہنیاں ہولے ہولے ہل رہی تھیں، ہوا میں رچی گلابوں کی خوشبو سانسوں کے ذریعے اس کے اندر اترنے لگی، سوئمنگ پول کی سطح پر آسمان کے عکس کو لرزتا دیکھتے اس کی اپنی آنکھوں میں بھی نمی اترنے لگی۔

"ہائے کزن!" نوریہ نے اس گمبھیر لہجے پر چونک کر سر اونچا کیا تو معاذ کو اپنے روبرو مسکراتے پا کر وہ تحیر کی زیادتی سے ساکن رہ گئی۔

بھلا کبھی وہ اتنی اہم کہ وہ اسے ملنے کو خاص طور پر چلا آتا، خود ترسی نے اس کا دامن تھام لیا تھا، کچھ کہے بغیر یونہی حیرانی وغیر یقینی کی کیفیت میں ساکن پلکیں لئے وہ اسے دیکھتی چلی گئی تھی، معاذ آگے بڑھ کر اس کے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا، پھر اسے دیکھ کر خصوصیت سے مسکرایا تو نوریہ کا یہ سکتہ ٹوٹا تھا وہ ایکدم کنفیوژ ہو کر پلکیں جھکا گئی۔

"کیا بات ہے نوریہ؟" معاذ کا لہجہ دھیما اور اثر انگیز تھا، وہ ظاہری طور پہ ہی خوبصورت نہیں تھا، قدرت نے ہر لحاظ سے اسے بہت فیاضی سے نواز تھا، بات چیت کے انداز سے لے کر نشست و برخاست تک میں ایک وقار تمکنت اور دلربائی تھی، جو اسے ہمیشہ ہزاروں کے مجمعے میں بھی نمایاں دکھاتی تھی، وہ اتنا خاص تھا جبھی شاید نوریہ جیسی عام لڑکی اسے ڈیزرو نہیں کرتی تھی، اپنی سوچ نے خود نوریہ کی آنکھیں نم کر دیں تھیں۔

"نوریہ؟" معاذ جو اس کے جواب کا منتظر تھا اس درجہ خاموشی اور نظر اندازی پہ خفیف سا جھنجھلا اٹھا، نوریہ گڑبڑائی تھی۔

"کوئی بات نہیں ہے۔" اس نے جان چھڑانے کی خاطر اپنی بات پہ زور دیا تھا مگر سامنے معاذ حسن تھا، سو آسانی سے کیسے یقین کر لیتا۔

"میں ضرور تمہاری بات کا یقین کر لیتا اگر تمہارے رویے میں تبدیلی نہ آئی ہوتی، اب اس سے بھی منکر مت ہو جانا پلیز۔" اس کے پہلے سے حد بندی لگا دینے پہ نوریہ کی بے بسی اور لاچاری میں کچھ اور اضافہ ہوا تھا۔

"اول تو ایسا کچھ ہے نہیں، اگر ہو بھی تو آپ کو کوئی فرق پڑتا ہے؟" نوریہ کو جانے کیا سوجھا تھا جو یہ بات کہہ کر کس قدر طنز سے اس کا چہرا دیکھنے لگی تھی، معاذ حسن پہلے چونکا تھا پھر اگلے لمحے کاندھے جھٹک کر آہستگی سے ہنس دیا تھا۔

"کم آن نوری! تم کزن ہو میری، سو اہمیت تو خود بخود ہو گئی تمہاری اس رشتے کے توسط، دوسری اہم بات یہ کہ ہمیں تو جو فرق پڑا سو پڑا کوئی ہے جسے بہت زیاد فرق پڑ چکا ہے۔" آخر میں اس کا لہجہ سنجیدگی کی لپیٹ سے نکل کر شرارتی اور معنی خیز ہو چلا تھا، نوریہ نے اسے الجھ کر دیکھا اگلے لمحے اس کے چہرے پہ بے زاری چھا گئی تھی۔

"مجھے کسی سے غرض نہیں ہے۔"

"زیاد سے بھی نہیں؟" معاذ نے اسے اٹھتے دیکھ کر خود بھی چیئر چھوڑ دی تھی، نوریہ کے چہرے کے رنگت نہ صرف پھیکی پڑ گئی، بلکہ یکلخت اس کے چہرے پہ تاریک سائے لہرانے شروع ہو گئے تھے۔

"اگر میں کہوں زیاد سے بھی نہیں تو......" معاذ سے نگاہیں چار کیے بنا اس نے سرد آواز میں جتلانا چاہا تھا، معاذ نے گہرا سانس کھینچا۔

"تم زیاد کے لئے منع کیوں کر رہی ہو، کسی اور کو پسند کرتی ہو نوریہ؟" نوریہ کو لگا تھا اسے کسی نے بے خبری میں کسی بلند عمارت سے نیچے گرا دیا ہو، زمین کا قدموں تلے نہ ہونا کس کیفیت کا نام ہے یہ اسی وقت اس پہ آشکار ہوا تھا، اس نے معاذ کی محبت میں وحشتوں کے جانے کتنے صحرا پار کیے تھے مگر کبھی اتنی تکلیف سے دوچار نہیں ہوئی تھی جس کا اب اسے شکار ہونا پڑا تھا، کیا بتاتی وہ، کہہ دیتی ہاں، اور وہ کوئی اور نہیں تم خود ہو، اس کا دل رو اٹھا تھا، اس کے روئیں روئیں سے تپش اٹھتی چلی گئی تھیں، پتہ نہیں کیسے وہ خود پہ باندھے ضبط حوصلے کے سارے بند توڑ بیٹھی، معاذ تو اسے یوں مچل مچل کر روتے دیکھ کر ہی سٹپٹا گیا تھا۔

"نوریہ......نوری پلیز! دیکھو اگر تم نے میری بات کو مائنڈ کیا اور ہرٹ ہوئی ہو تو آئی ایم ساری، مجھے شاید ایسے نہیں کہنا چاہیے تھا، میں اس بات کو غلط نہیں سمجھتا، فرینکلی اس لئے پوچھا کہ اگر ایسی بات ہے تو میں تمہاری ہیلپ کر سکتا ہوں۔" وہ گڑبڑا کر وضاحتیں پیش کر رہا تھا، نوریہ نے بامشکل خود کو سنبھالا اور دوپٹے کے پلو سے بھیگا چہرا رگڑ کر صاف کرتے اسے عجیب سی بے بسی سے دیکھا تھا اور چہرے کا رخ پھیر لیا۔

(میرا جو نقصان ہونا تھا ہو چکا ہے، اب تم بھی میری کوئی مدد نہیں کر سکتے۔)

معاذ گہرا سانس بھرتا اٹھ کھڑا ہوا، پھر رک کر اسے دیکھا اور جھجک آمیز انداز میں گویا ہوا تھا۔

"تم روئی کیوں ہو نوریہ؟"

"آپ نے مجھے بہت غلط سمجھا، میں نے ایسا کوئی روگ نہیں لگا رکھا۔" وہ پھٹ پڑی تھی، اپنے پندار کی حفاظت کی کوشش میں دل کا خون بھی اسے گوارا تھا، معاذ نے اسے حیرانی سے دیکھا تھا پھر ایکدم ہنس پڑا۔

"یہ تو بہت اچھی بات ہے، ویسے میں نے اندازہ قائم نہیں کیا تھا، سوال کیا تھا تم سے۔"

وضاحت کرتے ہوئے اس نے مسکراہٹ دبائی تھی، جانے کیوں نوریہ کا چہرا جل اٹھا تھا۔

"نوریہ، زیاد میں بھی کوئی کمی تو نہیں ہے، سب سے بڑی بات یہ کہ تم سے بہت محبت کرتا ہے، مجھے لگتا ہے تم اس کے ساتھ بہترین زندگی گزار سکتی ہو۔" اب کی مرتبہ معاذ کا لہجہ صلح جو اور دوستانہ اپنائیت لئے ہوئے تھا، نوریہ کا حلق خشک ہو کر رہ گیا، اس نے سخت خائف ہونے والے انداز میں دانستہ اسے دیکھنے سے گریز کیا، حالانکہ معاذ کی نگاہوں کا سوالیہ انداز میں خود پہ اٹھنا وہ اچھی طرح محسوس کر چکی تھی مگر گریزاں تھی اور گریزاں رہنا چاہتی تھی۔

"میں جانتا ہوں کسی کو کھو کر کوئی بھی مر نہیں جایا کرتا، مگر یہ بھی سچ ہے کہ شدید خواہش پوری نہ ہوں تو عمر بھر کی تشنگی ضرور دے جایا کرتی ہیں، میں ہرگز نہیں چاہوں گا زیاد کے حصے میں کوئی ایسی تشنگی آئے، وہ مجھے بہت عزیز ہے نوریہ! پلیز اس کے لئے گنجائش رکھ کر سوچنا ضرور۔" اپنی بات مکمل کر کے معاذ آگے بڑھتا چلا گیا تھا، جبکہ نوریہ اسے لگا تھا وہ اس دشمن جاں کے حکم کی زنجیر میں جکڑی جا چکی ہے، وہ ایک بار پھر بلک اٹھی تھی، وہ جس بات سے خوفزدہ تھی بالآخر وہی سزا اسے مل گئی تھی، وہ ایک بار پھر بری طرح سے لٹ گئی تھی، یہ پوچھے یہ جانے بنا کہ وہ ریکوسٹ کر کے گیا ہے یا حکم دے کر، اس کا کام تو خود کو اس کے لئے وقف کرنا تھا، سو وہ کر چکی تھی کب کی، بات اس کی زبان سے نکلی تھی اس اسے دار پہ بھی چڑھنا پڑتا تو چڑھ جاتی، یہی محبت کا تقاضا تھا یہی عشق کا اصول ہے۔

☆☆☆

دروازہ ہلکی چرچراہٹ کے ساتھ کھلا تب انہوں نے فائل سے نگاہ ہٹا کر سامنے دیکھا، ہاتھوں میں ٹرے تھامے مما اندر داخل ہو رہی تھیں، پپا کی نگاہیں پھر سے فائل کے صفحات پہ جم گئیں۔

"پہلے چائے پی لیں احسان!" مما نے ٹرے ٹیبل پہ رکھتے ہوئے ان کی توجہ حاصل کرنی چاہی، انہوں نے محض سر ہلانے پہ اکتفا کیا تھا، مما نے چائے کا مگ ان کی جانب بڑھایا اور خود کشن کھینچ کر ان کی چیئر کے نزدیک کر کے ان کے پیروں کے پاس بیٹھ گئیں، پپا نے مگ لیتے ہوئے انہیں خفگی سے دیکھا تھا۔

"آپ کو کتنی مرتبہ کہا ہے شائستہ اس طرح نہ بیٹھا کریں، ادھر آئیں صوفے پہ۔"

"آپ کو بھی کتنی مرتبہ کہا ہے احسان مجھے ٹوکا مت کریں، میں اپنی مرضی سے اس طرح بیٹھتی ہوں مجھے اچھا لگتا ہے، مجھے سکون ملتا ہے، کیا آپ نہیں چاہتے کہ میں مکمل سکون اور طمانیت سے کچھ وقت گزاروں؟" ان کی خفگی کی پرواہ کیے بغیر وہ مسکرا کر بولی تھیں اور کسی قدر شوخی سے انہیں دیکھا، پپا کچھ کہنے کے بجائے محض گہرا سانس بھر کر رہ گئے، وہ ان کی اپنے متعلق دیوانگی سے اچھی طرح آگاہ تھے اور یہ بھی سچ تھا ان کی اس دیوانگی سے ہمیشہ انہوں نے ہی کمپرومائز کیا تھا، ان کی عزت نفس کو مجروح کیے بنا انہیں توجہ اور محبت سے سمیٹا تھا، وہ ان کی دور پار کی رشتہ دار تھیں، کسی خاندانی تقریب میں احسان کو دیکھا تھا اور پھر اپنی فیملی کی سخت مخالفت کے باوجود انہوں نے احسان کو پا لیا تھا، اس کے پانے کی جستجو میں انہوں نے باقی سب کچھ داؤ پہ لگا دیا تھا، اپنے رشتوں سے لے کر اپنی جائیداد تک کو، شائستہ کے والد جاگیردار گھرانے سے تعلق رکھتے تھے، وسیع جاگیریں اور کروڑوں کا بزنس تھا، شائستہ کے علاوہ ان کے دو بھائی اور تھے، وہ بھائیوں کے برابر جائیداد میں حصہ دار تھیں مگر احسان کی وجہ سے انہوں نے والدین سے قطع تعلق اختیار کیا تو سب کچھ قربان کر دیا تھا پھر انہوں نے کبھی پلٹ کر دیکھنا تو در کنار ان لوگوں کو یاد بھی نہیں کیا تھا، یہ ان کی قسمت تھی کہ انہیں احسان کی فیملی سے صرف مان محبت ہی نہیں عزت اور چاہت بھی ملی تھی، تبھی وہ زندگی میں کسی مقام پہ نہیں ڈگمگائی تھیں۔

"کیا بات ہے بیگم صاحبہ! آج پھر آپ کو ہم پہ جوانی والا پیار کیوں آ رہا ہے۔" چائے کا مگ ہونٹوں سے لگاتے ہوئے انہوں نے سلور فریم کے چشمے کے پار سے شرارتی نظروں سے انہیں دیکھا تو مما بری طرح سے جھینپ کر سرخ پڑ گئی تھیں، وہ اس عمر میں بھی بلا کی دلکشی اور خوبصورتی سمیٹے ہوئے تھیں اس عمر کا وقار اور رکھ رکھاؤ انہیں کچھ اور بھی باوقار بنا چکا تھا۔

"اتنے بزی رہنے لگے ہیں کہ اتنے کم میسر آتے ہیں مجھے، کبھی کبھی تو مجھے لگتا ہے آپ اور میں ندی کے دو کنارے ہیں جو ساتھ تو چلتے ہیں مگر ملتے نہیں ہیں۔" وہ پتہ نہیں کیوں اتنی حساس ہو رہی تھیں، پپا نے کچھ الجھ کر بغور انہیں دیکھا۔

"کوئی بات پریشان کر رہی ہے آپ کو؟"

ان کی انڈر اسٹینڈنگ مثالی تھی، بنا کہے وہ جان گئے تھے جو وجہ یہی تھی کہ وہ انہیں بہت اچھی طرح سمجھتے تھے۔

"کوئی ایک بات تھوڑی ہے، پریشان کرنے کو، زینب کا معاملہ ہی کیا کم تھا میں تو جہان سے نظریں ملانے کے قابل نہیں پاتی خود کو، احسان کبھی کبھی مجھے لگتا ہے جیسے یہ میرے عمل کی معمولی سزا ملی ہے مجھے دنیا میں ہی، میں نے اپنی ماں کو دکھ دیا تھا نا اسی لئے زینب نے یہ سرکشی دکھائی، یہ مکافات عمل تھا......" ان کی آواز بھیگنے لگی، پپا نے کچھ کہے بنا صرف ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر تھپکا تھا، مما سر جھکائے آنسو پیتی رہیں۔

"میں جس کرب سے گزری تب ہی جان پائی ہوں اس وقت میری ماں کا کیا حال ہوا ہوگا، اماں نے مجھے معاف نہیں کیا تھا، وجہ یقیناً بھائی اور بابا تھے وہ ان سے انحراف کی جرأت نہیں رکھتی تھیں، میں ان کی مجبوری سمجھ سکتی تھی، احسان آپ ہمیشہ میرے عجیب ڈھکتے آئے ہیں، آپ کا یہ ایک اور احسان تھا مجھ پہ کہ زینب کی اس ہٹ دھرمی کو آپ نے بہت اعلیٰ ظرفی سے نبھایا اور کسی قسم کی قطع تعلقی اختیار نہیں کی، شاید میں یہ نقصان سہہ نہ پائی۔" وہ باقاعدہ آنسو بہا رہی تھیں، پپا نے نرمی سے انہیں خود سے قریب کر کے بہت توجہ سے آنسو پونچھے تھے۔

"یہ مسئلہ تو بفضل خدا حل ہو چکا ہے نا شائستہ! آپ خوامخواہ اب کیوں ٹینس ہو رہی ہیں؟" ان کے لہجے میں رسانیت اور ٹھہراؤ تھا، مما نے ہچکی سی بھری۔

"مسئلہ زینب کا حل ہوا ہے احسان! جہان کا نہیں اور آپ جانتے ہیں جہان کو میں نے کبھی بھی اپنے بچوں سے کم نہیں پایا، بلکہ جہان کی عادات اور مزاج کی وجہ سے وہ مجھے معاذ و زینب سے بھی کہیں بڑھ کے عزیز رہا ہے، زینب کی وجہ سے اس کے ساتھ بہت زیادتی ہوئی ہے، وہ اب

سیٹ ہے، میں گواہ ہوں اس کے ہر اضطراب کی اماں ہوں نا، بنا کہے بھی جان سکتی ہوں۔"

"خدا بہتر کرے گا، آپ دعا کیا کریں۔" پپا نے سرد آہ بھر کے ان کے ساتھ خود کو بھی تسلی سے نواز، کچھ لمحوں کو ان کے بیچ خاموشی در آئی تھی، پھر جیسے مما کو ہی کچھ یاد آیا تھا۔

"معاذ اور پرنیاں کا معاملہ بھی گمبھیر ہو چکا ہے، بچے شاید کچھ زیادہ ہی بڑے ہو گئے ہیں، عجیب حماقت کرتے پھر رہے ہیں پتہ ہے آپ کو؟" ان کا انداز عجیب شکایتی تھا، پپا گہرا سانس کھینچ کر رہ گئے۔

"میں کیا کر سکتا ہوں، آپ کے بیٹے کو ہمارے ہر فیصلے سے اختلاف رہا ہے جانتی ہیں آپ؟" ان کے نروٹھے انداز پہ مما نے سخت شاکی نظروں سے انہیں دیکھا تھا۔

"معاذ کے لئے آپ کچھ شدت پسندی سے کام لیتے ہیں احسان۔"

"یہ محض آپ کی سوچ ہے، ورنہ میں بچوں میں امتیازی سلوک کا قائل نہیں ہوں۔"

"اب اس مسئلے کا حل نکالیں نا پلیز۔" مما نے اصل نکتہ اٹھایا تھا، پپا نے کاندھے اچکا دیئے۔

"حل یہی ہے کہ پرنیاں کی رخصتی کا انتظام کریں، صاحبزادے بھی یہی چاہتے ہیں۔"

"مگر مجھے ڈر ہے اگر بچوں کی بات کا معاذ نے برا منا لیا تو......؟" وہ سہمی ہوئی تھیں خائف ہو کر بولی تھیں پپا کی صبیح پیشانی پر ایک شکن نمودار ہوئی۔

"مجھے آپ کا معاذ سے اس طرح خوفزدہ ہونا بالکل پسند نہیں ہے شائستہ! بیٹا ہے وہ آپ کا، اسی لحاظ سے ان سے اپنا رویہ رکھیں۔"

"آپ اس کی نفسیات کو بھی سمجھیں نا، وہ بہت شدت پسند ہے یو نو؟"

"شدت پسند بھی اسے آپ کی حد درجہ اہمیت نے بنایا ہے، خیر میرے نزدیک اس مسئلے کا حل یہی ہے جو بتایا۔" انہوں نے جیسے بات ختم کی تھی، مما گہرا سانس بھر کے رہ گئیں۔

"زیاد بھی نوریہ کو پسند کرتا ہے، بتایا تھا نا آپ کو، مگر نوریہ پتہ نہیں کیوں گریزاں ہے۔" اس سے قبل کہ پپا اس مسئلے کا بھی کوئی حل پیش کرتے دروازے پہ دستک دیتا ہوا معاذ اپنی جھونک میں اندر آیا تھا، اسٹڈی روم میں پپا کے ساتھ مما کو دیکھ کر اچھا خاصا حیران ہوا تھا۔

"واؤ...... یہ آپ پپا کے چرنوں میں کیوں بیٹھی ہوئی ہیں؟" اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں شرارت کا عکس اتر آیا تھا، مما بری طرح جھینپیں۔

"یہ ساری محبت کی باتیں ہیں صاحبزادے، جس کے ہجے بھی آپ کو معلوم نہیں۔" پپا نے کھنکار کر گلا صاف کرتے ہوئے لطیف پیرائے میں طنز کیا تھا، وہ باقاعدہ کھنکارا۔

"آپ کا کیا خیال ہے میں انہیں یہاں سے اٹھا کر خود مما کی جگہ سنبھال لوں اور آپ سے کوئی گزارش پیش کروں تو مان لیں گے؟" مسکراہٹ دبائے وہ شوخ متبسم نظروں سے انہیں دیکھ کر بے حد اہم سوال کر رہا تھا، پپا نے سنجیدگی کی نگاہ سے اسے دیکھا تھا پھر اسی سنجیدگی سے گویا ہوئے تھے۔

"یہ تو گزارش کے لب لباب پہ ڈپینڈ کرتا ہے نا، خیر آپ کہیے؟"

"مما پہلے آپ ہمارے لئے یہ خاص جگہ خالی کر دیں۔" معاذ نے پپا سے روئے سخن پھیر کر

انہیں دیکھا انداز کی شرارت ہنوز قائم دائم تھی، مما نے اسے گھورا تھا، البتہ پپا اس مرتبہ مسکراہٹ ضبط نہیں کر سکے۔

"معاذ حسن بی سریس، آپ اب ایک اہم پوسٹ پہ فائز ہو اور وہ سنجیدگی و متانت ڈیزرو کرتی ہے۔"

"پپا میں شادی کرنا چاہتا ہوں۔" معاذ لمحوں میں سنجیدہ ہو گیا تھا، پپا نے ہنکارا بھرنے پر اکتفا کیا۔

"آپ کی شادی ہو چکی ہے غالباً؟"

"پپا میں پرنیاں سے شادی کرنا چاہتا ہوں، میں آپ کو اپنی پسندیدگی سے آگاہ کر چکا ہوں نا، اور جب آپ کا حکم مانا تھا تب میں نے یہ شرط......"

"آپ پرنیاں سے شادی کر لو، مجھے ہرگز اعتراض نہیں ہے بیٹے۔" وہ متانت سے گویا ہوئے تو معاذ کی آنکھیں حیرت کی زیادتی سے کھلی کی کھلی رہ گئی تھیں۔

"آپ سچ کہہ رہے ہیں پپا!" وہ ششدر ہونے لگا۔

"اسٹامپ پیپر پہ لکھ کے دینا پڑے گا؟" پپا نے بظاہر سنجیدگی سے پوچھا تھا مگر آنکھوں کی سطح پہ بکھری مسکان معاذ کو الجھانے کو کافی تھی۔

"نہیں...... مگر وہ آپ کی پسندیدہ بہو......"

"اس کا آپ آج کے بعد کوئی تذکرہ نہیں کریں گے بھول جائیں اسے۔"

"مگر وہ میری......" معاذ گڑبڑایا، پپا نے ہاتھ اٹھا کر اسے ٹوک دیا تھا۔

"ہم اس موضوع پہ کوئی بات نہیں کریں گے معاذ۔" ان کا لہجہ و انداز قطعیت آمیز تھا، معاذ کے اعصاب کشیدگی اور بے چینی سمیٹ لائے تھے، اس نے ہونٹ بھینچ کر انہیں دیکھا پھر گہرا سانس بھرا تھا۔

"آپ خفا ہیں مجھ سے؟" اسے لے دے کے یہی ایک بات سوجھی تھی۔

"ہرگز بھی نہیں، سو ڈونٹ وری۔" ان کے پرسان انداز نے معاذ کی الجھن کچھ اور بڑھا دی، وہ وہاں سے اٹھا تو بے حد سست قدموں سے باہر نکلا تھا، مما نے اس کے باہر جانے کا انتظار کیا تھا پھر سخت احتجاجی نظروں سے پپا کو دیکھا۔

"کمال کرتے ہیں آپ بھی، اتنا اچھا موقع تھا آپ کے پاس معاذ کی غلط فہمی دور کرنے کا، پھر آپ ہی ہیں پورے خاندان میں جو اسے قابو کر سکتے ہیں، آپ کو بتانا چاہیے تھا اسے، کہ پرنیاں ہی......"

"بیگم صاحبہ آپ کا بیٹا اتنا احمق کیوں ہے، اسے یہ سامنے کی بات سمجھ کیوں نہیں آتی؟ میں پرنیاں کا وقار مجروح نہیں کر سکتا، آئی ایم ساری۔"

"معاذ ہرگز احمق نہیں ہے، یہ سب لوگ مل کر اسے چیٹ کر رہے ہیں۔" مما کو بے حد برا لگا تھا جبھی وہ ناراضی سے بولی تھیں، پپا نے کچھ کہے بغیر سگریٹ سلگانا شروع کر دیا، مما کچھ دیر ان کی بے اعتنائی کو دیکھتی رہی تھیں پھر کچھ کہے بغیر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

’’گوکہ میں خود بھی پرنیاں کی اسٹڈی کمپلیٹ ہونے سے قبل رخصتی کا قائل نہیں تھا مگر اب میں نے اپنا فیصلہ بدل لیا ہے، پرنیاں بیٹی کو میں خود ہی قائل کر لوں گا، آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں آپ کے انوکھے لاڈلے کو بھی یہ سرپرائز یقیناً اچھا لگے گا۔‘‘ بات کے اختتام پہ وہ مما کو دیکھ کر خصوصیت سے مسکرائے تھے، مما کے دل کا بوجھ یکلخت سرکتا ہوا محسوس ہوا۔

’’تھینکس احسان آپ واقعی بہت اچھے ہیں۔‘‘ مما بھیگی آنکھوں سے مسکرائی تھیں، جواباً ان کی آنکھوں میں خفیف سی شرارت در آئی تھی۔

’’مگر آپ ہرگز بھی ویسی اچھی نہیں رہی ہیں جیسی پہلے ہوا کرتی تھیں، اب آپ جب بھی میرے پاس فرصت سے آتی ہیں اپنے بچوں کے مسائل ہی حل کرتی رہتی ہیں، ہمارے بھی کچھ مسائل ہو سکتے ہیں، کبھی سوچا آپ نے؟‘‘ ان کا لہجہ گمبھیر تر تھا، مما کا دل زور سے دھڑک اٹھا رنگت شادی کے اولین دنوں کی مانند دہک کر سرخ پڑ گئی، پپا ان کی حالت سے حظ اٹھا کہ ہنستے چلے گئے تھے۔

’’آپ صرف اچھے ہی نہیں ہیں، بہت فضول بھی ہیں جیسے آج سے پچیس چھبیس سال پہلے تھے۔‘‘ وہ اپنی جھینپ مٹانے کو یہی کہہ سکی تھیں، جس نے پپا کے قہقہے کو مزید طول دے دیا۔

’’مگر آپ آج بھی ویسی ہی ہیں، جیسی پچیس چھبیس سال پہلے تھیں، یعنی معصوم اور ہوش اڑا لینے کی حد تک حسین۔‘‘ ان کا لہجہ ہنوز شرارتی تھا، مما انہیں مصنوعی خفگی سے گھورتیں کمرے سے نکل گئیں تھیں۔

☆☆☆

کالی گھٹا بہت تیزی سے سفید براق بادلوں کو اپنے اندر گھولتی آسمان پر پھیلتی جا رہی تھی، معاذ موسم کے تیور دیکھ کر ہی کمرے سے ملحق ٹیرس پہ نکل آیا تھا، ہاتھ میں کافی کا بڑا مگ تھا جس پر چراگاہ کی تصویر بنی ہوئی تھی، کافی کے سیپ لیتا ٹہلتا ہوا وہ کسی سوچ میں محو تھا جب اسے ڈھونڈتا ہوا زیاد وہاں تک آیا تھا۔

’’لالے آپ نے بات کی تھی نوریہ سے؟‘‘ زیاد کے سوال پہ وہ چونک کر متوجہ ہوا تھا اور سوالیہ نگاہوں سے اس کا چہرہ دیکھا۔

’’کون سی بات؟‘‘ زیاد نے سخت ناراضی سے دیکھا تھا۔

’’آپ کو تو بات یاد نہیں، پوچھنا خاک یاد رہا ہوگا۔‘‘ وہ بری طرح جھلا گیا تھا۔

’’یار کیا ہو گیا ہے، خوامخواہ کیوں جھگڑنا چاہ رہے ہو؟‘‘ معاذ نے اسے گھورا تھا، زیاد اثر لئے بنا اسے اسی ناراضگی سے دیکھتا رہا۔

’’کیا میں غلط کہہ رہا ہوں۔‘‘

’’بالکل غلط کہہ رہے ہو۔‘‘ معاذ کی مسکراہٹ نے زیاد کی جان جلا دی تھی۔

’’اچھا پھر بتائیں کیا کہا نوریہ نے؟‘‘

’’فی الحال تو کچھ نہیں لیکن میرا خیال ہے وہ انکار بھی نہیں کرے گی۔‘‘

’’یعنی آپ بات کر چکے ہیں اس سے؟‘‘ زیاد حیرت سے چلایا تھا، معاذ نے گہرا سانس کھینچا

اور کافی کا مگ سائیڈ پہ دھری، پلاسٹک کی چھوٹی سی گول میز پہ رکھ دیا۔

’’ہوں کر چکا ہوں۔‘‘ اس کا انداز خود کلامی کا تھا وہ جیسے پھر سے اس کسی سوچ میں گم ہونے لگا تھا، زیاد نے اسے حیران ہو کے دیکھا، وہ عام سے گھریلو حلیے میں تھا اور پھر بھی بے حد نمایاں لگ رہا تھا، سیاہ شلوار سوٹ میں اس کا دراز قد کچھ اور بھی واضح ہو رہا تھا، کشادہ صبیح پیشانی پہ بکھرے بال، گھنے ابرو تلے مقناطیت سے بھری چمکتی آنکھیں، کھڑی مغرور ناک، بھرے بھرے سرخ ہونٹ، ٹھوڑی میں ہلکا سا گڑھا تھا، وہ ہمیشہ ہر حلیے میں زبردست لگا کرتا تھا، زیاد کو اس پہ بے ساختہ پیار سا آنے لگا، اس میں شک تھا بھی نہیں کہ وہ اس سے ہمیشہ بہت متاثر رہا تھا اور اس جیسا بننے کی کوشش میں باقاعدہ جتن کیا کرتا تھا، اس کا مضبوط، چٹانی وجود ایسی پناہ گاہ محسوس ہوتا تھا جس میں امان تھی، تحفظ تھا، بچپن میں جب اسکول میں اس کا کسی سے جھگڑا ہوتا تو وہ بڑے فخر سے اپنے مخالفوں کو معاذ کا حوالہ دے کر خائف کیا کرتا، لڑکپن سے ہی کھلے ڈھلے جسم کا مالک تھا، لمبا تڑنگا اور لڑائی بھڑائی کا شوقین کالج و سکول میں اس کا ہمیشہ ایک ٹہکا رہا تھا، زیاد کو اس کا بھائی ہونے کی وجہ سے ہی خصوصیت رعایت مل جاتی تھی خود بخود وہ ہمیشہ ہر جگہ زیاد کے لئے سہارا بھی ثابت ہوا تھا۔

’’آپ کس وجہ سے اپ سیٹ ہیں لالے؟‘‘ زیاد نے اپنی الجھن اس کے سامنے رکھی تھی، معاذ چونک سا گیا، پھر گہرا سانس بھرا تھا۔

’’ہاں یار، پپا نے بڑی آسانی سے مجھے پرنیاں سے شادی کی اجازت دے دی ہے، میں نے اس لڑکی کو بات کرنا چاہی تو خود ہی منع کر دیا، ہے نا حیرانی کی بات؟‘‘ معاذ واقعی پریشان تھا زیاد نے حیران ہو کر اسے دیکھا۔

’’کس لڑکی کی بات کر رہے ہیں؟‘‘

’’وہی جس سے پپا نے خود میرا نکاح کیا تھا یار......!‘‘ وہ جھنجلایا تھا، زیاد نے ٹھنڈا سانس بھرتے خاصے ترحم آمیز انداز میں اسے دیکھا تھا۔

’’تو آپ کیوں ٹینس ہو رہے ہیں؟ آپ کو خوشی اس بات کی ہونی چاہیے، پپا نے آپ کے دل کی بات خوشی سے مان لی اور اعتراض نہیں کیا۔‘‘

’’لیکن وہ لڑکی بہرحال میرے نکاح میں ہے اور......‘‘

’’آپ کیا چاہتے ہیں بھابھی کی حق تلفی نہ ہو؟‘‘ زیاد نے بامشکل مسکراہٹ دبائی۔

’’پتہ نہیں میں کیا چاہتا ہوں، ظاہر ہے اب مجھے اس سے عشق تو ہوا نہیں ہے، پھر پرنیاں...... وہ یہ سب کیسے قبول کرے گی۔‘‘ وہ ایک وقت میں کتنی مختلف سوچوں کے ساتھ الجھا ہوا مضطرب لگ رہا تھا۔

’’لالے آپ بھابھی سے کانٹیکٹ کریں، ان سے کھل کر اس موضوع پہ بات کر لیں۔‘‘ زیاد نے اپنی سمجھ کے مطابق بہترین مشورہ دیا تھا، اس کے خیال میں اس طرح سارا مسئلہ ہی حل ہو جاتا تھا جو کہ واقعی بری طرح سے پیچیدہ ہوتا جا رہا تھا، معاذ کے مزاج سے وہ آگاہ تھا، شرارت میں ان کا اٹھایا گیا یہ قدم بھی اسے بھڑکا سکتا تھا، وہ خود خائف ہو رہا تھا۔

"یہ ہرگز مناسب نہیں ہے زیاد! کیا کہوں گا میں اس سے کہ تمہیں پسند نہیں کرتا اور کسی اور سے شادی کرنا چاہتا ہوں؟" وہ سر جھٹک رہا تھا، زیاد نے کچھ کہنے کی بجائے ہونٹ بھینچ لئے اور برستی بارش کو دیکھنے لگا، جو ایکدم ہی شروع ہو گئی تھی، موٹی موٹی بوندیں موسلا دھار برسنے لگی تھیں۔

"یہ جے کہاں سے آ رہا ہے اس وقت؟" گیٹ کھلا تھا اور جہان کی گاڑی تیزی سے بجری کی بھیگی روش پہ دوڑتی پورٹیکو میں آن کر رکی تو معاذ سب کچھ بھلا کر حیرانی سے بولا تھا۔

"جہان بھائی کل رات لاہور گئے تھے، ابھی لوٹے ہیں۔"

"لاہور کیوں؟ اس کے چکر لاہور کچھ زیادہ ہی نہیں لگنے لگے۔"

"پتہ نہیں آپ انہی سے پوچھیئے گا۔" زیاد دامن کترا گیا تو معاذ نے اسے گھورا تھا۔

"ہاں تمہارا مسئلہ حل ہو گیا ہے نا اس لئے۔" اس کی بات پہ زیاد نے ہنستے ہوئے کانوں کو ہاتھ لگائے تھے۔

"حد کرتے ہیں لالے! میں مطلبی ہرگز نہیں ہوں۔"

"جے تم لاہور کیوں گئے تھے، اتنی ایمرجنسی میں؟" معاذ کا دھیان جہان کی سمت ہو گیا جو سیڑھیاں چڑھ کر وہیں سے ہو کر اپنے کمرے کی جانب آ رہا تھا اس سوال کو سن کر لمحہ بھر کو رکا۔

"آفیشل کام تھا۔" جہان کے جواب پہ زیاد نے مسکراہٹ اچھالی تھی۔

"لالہ آپ پہ شک کر رہے ہیں، اس کے باوجود کہ یہ آپ کی مسز نہیں ہیں۔" زیاد کی شرارت پہ معاذ نے اسے بری طرح سے گھورا تھا، اسے دھکیلا اور خود جہان کے برابر آ گیا۔

"مجھے ایسے کیوں لگ رہا ہے جے کہ وہاں کے تمہارے چکر کسی خاص سلسلے کی کڑی ہیں۔" معاذ نے آنکھیں نچا کر گویا اس کا گھیراؤ کرنا چاہا، جہان نے اسے گھورنے پہ اکتفا کیا تھا۔

"فضول کی قیاس آرائی ہے، اپنے اندازے سنبھال کر رکھو۔"

"ہاہ کاش یہ فضول کی قیاس آرائی نہ ہوتی، کاش ایسا واقعی کوئی معاملہ نکل آتا۔" زیاد نے مصنوعی آہ بھری تھی، جہان کے چہرے پہ ایک رنگ آ کر گزر گیا، جس میں دلی اذیت کا ہر عکس بے حد واضح تھا، معاذ متوجہ نہیں تھا ورنہ اس کی زیرک نگاہ سے یہ رنگ ہرگز نہ چھپتے۔

"تم نیچے جا رہے ہو تو پلیز میرے لئے ایک چائے کا مگ بھجوا دینا۔" معاذ کو راستہ بدلتے دیکھ کر جہان نے آہستگی سے اور تھکن زدہ انداز میں کہا تھا، معاذ نے کاندھے اچکا دیئے۔

☆☆☆

سبزہ سبزہ سوکھ رہی ہے پھیکی زرد دوپہر
دیواروں کو چاٹ رہا ہے تنہائی کا زہر
دور افق تک گھٹتی بڑھتی اٹھتی گرتی رہتی ہے
کہر کی صورت بے رونق دردوں کی گدلی لہر
بستا ہے اس کہر کے پیچھے روشنیوں کا شہر
اے روشنیوں کے شہر کون کہے کس سمت ہے تیری راہ
ہر جانب بے نور کھڑی ہے ہجر کی شہر پناہ

تھک کے ہر سو بیٹھ رہی ہے شوق کی مانند سیاہ
آج میرا دل فکر میں ہے اے روشنیوں کے شہر

اس نے ہاتھ اٹھا کر بھیگے گال رگڑ کر خشک کر ڈالے اور سرد آہ بھر کے ہونٹوں کو باہم بھینچ لیا، کچھ دیر خود کو کمپوز کیا تھا پھر متوازن لہجے میں اپنے پیچھے منتظر کھڑی حوریہ سے مخاطب ہوئی تھی۔

"مما سے کہہ دو حور کہ ممانی اب کے پوچھیں تو انکار نہ کریں۔" حوریہ جس کو اس سے کم از کم اس جواب کی توقع نہیں تھی ایکدم خوشی سے اس سے لپٹ گئی۔

"آپ نے بہتر نہیں بہترین فیصلہ کیا ہے بجو رئیلی، زیاد بھائی بے حد اچھے ہیں، میں ممی کو بھی یہ خوشخبری سنا کے آتی ہوں۔" چہک کر کہتی وہ پلٹ کر بھاگی تو دروازے کے باہر کھڑے زیاد سے ٹکراتے بچی تھی۔

"مبارک ہو بھائی! بجو مان گئی ہیں۔" زیاد بے حد آسودگی و طمانیت بھرے انداز میں مسکرایا اور حوریہ کا گال محبت سے سہلایا تھا۔

"تھینک گاڈ اینڈ تھینکس یو، آپ سب کا تعاون میرے ساتھ رہا ہے۔"

"صرف تھینکس سے بات نہیں بنے گی، اتنی اچھی بجو تھیالی ہے آپ نے ہماری ٹریٹ تو دینی پڑے گی۔" حوریہ ہنسنے لگی تھی، زیاد مسکرا کر تائیدی انداز میں بولا تھا۔

"ڈونٹ یو وری جناب! ایک کیا جتنی مرضی مرتبہ ٹریٹ لیجئے گا آپ کا حق بنتا ہے۔"

"تھینکس اے لاٹ۔" حوریہ ہنستی ہوئی وہاں سے بھاگ گئی، زیاد نے آہستگی سے دروازہ ناک کیا پھر اندر قدم رکھا تھا، نوریہ نے سرسری سی نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا پھر پلکیں جھکا دی تھیں۔

"تھینکس فار دس آنر مائی لیڈی! مجھے ہرگز سمجھ نہیں آ رہی کیسے تھینکس کہوں آپ کو؟" وہ جتنا خوش تھا جس قدر سرشار تھا یہ اس کی ہر ادا ہر انداز سے عیاں تھا، پا لینے کا نشہ اسے ابھی سے مدہوش کر رہا تھا، نوریہ نے نا چاہتے ہوئے بھی نگاہ بھر کے کسی قدر دھیان سے اسے دیکھا تھا، آف وائیٹ کاٹن کے سوٹ میں گھریلو سے حلیے میں اس کے سامنے تھا، آج شاید اس نے شیو بھی نہیں بنائی تھی، چہرے پہ سبز سبز سا رواں بکھرا ہوا تھا، وہ ہینڈسم تھا مگر عام سا نوجوان تھا، معاذ کے مقابل میں تو عشر عشیر بھی نہیں تھا، وہ بے خیالی میں اس کا معاذ سے مقابلہ کرتی اور خود کو مکمل طور پہ شکستہ محسوس کرتی رہی تھی، اگر معاذ حسن نہ کہتا تو وہ کبھی اس کنوئیں میں چھلانگ نہ لگاتی جس میں اس کے لئے درد اور اضطراب کے سوا کچھ نہیں تھا، محبت میں پوری طرح ہار جانے کے بعد وہ معاذ کی سحر انگیزی تو کیا اس کے سائے سے بھی گریزاں ہو جانا چاہتی تھی، مگر یہ کیسی آزمائش تھی کہ قسمت گھیر گھار کر اسے پھر اسی مقام پہ لے آئی تھی، اس نے اس روز چاہا تھا صاف انکار کر دے مگر وہ ایسا کر ہی نہ پائی تھی، وہ بات جو اس نے زینب اور خود ممی بھی نہیں منوا سکی تھیں اسے معاذ کے اک عام سے انداز میں کہی بات نے ماننے پہ مجبور کر دیا تھا۔

"مجھے زیاد بہت عزیز ہے، میں نہیں چاہتا اس کی کوئی خواہش ادھوری رہے۔" عام سا فقرہ ہی تھا مگر خواہش ظاہر کرنے والا ہرگز عام نہیں تھا، اس کی خاطر تو وہ خود کو دان کر سکتی تھی، پھر یہ تو معمولی آزمائش تھی، اس کی آنکھیں بھیگی اور چھلکنے کو بے تاب ہوئیں تب اس نے گھبرا کر سر جھکا لیا

تھا، زیاد سے اس کی پلکوں کا اٹھنا پھر آنکھوں کا بھر آنا کچھ بھی مخفی نہیں رہا تھا، چند لمحوں کو وہ ساکن ہوا تھا پھر بے تاب بے قرار سا ہو کر اس کی جانب بڑھ آیا تھا۔

"کیا بات ہے نوریہ؟ تم اس قدر اپ سیٹ کیوں ہو؟"

"ایسا کچھ نہیں ہے۔" نوریہ نے ہونٹ کچل کچل کر ساری نمی اندر اتار لی تھی، مگر زیاد کی تسلی نہیں ہو سکی۔

"تم مجھے خوش نہیں لگتیں، کہیں لالے نے تمہیں زبردستی تو نہیں منایا؟" وہ سخت وہمی ہو کر سوال پہ سوال کرنے لگا، نوریہ کو اس کا یہی انداز تاؤ دلا گیا تھا۔

"وہ کون ہوتے ہیں مجھ سے زبردستی کرنے والے۔" گو کہ زیاد حقیقت سے کوسوں دور تھا پھر بھی نوریہ اسی ایک بات سے بدک گئی تھی، زیاد حیران رہ گیا۔

"کیا مطلب بھئی، رشتوں کے ایک دوسرے پہ مان ہوتے ہیں نا، میں اسی کی بیس پہ کہہ رہا تھا۔" زیاد کی وضاحت پہ نوریہ کو اپنے رویے کی شدت کا از خود اندازہ ہوا تھا، جبھی ڈھیلی پڑ گئی۔

"میری بات کا تو جواب دو یار۔" زیاد منتظر تھا، نوریہ خائف سی ہوئی۔

"کون سی بات کا؟"

"یہی کہ تم خوش ہو نا؟"

"جی!!" ایک لفظ کی ادائیگی میں نوریہ نے پل صراط کا سفر طے کیا تھا، زیاد اسے بغور دیکھ رہا تھا۔

"پھر وہ آنسو؟" اس کی یقیناً تسلی نہیں ہوئی تھی۔

"خوشی میں بھی تو آنسو بہتے ہیں نا۔" نوریہ نے اپنے حلق میں ببول اگتے محسوس کیے تھے، زیاد نے گہرا سانس بھرا پھر آہستگی سے ہنس دیا۔

☆☆☆

"پرنیاں!" وہ اپنے بستر پہ ڈھیر سارے تکیوں میں منہ دیئے ساکن بیٹھی تھی جب ثنا کی آواز پہ ذرا چونکی مگر جواب نہیں دیا تھا، یونہی لیٹی رہی۔

"مجھے پتہ ہے تم سو نہیں رہی ہو، پھر کیا یہ بہتر نہیں ہے تم میری باتوں کے جواب دے دو، ویسے بھی اس طرح منہ چھپانے سے صورتحال کی سنگینی کو کوئی فرق نہیں پڑنے والا۔" ثنا کے سرد لہجے میں طنز کی کاٹ اور تلخی تھی، پرنیاں کے اعصاب کو شدید جھٹکا لگا تھا، وہ اگلے لمحے سیدھی ہو بیٹھی تھی اور متحیر غیر یقین نظروں سے ثنا کا چہرا دیکھا تھا جس پہ سنجیدگی کے ساتھ دبا دبا غصہ بھی تھا۔

"کیا مطلب ہے تمہاری اس بات کا ثناء؟" پرنیاں نے اپنی مخصوص قسم کی سنجیدگی کے ساتھ سوال کیا تھا جو اس پل کچھ اور گہری ہو گئی تھی۔

"تم اتنی معصوم کیوں بننے کی کوشش کر رہی ہو پرنیاں؟" ثنا کا لہجہ ہنوز تیکھا تھا پرنیاں کی رنگت سرخ پڑنے لگی۔

"شٹ اپ ثناء! تمہیں جو بھی کہنا ہے کھل کر کہو؟"

"مجھے کیا کہنا ہے، کہہ تو لوگ رہے ہیں، کیا تم سب کی زبانیں پکڑ لوں گی پرنیاں تو میں بتاؤں یہ ممکن نہیں۔" پرنیاں ٹھٹک گئی تھی، اس نے کچھ مضطرب ہو کر ثنا کو دیکھا تھا۔

"کیا کہہ رہے ہیں لوگ؟" اس کی آواز کی لرزش بے حد واضح تھی۔

"جب میں نے کہا تھا سر کی پرسنالٹی بہت سحر انگیز ہے اور تم بھی ان کے سحر سے محفوظ نہیں رہ سکتیں تو تم نے کتنی شد و مد سے انکار کیا تھا، مگر شاید تب تمہی خود بھی اندازہ نہیں تھا کہ تم آنے والے وقت میں اس حد تک گھائل ہو جاؤ گی کہ اپنا ہوسٹل اور کالج میں پچھلے تین سالوں سے بنا امیج بھی اتنی آسانی سے داؤ پہ لگا دوں گی، تم ایسی تو نہیں تھیں پرنیاں، مانا سر کی شخصیت بہت امپریسو ہے مگر تمہارے کردار کی تو میں گواہ رہی ہوں، مجھے بتاؤ کب تم ان سے اس قدر متاثر ہوئیں کہ اپنی داؤ پہ لگتی عزت کا بھی خیال نہیں رہا تمہیں؟" ثناء کا انداز جتنا بھی غصیلا اور ملامتی سہی مگر پرنیاں کے حوالے سے ٹوٹنے والا بھرم اسے سخت روہانسا کر چکا تھا، وہ پرنیاں کی بے حد پیاری دوست تھی، وہ دوست جس کے متعلق خود ثناء کو یہ یقین تھا کہ پرنیاں کی کوئی بات اس سے چھپی نہیں، پھر یہ اتنی بڑی بات پرنیاں نے اس سے چھپا کر اسے سخت تکلیف سے دوچار کیا تھا، اس کے برعکس پرنیاں ہکا بکا اس کی شکل دیکھ رہی تھی، اس کا چہرہ پہلے سرخ ہوا تھا پھر بے تحاشا زرد، وہ جیسے انکشافات کی زد پہ آ کر پتھر کی ہو چکی تھی مگر ثنا کو اس پہ اتنا غصہ تھا کہ اسے ایک لمحے کو بھی اس پہ رحم نہیں آیا تھا۔

"میں بہت انسپائر تھی تم سے پرنیاں اور اپنی فیملی میں تمہاری مثال دیا کرتی تھی، مگر مجھے نہایت افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ تم بھی ایک عام لڑکی نکلیں، بلکہ تم تو زیادہ قابل مذمت ہو کہ تم نے خود کو بہت خاص بنا کر پیش کیا، مجھے یقین نہیں آیا تھا جب پچھلے ہفتے میں نے تمہیں سر کے ساتھ ان کی گاڑی میں بیٹھ کر جاتے دیکھا، پھر اگلے دن تم انہی کے ساتھ واپس آئیں، ساری رات انہی کے ساتھ گزاری تم نے پرنیاں اور میرے پوچھنے پہ صاف مکر گئیں کہ تم اپنے انکل کے گھر گئی تھیں اور وہیں رات ٹھہری ہو، پرنیاں مجھے بتاؤ تم مجھے تو دھوکہ دے لو گی مگر خدا ایسے دغا بازوں کی ساری چالبازیاں ظاہر کر دیا کرتا ہے کیونکہ صرف میں نے نہیں کالج و ہاسٹل میں بھی ہر جگہ تمہارے متعلق چہ مگوئیاں ہو رہی ہیں کہ تم سر......"

"چپ ہو جاؤ ثناء...... فار گاڈ سیک۔" وہ منہ پہ ہاتھ رکھے زور زور سے روتے ہوئے چیخ کر بولی تھی۔

"ہاں میں نے تم سے جھوٹ بولے ہیں، دھوکے بھی دیئے ہیں، اس لئے میرے پاس بتانے کو کچھ بھی قابل فخر نہیں تھا، میں اس دن سر کے ساتھ گئی تھی، مگر میں نے رات ان کے ساتھ نہیں گزاری اس کے باوجود کہ وہ میرے شوہر ہیں، میں نے وہ رات انکل کے گھر پہ ہی گزاری تھی، ان کی فیملی کے ساتھ۔" ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولی تو وہ اپنے کردار کی شفاف چادر پہ گرے داغدار چھینٹے صاف کرنے کی کوشش میں ہلکان اور شدتوں سے بلک رہی تھی جبکہ اب کی مرتبہ سکتے میں آنے کی باری ثناء کی تھی، اس کا منہ کھلا رہ گیا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ)

میری دھڑکنوں کو قرار دو

مصباح علی تارڑ

ٹرے میں کھانا رکھنے کے بعد وہ ٹرے اٹھا کر وہ شانی لالہ کے کمرے کی طرف چلی آئی۔ اشہب علی خان جو بیڈ پہ دراز آنکھیں موندے لیٹے تھے، آہٹ کی آواز پر آنکھیں کھولیں تو زونیہ پہ نظر جاتے ہی فوراً آنکھوں پہ بازو رکھ لیا تھا، ان کی اس حرکت پہ زونیہ کے لبوں پہ ایک زخمی سی مسکراہٹ بکھر گئی، وہ جانتی تھی کہ وہ اس سے بہت ناراض ہیں پچھلے دو دن سے انہوں نے کھانا کھایا اور نہ ہی اس سے کوئی بات کی تھی۔

"لالہ اٹھیں کھانا کھا لیں؟" ٹرے بیڈ پہ رکھنے کے بعد ان کے قریب بیٹھتے ہوئے اس نے آہستہ سے ان کا بازو ہلایا تھا۔

"بھوک نہیں ہے مجھے۔" انہوں نے انتہائی سختی سے اس کا ہاتھ جھٹک دیا، تو چند ثانیے وہ بس انہیں دیکھے گئی اس کی آنکھیں ایکدم نمکین پانیوں سے بھرنے لگی تھیں۔

"کیا مطلب بھوک نہیں ہے آپ نے پرسوں سے کچھ بھی نہیں کھایا ہے اور ویسے بھی آپ کی ناراضگی تو مجھ سے ہے کھانے سے تو نہیں، اس لئے پلیز لالہ تھوڑا سا کھا لیں آپ کو نہیں پتہ آپ کے اس طرح کرنے سے مجھے کتنی تکلیف ہو رہی ہے۔" اس نے ایک بار پھر لالہ کی آنکھوں سے بازو ہٹاتے ہوئے کہا تو اشہب علی خان ایکدم غصے سے پھٹ پڑے تھے۔

"اچھا اپنی تکلیف کا بہت احساس ہے تمہیں لیکن جس تکلیف جس اذیت سے تم نے مجھے دوچار کر دیا ہے اس کا شاید اندازہ نہیں ہے تمہیں کیونکہ اگر ذرا بھی تمہیں میری تکلیف کا احساس ہوتا تو اتنا بڑا فیصلہ نہیں کرتی تم۔"

"ایسا مت بولیں لالہ۔" وہ شدت سے رو دی تو اشہب علی خان جو غصے سے اس کی جانب دیکھ رہے تھے اسے اس طرح روتے دیکھ کر ان

مکمل ناول

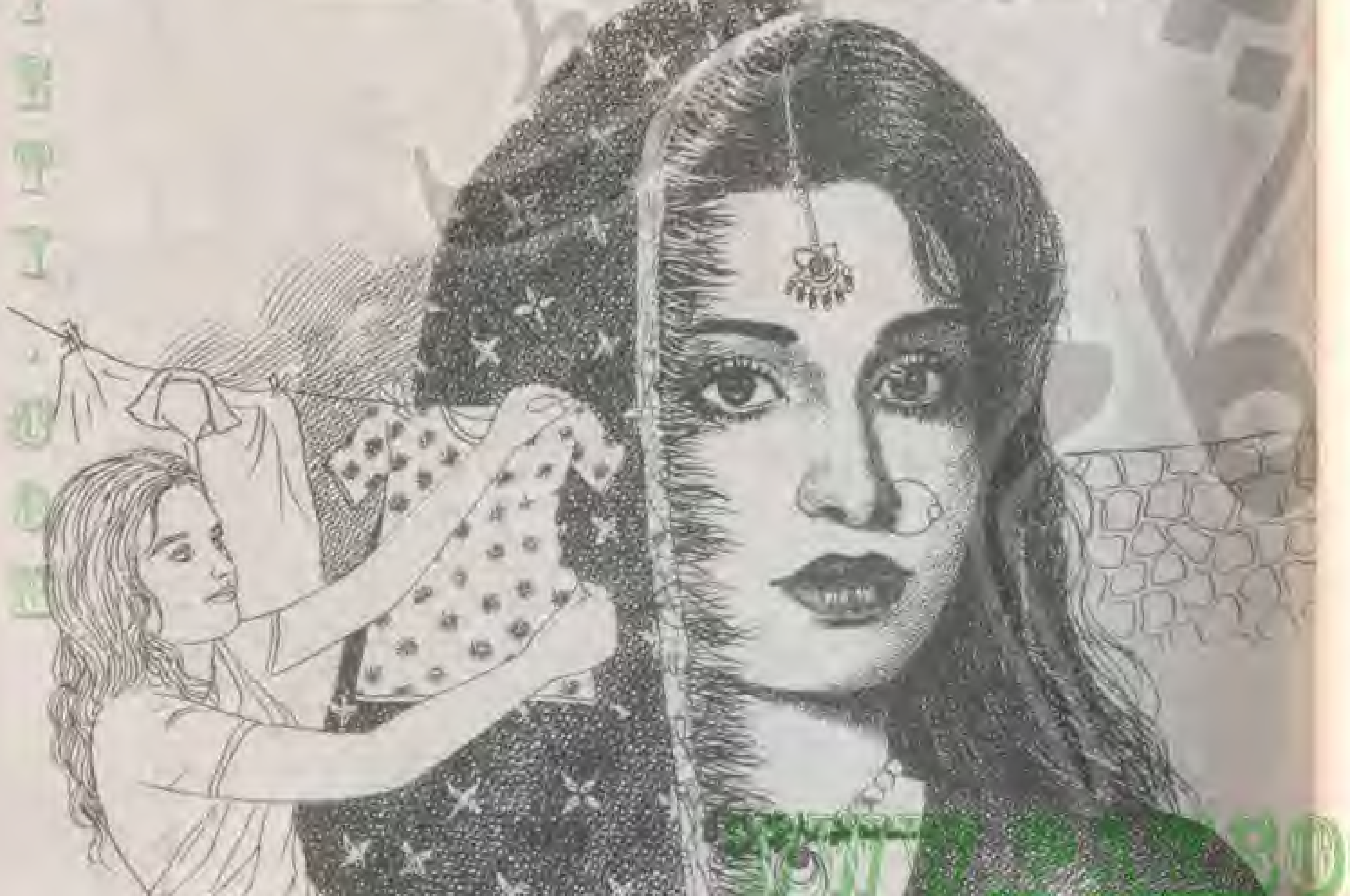

کے دل کو کچھ ہوا تھا تبھی اس کے دونوں ہاتھوں کو تھامتے ہوئے نرمی سے پوچھا تھا۔

”زونی تم ایسا کیوں کر رہی ہو بیٹا! کیا کسی نے ایسا کرنے کے لئے تم پہ کوئی دباؤ ڈالا ہے، آئی مین بابا جان یا ماما نے، دیکھو اگر ایسی کوئی بات ہے تو پلیز مجھے بتاؤ ابھی تمہارا لالہ زندہ ہے۔“ ان کی آخری بات پہ زونیہ علی خان نے تڑپ کر انہیں دیکھا تھا۔

”اللہ نہ کرے لالہ کیسی باتیں کرتے ہیں آپ اور پلیز لالہ آپ پریشان نہ ہوں یہ آپ کا وہم ہے کہ مجھے اس فیصلے کے لئے مجبور کیا گیا ہے ایسا کچھ نہیں ہے میں نے یہ فیصلہ اپنی مرضی سے لیا ہے۔“ اس نے آنسوؤں کو صاف کرتے ہوئے انہیں مطمئن کرنا چاہا تھا۔

”وہی تو پوچھ رہا ہوں کہ ایسی کون سی قیامت آ گئی تھی جو تم جاذل سے شادی کے لئے تیار ہو گئیں، فار گاڈ سیک زونی ابھی بھی وقت ہے انکار کر دو بابا جان کو کہ تمہیں جاذل سے شادی نہیں کرنی ہے، بولو کہو گی نا۔“ انہوں نے بہت آس سے اس کی سمت دیکھتے ہوئے پوچھا تھا، انہیں سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس طرح زونیہ کو اس کے اس فیصلے سے باز رکھیں ان کی بے بسی ان کی لہجے سے واضح طور پر عیاں ہو رہی تھی۔

”سوری لالہ میں ایسا نہیں کر سکتی۔“ اس نے آہستہ سے کہا تو اشہب علی خان جو اس کے اس فیصلے سے پہلے ہی بہت دلگرفتہ تھے اس لمحے شدت سے ان کا جی چاہا تھا کہ سامنے بیٹھی اپنی جان سے پیاری بہن کا منہ تھپڑوں سے سرخ کر دیں وہ کچھ پل غصے سے اس کی جانب دیکھتے رہے پھر دانت پیستے ہوئے بولے تھے۔

”بابا جان کا ایک اور بیٹا بھی تو تھا پھر تمہارے لئے جاذل ہی کیوں، مجھے تو لگتا تم پاگل ہو چکی ہو ورنہ کوئی عقل مند اور ذی ہوش انسان تو ایسا فیصلہ نہیں کر سکتا۔“

”اوہو لالہ! آپ بھی نہ بس، جاذل لالہ بھی تو بابا جان کے ہی بیٹے ہیں نا اور پھر کیا خرابی ہے ان میں اتنے ہینڈسم تو ہیں۔“ اس نے چہرے پہ مصنوعی مسکراہٹ سجاتے ہوئے لالہ کا موڈ خوشگوار کرنے اور ان پہ یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی تھی کہ وہ اپنے فیصلے پہ بہت خوش ہے، حالانکہ یہ صرف وہی جانتی تھی کہ اس نے کس طرح اپنے دل کو سمجھایا تھا اس رشتے کے لئے، اشہب علی خان نے اس کی بات پہ گھور کر دیکھا تھا اسے، انہیں اس کی ہنسی زہر لگی تھی تبھی غصے سے تپ کر بولے تھے۔

”اس کے کرتوت بھی بڑے ہینڈسم ہیں بالکل اسی کی طرح، سارا شہر جانتا ہے لیکن تم...... مجھے تو سمجھ نہیں آ رہی کہ تمہیں ہو کیا گیا ہے زونی پلیز مت کروا ایسا اپنے ساتھ تم جانتی بھی ہو کہ وہ کتنا آوارہ اور عیاش ہے بہت پچھتاؤ گی تم، ابھی بھی وقت ہے انکار کر دو اس رشتے سے۔“ لالہ کی بات پہ وہ چپ چاپ بس انہیں دیکھے گئی اب بھلا وہ انہیں کیا بتاتی کہ اس نے جاذل سے شادی کا فیصلہ انہی کے لئے ہی تو کیا تھا ورنہ اس کا دل تو کسی اور کے ساتھ کا تمنائی تھا اس کی دھڑکنوں میں تو کوئی اور نام گونجتا تھا آنکھوں نے ہمیشہ کسی اور کے سپنے دیکھے تھے اس نے بہت دقتوں سے اپنے دل کی تمنا کا گلا گھونٹا تھا اپنی دھڑکنوں کو سنبھالا اور آنکھوں سے ان سپنوں کو نوچ ڈالا تھا جو کبھی اس کا سب کچھ تھے اور پھر وہ جاذل عمر خان کے ساتھ شادی سے انکار کس طرح کرتی کہ اس کا دل جس کے نام کی مالا جپتا تھا وہ تو بہت خاموشی سے اپنا راستہ بدل گیا تھا چاہتے ہوئے یا نا چاہتے ہوئے اس بات سے زونیہ علی خان کو کوئی غرض نہ تھی اسے تو اب یہ دیکھنا تھا کہ اسے اس گھر میں رہنا تھا اپنے لالہ کے پاس ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اور اس کے لئے اسے جاذل عمر خان جیسے شخص کا ساتھ بھی منظور تھا۔

☆☆☆

ذوہیب پورے پندرہ دن بعد دبئی سے لوٹا تھا وہ بزنس کے سلسلے میں گیا ہوا تھا لیکن اب واپسی پہ جو خبر اسے اسمارہ بھابھی کے توسط سے ملی تھی اسے سننے کے بعد وہ کتنی دیر تک ساکت وصامت کچھ بولنے کے قابل ہی نہ رہا تھا۔

”یقین نہیں آ رہا نا، مجھے بھی بالکل ایسے ہی نہیں آ رہا تھا جب ماما کے ہاں سے آنے کے بعد میں نے سنا تھا لیکن پھر مجھے یقین کرنا پڑا جب زونیہ نے اپنے منہ سے اس بات کی تصدیق کی اور مجھے بھی اتنا ہی دکھ ہوا تھا جتنا اس وقت تم فیل کر رہے ہو، میں چاہتی ہوں ذوہیب تم ایک بار اسے سمجھاؤ مجھے پورا یقین ہے وہ تمہاری بات سمجھ جائے گی۔“ اسمارہ بھابھی کیا کیا بولے جا رہی تھیں ذوہیب عمر خان کو کچھ سنائی نہ دے رہا تھا اس کا ذہن تو اس ایک فقرے میں اٹک گیا تھا کہ زونیہ نے خود اس بات کی تصدیق کی ہے اور وہ اپنے اس فیصلے سے بہت خوش ہے پھر اسمارہ بھابھی تو چلی گئی لیکن وہ بے چین سا کمرے میں چکرانے لگا اس نے کن مشکلوں سے اپنی محبت کو دل کے نہاں خانوں میں چھپا کر خود پہ ضبط کے پہرے بٹھائے تھے لیکن اس خبر نے اسے پھر سے بے سکون کر دیا تھا، اسے لگ رہا تھا کہ زونیہ نے جاذل سے شادی کا فیصلہ صرف اور صرف اسے تکلیف اور اذیت دینے کے لئے کیا ہے، وہ اسے اذیت سے دوچار کرنے کے لئے اپنی زندگی داؤ پہ لگا دے گی، اسے ابھی تک یقین نہ آ رہا تھا، لیکن اسے اس سے بات کرنا تھی اسے ایسا کرنے سے باز رکھنا تھا پھر کچھ دیر بعد وہ اس کے سامنے کھڑا تھا۔

”ایکسکیوز می مسٹر ذوہیب عمر خان! آپ کو یہ حق کس نے دیا کہ آپ میرے انتہائی پرسنل معاملات میں انٹر فیر کریں، یہ میری زندگی ہے میں جسے چاہوں اس میں شامل کروں آپ کو اس سے کیا۔“ ذوہیب کی بات پہ چہرے پہ ناگواری کا سرد سا تاثر لئے اس نے انتہائی سخت لہجے میں کہا تو ذوہیب ایک لمحے کو چپ رہ گیا لیکن دوسرے ہی پل خود پہ قابو پاتے ہوئے اس نے دوبارہ سے کچھ کہنے کی کوشش کی تھی۔

”لیکن زونی......“ اس سے پہلے کہ وہ اپنی بات مکمل کرتا وہ ایک قہر بھری نگاہ اس پہ ڈالنے کے بعد کمرے سے نکل گئی تو کتنے ہی پل ذوہیب کو یہ یقین کرنے میں لگے تھے کہ کیا یہ وہی زونیہ تھی جس کے لئے ذوہیب عمر خان کی ہر بات حکم کا درجہ رکھتی تھی لیکن اب شاید بہت کچھ بدل گیا تھا کچھ بھی ویسا نہ رہا تھا اور اس سب کی ذمہ دار رومیلہ احسان تھی اس نے ذوہیب عمر خان کی ہستی بستی زندگی میں آگ لگا دی تھی، اس لمحے ذوہیب کے اندر شدت سے اس خواہش نے سر اٹھایا تھا کہ رومیلہ احسان اس کے سامنے ہو اور وہ اس کا حلیہ بگاڑ کے رکھ دے کچھ دیر وہ وہاں کھڑا خود پہ قابو پانے کی کوشش کرتا رہا پھر لاؤنج میں چلا آیا، گھر کے تقریباً سبھی افراد وہاں موجود تھے، ماما، بابا جان، روحیل، اسمارہ بھابھی اور جاذل، وہ خاموش سا قدرے تنے ہوئے نقوش کے ساتھ سنگل صوفے پہ بیٹھ گیا ابھی اسے بیٹھے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی جب اسے ماما جان کی آواز سنائی دی تھی۔

”ذوہیب بیٹا! آج آپ کی زارا آنٹی کا

فون آیا تھا کہہ رہی تھیں کہ اب شادی کی ڈیٹ فکس کر دینی چاہیے، میں اور آپ کے بابا جان تو خود یہی چاہتے ہیں آپ کا کیا خیال ہے۔'' انہوں نے بات کرتے کرتے آخر میں ذوہیب سے پوچھا تو بابا جان کی بات پہ کچھ فاصلے پہ بیٹھے جاذل عمر خان کی نگاہیں ذوہیب کے چہرے پہ جا ٹھہریں تھیں، ذوہیب چند ثانیے جامد تاثرات سمیت ماما جان کی جانب دیکھتا رہا کہ وہ کیسی ماں تھیں جنہیں اس کے جذبات اس کے احساسات کی کوئی پرواہ نہ تھی، کچھ دیر ان کی جانب دیکھنے کے بعد وہ انتہائی خشک لہجے میں یہ کہتے ہوئے اٹھ گیا۔

''اب تک جو کچھ ہوا ہے کیا وہ سب مجھ سے پوچھ کر ہوا ہے، میرے خیال میں میری مرضی کوئی اتنی امپورٹنس نہیں رکھتی ہے آپ کے لئے اس لئے جو آپ کا دل چاہیں کریں۔'' اس کے جواب پہ جہاں ماما جان بہت خوش ہوتیں تھیں کہ چلو جیسے بھی سہی اس نے شادی کے لئے ہاں تو کی وہیں کچھ فاصلے پہ بیٹھے جاذل خان کے بے حد وجیہہ چہرے پہ ایک تاریک سا سایہ لہرا گیا تھا، ذوہیب کی مرضی کیا تھی یہ وہ بہت اچھی طرح جانتا تھا تبھی تو اذیت اور بے بسی کی ایک لہر نے اسے اپنے حصار میں لیا تھا دونوں لبوں کو آپس میں پیوست کیے مٹھیاں بھینچے وہ کچھ دیر خود پہ کنٹرول کرتا رہا پھر ایک جھٹکے سے اٹھ گیا، وہ ابھی دروازے پہ ہی پہنچا تھا کہ بابا جان کی گرج دار آواز سنائی دی تھی۔

''تم کہاں جا رہے ہو اس وقت؟''

''ارباز کی طرف۔'' اس نے پلٹے بغیر جواب دیا اور تیزی سے باہر نکل گیا اس کی اس حرکت پہ بابا جان غصے سے بل کھا کے رہ گئے تھے پھر ماما جان سے الجھنے لگے۔

''اسے اپنے الفاظ میں سمجھا دیں کہ یہ آوارہ گردی چھوڑ دے تو بہتر ہو گا کیونکہ اب میں اس کی یہ فضول حرکتیں قطعاً برداشت نہیں کروں گا۔''

''اوہو عمر کیا ہو گیا ہے آپ کو، دوست کی طرف گیا ہے آ جائے گا تھوڑی دیر میں، آپ تو خوامخواہ ٹمپر لوز کرنے لگتے ہیں اور پھر اسی لئے تو کہتی ہوں کہ جتنی جلدی ہو سکے اس کی شادی کر دیں گھر میں بیوی ہو گی تو خود ہی چھوڑ دے گا یہ فضول دوستیاں، اور اب تو ذوہیب بھی مان گیا ہے میرا خیال ہے اب شادی کی ڈیٹ فکس کر دینی چاہیے۔'' ماما جان کی بات پہ بابا جان نے کچھ سوچتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا، کیونکہ ایسا تو کبھی نہ ہوا تھا کہ ماما جان کچھ کہیں اور بابا جان ویسا نہ کریں، پھر بابا جان نے وہی بیٹھے ہوئے ہی احسان احمد کا نمبر ملا کر فون کان سے لگا لیا۔

''احسان لالہ! ہم لوگ کل شادی کی ڈیٹ لینے آ رہے ہیں۔'' سلام دعا کے بعد بابا جان نے اپنا مدعا بیان کیا تھا اور پھر اگلے دن وہ ماما جان کے ساتھ جا کے ڈیٹ فکس کر آتے تھے اگلے ماہ کی دو تاریخ کو ذوہیب کی بارات تھی اور طے یہ پایا تھا کہ جس دن ذوہیب کی بارات ہو گی اس دن شام کو زونیہ کا نکاح جاذل سے ہو گا اگلے دن دونوں کے ولیمے کا فنکشن اکٹھا تھا، اشہب علی خان کو پتہ چلا تو ان کا خون کھول کے رہ گیا تھا ان کی بہن کی شادی کی ڈیٹ ان سے پوچھے ان سے مشورہ لیے بغیر طے کر دی گئی تھی وہیل چیئر کو یونہی کمرے میں اِدھر اُدھر گھماتے وہ کتنی دیر تک سلگتے رہے تھے لیکن پھر یہ سوچ کر چپ کر گئے تھے کہ جب ان کی اپنی بہن نے ان کی کسی بات کو اہمیت نہ دی تھی تو پھر وہ دوسروں سے کیا گلہ کرتے لیکن اندر ہی اندر وہ بے چین ہو گئے تھے اور ڈیٹ فکس ہونے کی خبر سن کر سکون تو زونیہ علی خان کا سکون بھی درہم برہم ہو گیا تھا۔

☆☆☆

وہ یونیورسٹی سے لوٹی تھی، جب اسمارہ بھابھی نے اسے اس خبر کے ساتھ مبارکباد دی تھی تو وہ فق چہرے کے ساتھ کتنی ہی دیر بھابھی کو دیکھے گئی آنکھوں کے گوشے خود بخود بھیگنے لگے تھے۔

''لگتا ہے تمہیں خوشی نہیں ہوئی۔'' اسمارہ بھابھی نے اس کے اڑے اڑے رنگ اور بھیگی پلکوں کو دیکھتے ہوئے طنزاً استفسار کیا تھا۔

''نن...... نہیں تو مم...... میں بہت خوش ہوں۔'' بھیگے لہجے میں کہتے ہوئے وہ کچن سے باہر نکل گئی تو بھابھی نے ایک نظر ساس پین میں کھولتی چائے کو دیکھا تھا پھر کچھ سوچتے ہوئے چائے کو کپ میں چھانا اور اس کے کمرے میں چلی آئیں، وہ سامنے ہی گھٹنوں پہ سر رکھے بیٹھی آنسو بہا رہی تھی۔

''یہ تمہاری چائے۔'' بھابھی کی بات پہ بھی اس نے سر نہیں اٹھایا تھا، تو بھابھی نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے اس کے ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا تھا۔

''کہا تھا نا کہ مت کرو ایسا، لیکن تم نے میری ایک نہیں سنی تو۔''

''پھر رونے کا مطلب، جب سب کچھ طے ہو چکا ہے۔'' وہ جو اپنے بار بار امڈ آنے والے آنسوؤں کو روکنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی جھٹکے سے سر اٹھا کر بھابھی کو دیکھا تھا پھر بھیگے لہجے میں بولی تھی۔

''تو پھر اور کیا کرتی بھابھی اور کوئی راستہ بھی تو نہ تھا میرے پاس۔'' اس کی بات پہ بھابھی کو بھی غصہ آ گیا تھا۔

''کیوں نہیں تھا کوئی راستہ، تمہاری شادی کہیں بھی کسی بھی اچھے سے لڑکے سے ہو سکتی تھی خدانخواستہ تم کوئی لنگڑی نہیں ہو لیکن تم نے تو صرف ذوہیب کو اذیت دینے کے لئے یہ فیصلہ کیا ہے لیکن تمہیں شاید اندازہ نہیں ہے کہ ذوہیب تو اذیت میں رہے گا ہی لیکن جاذل کا عمر بھر کا ساتھ خود تمہارے اپنے لئے بھی ایک امتحان بن جائے گا۔''

''پتہ ہے مجھے آپ کے بتانے کی ضرورت نہیں ہے، لیکن میرے پاس اور کوئی راستہ نہ تھا اس گھر میں اپنے لالہ کے ساتھ رہنے کے لئے مجھے یہ سب تو کرنا ہی تھا کیونکہ میں انہیں چھوڑ کے کہیں جانے کا تصور بھی نہیں کر سکتی اور نہ ہی انہیں اس گھر کے مکینوں کے رحم و کرم پہ چھوڑ سکتی ہوں اس گھر کے لوگوں کو ان سے کتنی محبت ہے مجھے اچھی طرح اندازہ ہے اشہب علی خان کی ذات اس گھر کے باقی افراد کے لئے ہو گی غیر اہم لیکن میرے لئے میرے لالہ بہت خاص ہیں۔'' بات کرتے کرتے اس نے اپنے گالوں پہ پھسلتے آنسوؤں کو صاف کیا تھا اور پھر بھابھی کی سمت دیکھ کر مزید گویا ہوئی تھی۔

''جہاں تک آپ کی اس بات کا تعلق ہے کہ میں سب ذوہیب کو اذیت دینے کے لئے کر رہی ہوں تو سن لیں کہ میرا ایسا کوئی ارادہ نہ تھا لیکن ہاں اب آپ کے منہ سے یہ جان کر خوشی ہوئی ہے کہ وہ میرے اس فیصلے سے اذیت میں ہیں، چلو کم از کم انہیں بھی اتنا تو پتہ چلنا چاہیے کہ اذیت ہوتی کیا ہے۔'' آخر میں اس نے پھیکی اور تلخ مسکراہٹ لبوں پہ سجاتے ہوئے کہا تو بھابھی کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر باہر نکل گئیں۔

''کیوں دکھائے تھے مجھے اپنی محبت کے سپنے ذوہیب عمر خان، میری آنکھوں کو اپنے سپنوں کا عادی بنا کر مجھے محبت کی راہوں میں

ہمسفر بنا کر آپ نے اپنے قدم واپس کیوں موڑ لئے۔" بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر وہ ایک بار شدت سے پھر رو دی تھی اس بات سے بے خبر کہ اپنے کمرے بیڈ پہ اوندھے لیٹے ذوہیب عمر خان کے آنسو بھی دھیرے دھیرے اس کے تکیے کو بھگو رہے تھے۔

☆☆☆

احمد حسن خان کا تعلق بنیادی طور پہ پشاور سے تھا لیکن چونکہ ان کا بزنس اسلام آباد میں تھا اس لئے وہ اپنے دونوں بیٹوں عمر احمد خان اور علی احمد خان کے ساتھ اسلام آباد میں ہی رہائش پذیر تھے، کبھی کبھار اپنے آبائی گاؤں کا چکر لگا لیا کرتے تھے ان کی مسز کا انتقال علی احمد خان کی پیدائش پہ ہی ہو گیا تھا لیکن انہوں نے اپنے بچوں کو ماں کی کمی کبھی محسوس نہ ہونے دی انہیں اپنے بیٹوں سے بہت محبت تھی۔

وہ ان دونوں کے لئے بالکل دوست کی طرح تھے، تعلیم مکمل کرنے کے بعد دونوں بھائیوں نے اپنے باپ کا بزنس سنبھال لیا تو احمد حسن خان ان کی شادیوں کے بارے میں سوچنے لگے، عمر احمد خان کو عام سے نقوش اور سانولی سی رنگت والی سائرہ جہانگیر پسند آ گئی تو احمد حسن خان نے بنا کوئی اعتراض کیے اپنے بیٹے کے لے اس کا ہاتھ مانگ لیا علی احمد خان کے لئے انہوں نے اپنی بھانجی پری وش کا انتخاب کیا تھا پری وش اپنے نام کی طرح بالکل پریوں جیسی ہی تھی، دونوں بھائیوں کی شادی اکٹھے ہی ہوئی شادی کے موقع پہ رشتے دار خواتین کے پری وش کے لئے ستائشی کلمات (کہ علی احمد کی دلہن زیادہ خوبصورت ہے) نے سائرہ جہانگیر کے دل میں پری وش کے لئے نفرت سی پیدا کر دی تھی، وہ جب بھی پری وش کو دیکھتی اپنے معمولی صورت ہونے کا احساس شدت سے اس پہ غالب آ جاتا اس کا رویہ پری وش سے بس لیا دیا سا ہی تھا جبکہ پری وش نے ہمیشہ اسے بڑی بہنوں والا مان اور عزت دی تھی، شادی کے سال بعد سائرہ کے ہاں روحیل نے جنم لیا تو گھر بھر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی، روحیل شکل و صورت اور رنگ و روپ میں بالکل باپ دادا پہ گیا تھا خوبصورت گورا چٹا گول مٹول روحیل سب کی توجہ کا مرکز تھا، روحیل ابھی دو ماہ کا تھا جب پری وش کے ہاں اشہب علی خان نے جنم لیا، وہ روحیل سے بھی زیادہ خوبصورت تھا، اشہب کے بعد کئی سال تک پری وش دوبارہ ماں نہ بن سکی جبکہ سائرہ نے مزید تین اولادوں کو جنم دیا تھا، عائشہ، جاذل اور ذوہیب، جب عائشہ پیدا ہوئی تو احمد حسن خان نے اس کا رشتہ اشہب سے طے کر دیا، عائشہ بیگم اندر ہی اندر بل کھا کے رہ گئیں لیکن سسر کے سامنے بولنے کی ہمت نہ کر سکیں، اشہب علی خان میٹرک میں تھا جب پری وش ایک بار پھر امید سے ہوئیں، وہ بہت خوش تھیں اور رب سے بیٹی کی دعا کرتی تھیں انہیں بیٹی کی بہت خواہش تھی پھر رب نے ان کی دعا سن لی لیکن اس خواہش کی تکمیل میں وہ اپنی زندگی ہار گئیں، دوران زچگی پیچیدگی کی بناء پر وہ اللہ کو پیاری ہو گئیں تو علی احمد خان بھی اپنی محبوب بیوی کی موت کا صدمہ برداشت نہ کر سکے، پری وش کی موت کی خبر سنتے ہی ان کے دل کی دھڑکنیں کچھ اس طرح تھمیں کہ دوبارہ چل ہی نہ سکیں، احمد حسن خان بھی جوان بیٹے اور بہو کی موت کا دکھ دل میں لئے صرف چند ماہ ہی زندہ رہ سکے، پری وش کی بیٹی زونیہ بالکل اپنی ماں کی کاپی تھی جو بھی اسے دیکھتا بے ساختہ کہہ اٹھتا تھا کہ ماشااللہ کتنی پیاری بچی ہے تو سائرہ اندر ہی اندر جل کڑھ جاتیں کیونکہ ان کی بیٹی عائشہ بالکل ان پہ گئی تھی ویسی ہی سانولی سی حالانکہ ان کے تینوں بیٹے بہت خوبصورت تھے، لیکن بیٹی کو دیکھ کر وہ کڑھ جاتیں کیونکہ جس طرح کے فقرے انہیں اور پری وش کو دیکھنے کے بعد بولے جاتے تھے، وہ اب زونیہ اور عائشہ کو دیکھ کر بولے جاتے جس کی بنا پہ ان کا رویہ زونیہ کے ساتھ عجیب سرد سا ہو گیا تھا، حالانکہ وہ دونوں بہن بھائی ان کی بہت عزت کرتے تھے، وہ دونوں ان کے بچوں کی دیکھا دیکھی انہیں ماما ہی کہتے تھے، لیکن سائرہ کے دل میں ان کے لئے صرف نفرت ہی تھی، زونیہ کے دل میں ان کا خوف کچھ اس طرح بیٹھا تھا کہ کبھی اس سے رہائی حاصل نہ کر سکی، وقت کا پہیہ گھومتا رہا اور وہ میٹرک میں آ گئی گھر میں روحیل لالہ اور اشہب لالہ کی شادی کی باتیں ہونے لگیں شادی کی ڈیٹ فکس ہو گئی تھی لیکن اوپر والے کو شاید کچھ اور ہی منظور تھا شادی سے دو دن پہلے اشہب علی خان کا کار ایکسیڈنٹ ہو گیا جس میں وہ اپنی دونوں ٹانگوں سے محروم ہو کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے وہیل چیئر پہ بیٹھ گئے تو سائرہ نے اس واقعہ کے دو ماہ بعد روحیل اور اسمارہ بھابھی کی شادی کے ساتھ ہی عائشہ کو بھی اپنے بھتیجے صارم کے ساتھ رخصت کر دیا اشہب علی خان عائشہ سے بہت محبت کرتے تھے وہ اپنے ساتھ پیش آنے والے حادثے پہ پہلے ہی بری طرح ٹوٹ چکے تھے، اب تو ان کا دل چاہتا تھا کہ خود کو ختم کر لیں لیکن وہ ایسا نہ کر سکے انہوں نے زونیہ کے لئے خود کو سنبھال لیا تھا، اپنی اکلوتی بہن سے انہیں بے انتہا محبت تھی، زونیہ بھی ان کے پاس بیٹھے ادھر اُدھر کی باتوں میں ان کا دل بہلائے رکھتی سکول سے آنے کے بعد وہ سارا وقت ان کے ساتھ ہی رہتی سائرہ کے برعکس گھر کے باقی افراد کا رویہ اشہب اور زونیہ کے ساتھ ٹھیک ہی تھا روحیل لالہ اس کا بالکل چھوٹی بہنوں کی طرح خیال رکھتے تھے، اسمارہ بھابھی سے بھی اس کی جلد ہی دوستی ہو گئی تھی، وہ بھی اسے بہنوں کی طرح ہی چاہتی تھی، پھر جاذل عمر خان تھا لندن سے حاصل کی گئی ماسٹرز ان اکنامکس کی ڈگری بھی اس کے اندر کے عیاش اور آوارہ منش انسان کو نہ سدھار سکی تھی، زونیہ کی تو ہمت ہی نہ ہوتی تھی کہ اس سے بات کر لے اس کی بھوری چمکدار آنکھوں میں دیکھنے کی وہ کبھی ہمت نہ کر سکی تھی اس نے بھی زونیہ کو کبھی مخاطب نہ کیا تھا اور سب سے آخر میں سائرہ اور عمر احمد خان کا سب سے چھوٹا لاڈلا بیٹا ذوہیب عمر خان تھا وہ تو زونیہ علی خان کا سب سے فیورٹ لالہ تھا، اشہب لالہ کے بعد وہ گھر میں سب سے زیادہ اٹیچ بھی اس سے ہی تھی، اس کو کوئی بھی کام ہوتا وہ بلا جھجک ذوہیب لالہ سے کہہ دیتی، وقت کچھ اور سرکا اور وہ کالج پہنچ گئی۔

سب کی محبتیں سمیٹنے والے ذوہیب عمر خان کا دل خود سے آٹھ سال چھوٹی دودھیا رنگت اور سبز کانچ سی آنکھوں والی زونیہ علی خان کا کب اسیر ہوا اسے خبر ہی نہ ہو سکی، آفس سے آنے کے بعد اب اس کا زیادہ تر وقت اشہب لالہ کے کمرے میں ہی گزرنے لگا جہاں زونیہ کی موجودگی یقینی ہوتی تھی، زونیہ نے جب اس کے بدلتے جذبات و احساسات کو نوٹ کیا تو یہ جان کر کہ ذوہیب اسے پسند کرنے لگا ہے وہ شاکڈ رہ گئی تھی، ساتھ ہی اس کے اندر اس احساس نے بھی سر اٹھایا تھا کہ اگر ماما جان کو پتہ چلا تو وہ اس کے بارے میں کیا سوچیں گی، وہ تو پہلے ہی ذوہیب کی زونیہ سے اٹیچمنٹ کو پسند نہ کرتی تھیں یہ سوچ کر ہی زونیہ کا دل بیٹھنے لگا تھا کہ اگر وہ ذوہیب کے دل کے راز سے آگاہ ہو گئیں تو نہ

جانے کیا ہو، اس کے بعد وہ ذوہیب سے کترانے لگی تھی، اس نے کبھی بھی اس کی حوصلہ افزائی نہیں کی تھی، اس کے گریز کو ذوہیب نے بھی نوٹ کرلیا تھا۔

☆☆☆

زونیہ کا ایف ایس سی کا رزلٹ آیا وہ بہت اچھے مارکس سے پاس ہوئی تھی، ذوہیب اس کی شاندار کامیابی پہ اسے خوبصورت سا گولڈ کا لاکٹ گفٹ کیا تھا، اگرچہ وہ اس سے پہلے بھی ہر بار رزلٹ پہ اسے کوئی نہ کوئی چیز گفٹ کرتا تھا اگر اسے یاد نہ بھی رہتا تو زونیہ خود مانگ کر گفٹ لے لیتی تھی، لیکن اب اس نے ہاتھ آگے نہ بڑھایا تھا بلکہ چپ چاپ کھانا کھاتی رہی تو ذوہیب نے بہت حیران ہوکر پوچھا تھا۔

"کیا ہوا پسند نہیں آیا؟" وہ بہت دھیان سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"آں! نہیں اچھا ہے۔" زونیہ نے ہاتھ بڑھا کر وہ لاکٹ لے لیا ایک گول دائرے کے اندر بڑا سا زیڈ بنا ہوا تھا جس پہ وائٹ نگ جڑے ہوئے تھے اس نے چپ چاپ وہ لاکٹ دوبارہ لاکٹ کیس میں رکھ دیا، چونکہ کھانے کی میز پہ سب موجود تھے اس لئے وہ سب کے سامنے انکار بھی نہ کرسکتی تھی، لیکن بعد میں اس کے کمرے میں جاکر اس نے گفٹ واپس کردیا تھا، ذوہیب بیڈ پہ نیم دراز فون پہ اپنے دوست سے بات کررہا تھا جب وہ ہلکی سی دستک کے ساتھ اندر آئی تھی اس کے ہاتھ میں وہی لاکٹ کیس تھا جو کچھ دیر پہلے ذوہیب نے اسے دیا تھا۔

"سعد میں تم سے بعد میں بات کرتا ہوں۔" کال ڈسکنیکٹ کرتے ہوئے اس نے بہت حیران نظروں سے زونیہ کی جانب دیکھا تھا، لیکن وہ اس کی سمت دیکھے بغیر لاکٹ کیس کو سائیڈ ٹیبل پہ رکھ کر واپس مڑ گئی تو وہ جھٹکے سے اٹھ کر سامنے آیا تھا۔

"زونی کیا ہے یہ سب؟" اس نے لاکٹ کیس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"سوری ذوہیب لالہ میں یہ نہیں رکھ سکتی۔" چہرے پہ خفگی سجائے اس نے سختی سے جواب دیا تھا۔

"لیکن کیوں؟ زونی کیا ہوگیا ہے تمہیں؟ میں دیکھ رہا ہوں کافی دنوں سے تمہارا رویہ میرے ساتھ بہت خراب سا ہے اور یہ گفٹ تم کیوں نہیں لے سکتی اس سے پہلے بھی تو میں تمہیں ہر بار رزلٹ آنے پہ کچھ نہ کچھ گفٹ کرتا ہوں تو پھر اب کیا ہوا ہے۔" ذوہیب نے اسے مسلسل نظروں کی گرفت میں لیتے ہوئے پوچھا تھا لیکن وہ کوئی بھی جواب دیئے بغیر سائیڈ سے ہوکر باہر جانے لگی تو ذوہیب نے ایکدم اسے کلائی سے تھام کر روکا تھا۔

"کیوں کررہی ہو تم میرے ساتھ ایسا؟" اس کے خوبصورت چہرے کو دیکھتے ہوئے اس نے بے بسی سے دیکھا تھا زونیہ کے رویے سے وہ بہت ہرٹ ہوا تھا، پچھلے بہت سے دنوں سے وہ اسے مسلسل اگنور کررہی تھی جو ذوہیب عمر خان سے بالکل برداشت نہ ہورہا تھا، اب اس کا ضبط جواب دے گیا تھا بھی انتہائی بے بسی سے پوچھا تھا، تو زونیہ نے جھٹکے سے کلائی چھڑائی تھی۔

"میں ایسا کیوں کررہی ہوں یہ سوال آپ مجھ سے نہیں اپنے آپ سے پوچھیں تو زیادہ بہتر جواب ملے گا آپ کو، ویسے میں جو کررہی ہوں وہ نظر آگیا آپ کو اور جو کچھ آپ کررہے ہیں وہ سب کیا ہے؟" اس نے ذوہیب کی طرف دیکھتے ہوئے انتہائی خفگی سے دریافت کیا تھا تو ذوہیب جو اس کے خوبصورت چہرے کو مسلسل اپنی نظروں

کی گرفت میں لئے کھڑا تھا اس کی بات پہ مسکراہٹ بے ساختہ اس کے لبوں کو چھوگئی تھی۔

"تھینک گاڈ تمہیں پتہ تو چلا کہ میں کیا کررہا ہوں ورنہ میں تو یہ سوچ کر اتنا پریشان تھا کہ تم کیسی لڑکی ہو جسے ابھی تک میری محبت سمجھ میں نہیں آرہی ورنہ لڑکیاں تو اس معاملے میں بہت تیز ہوتی ہیں، ادھر کسی لڑکے کی نظروں کا رنگ بدلا ادھر لڑکی فوراً سمجھ گئی، بہرحال یہ جان کر بہت اچھا فیل ہورہا ہے کہ تم میرے جذبات سے بے خبر نہیں ہو، ورنہ میرے لئے تو بہت پرابلم ہوجاتی کیونکہ مجھے تو ڈائیلاگ وغیرہ بھی بولنے نہیں آتے، ایکچوئیلی میں فلمیں بہت کم......"

"ذوہیب لالہ پلیز! بس کردیں، نہیں تو میں بابا جان کو بتادوں گی۔" ذوہیب کی باتوں پہ اس کے چہرے کا رنگ ایکدم سرخ پڑا تھا لیکن دوسرے ہی پل خود پہ کنٹرول کرتے ہوئے وہ چلائی تھی تو ذوہیب قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔

"قسم سے یار ایسا کردو تو یہ تمہارا مجھ پہ بہت احسان ہوگا کیونکہ بابا جان یہ لاکٹ تمہیں اپنے ہاتھوں سے پہنانے کا اہتمام کردیں گے ویسے کتنا اچھا سین ہوگا وہ جب میں تمہیں اپنے ہاتھوں سے لاکٹ پہناؤں گا اور وہ لمحہ ذوہیب عمر خان کی زندگی کا سب سے خوبصورت لمحہ ہوگا۔"

ذوہیب کی بات پہ اس کے چہرے پہ کئی رنگ بکھرے تھے وہ نگاہیں جھکائے وہاں سے نکلنے لگی تو ذوہیب نے ایک بار پھر اس کی کلائی تھام کر روکا تھا۔

"ایک منٹ پلیز۔" پھر اس کا ہاتھ تھامے ہوئے سائیڈ ٹیبل تک آیا اور جھک کر لاکٹ کیس اٹھالیا۔

"اگر تم نے یہ لاکٹ نہ پہنا تو پھر واقعی مجھے بابا جان سے بات کرنا پڑے گی اور تم اچھی طرح جانتی ہو کہ بابا میری کوئی بات نہیں ٹالتے ہیں۔" لاکٹ کیس اس کے سامنے کرتے ہوئے وہ دھمکی آمیز لہجے میں بولا تو وہ اس کی دھمکی سے ڈر گئی تھی کہ کہیں وہ سچ میں بابا جان سے بات نہ کرلے اس لئے تیزی سے جھپٹنے والے انداز میں لاکٹ کیس لیا اور یہ کہتے ہوئے باہر نکل گئی۔

"دماغ خراب ہوگیا ہے آپ کا۔"

"دماغ نہیں دل۔" ذوہیب نے پیچھے سے ٹکڑا لگایا اور قہقہہ لگا کر ہنس دیا، کمرے میں آنے کے بعد بھی کتنی دیر تک ذوہیب کی باتیں اس کے دماغ میں گھومتی رہی تھیں آج نیند جیسے آنکھوں سے روٹھ گئی تھی وہ سر جھٹک کر آنکھیں بند کرتی تو دو شرارتی آنکھیں چھن سے دھیان کے پردے پہ آٹھہرتی تھیں، پھر اس کے تمام تر احتجاج کے باوجود اس کے دل نے ذوہیب عمر خان کی محبت کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے تھے۔

☆☆☆

اگلے دن ناشتے کی ٹیبل پہ ذوہیب سب سے لیٹ پہنچا تھا، ٹیبل پہ صرف اسمارہ بھابھی اور زونیہ ہی تھیں، باقی لوگ ناشتہ کرکے جاچکے تھے۔

"گڈ مارننگ لیڈیز۔" اس نے زونیہ کے بالکل سامنے والی چیئر پہ بیٹھتے ہوئے کہا تو زونیہ نے ایک نظر اسے دیکھنے کے بعد نظروں کا زاویہ بدل لیا۔

"کیا بات ہے دیور جی آج آپ لیٹ کیوں ہوگئے؟" اسمارہ بھابھی نے چائے کا تھرماس اس کے سامنے رکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

"ہاں رات کو نیند نہیں آرہی تھی لیٹ سویا تھا اس لئے صبح جلد آنکھ نہیں کھل سکی۔" اس نے چائے کپ میں ڈالتے ہوئے جواب دیا۔

"خیریت تو ہے نا دیور جی یہ آپ کی

نیندوں کو کیا ہو گیا، کہیں کسی نے چرا تو نہیں لیں۔'' بھابھی نے شرارت سے دریافت کیا تو ذوہیب نے بے ساختہ قہقہہ لگایا تھا۔

''قسم سے بھابھی کتنی سمجھدار ہیں نا آپ، کتنا ٹھیک سمجھی ہیں اور ایک لوگ ہیں راتوں کی نیندیں اڑا کر بھی انہیں کوئی پرواہ ہی نہیں ہماری۔'' بھابھی سے کہتے کہتے اس نے نظریں زونیہ پہ ٹکا دیں لیکن اگلے ہی لمحے دل خوشی سے جھوم اٹھا تھا جب نظر اس کے چہرے سے ہوتی ہوئی اس لاکٹ پہ جا ٹھہری تھی جو اس نے اسے رات دیا تھا۔

''تھینکس۔'' اس کی طرف دیکھتے ہوئے وہ خوشی سے بھرپور لہجے میں بولا تھا۔

''تھینکس فار واٹ۔'' اسمارہ بھابھی نے حیران ہو کر پہلے ذوہیب اور پھر زونیہ کو دیکھا تھا تو وہ مسکرا دیا۔

''آپ نہیں سمجھیں گی جن سے بولا وہ جانتے ہیں کہ کس لئے۔'' اس کی نظریں مسلسل زونیہ کے چہرے پہ ٹکی تھیں، زونیہ اسمارہ بھابھی کی موجودگی میں اس کی باتوں سے اس قدر کنفیوژ ہوتی تھی کہ کرسی پیچھے دھکیلتے ہوئے باہر نکل گئی۔

''ارے اسے کیا ہوا ہے؟'' بھابھی نے مسکرا کر ذوہیب کی طرف دیکھا تھا تو اس نے ہنستے ہوئے انہیں رات لاکٹ والا سارا واقعہ سنا دیا ذوہیب کی بات سن کر بھابھی نے مسکراتے لبوں کی مسکراہٹ کچھ اور بڑھ گئی تھی لیکن دوسرے ہی پل کچھ یاد آنے پہ انہوں نے سنجیدہ نظروں سے ذوہیب کی طرف دیکھا تھا۔

''لیکن ذوہیب تمہارا کیا خیال ہے ماما وہ سب ہونے دیں گی جو تم چاہ رہے ہو، آئی مین زونی سے تمہاری شادی ان کی زونیہ کے لئے ناپسندیدگی تم سے پوشیدہ تو نہیں ہے۔'' بھابھی کی بات وہ ایک ثانیے کو پریشان ہوا تھا کیونکہ زونیہ کے ساتھ ماما جان کے سرد تلخ رویے سے وہ اچھی طرح واقف تھا، لیکن کچھ پل میں اس نے سر جھٹک کر اس سوچ سے پیچھا چھڑایا تھا۔

''تو ابھی شادی کون کر رہا ہے بھابھی، ابھی تو اس کی تعلیم مکمل ہونے میں کافی ٹائم ہے جب وقت آئے گا تو دیکھی جائے گی اور جہاں تک ماما کے نہ ماننے کا تعلق ہے تو آپ جانتی ہیں کہ وہ اپنے لاڈلے بیٹے کی کوئی بات نہیں ٹالتی ہیں۔'' اس نے کالر جھاڑتے ہوئے انتہائی فخر سے کہا تھا اس بات سے بے خبر کہ آنے والے وقتوں میں اس کا یہ فخر بہت بری طرح ٹوٹنے والا ہے، وقت پر لگا کر اڑا اور تین سال مزید بیت گئے شاید وقت کو بھی یہ دیکھنے کی بہت جلدی تھی کہ ذوہیب عمر خان کی ماں کی عدالت میں جیت اس محبت کی ہوتی ہے جو انہیں اپنے لاڈلے بیٹے سے تھی یا اس نفرت کی جو وہ عرصہ سے زونیہ علی خان سے کرتی چلی آ رہی تھیں اور پھر وہ وقت بھی آ گیا۔

☆☆☆

وہ آفس میں بہت اہم فائل کھولے بیٹھا تھا جب ماما کی کال آئی تھی کہ وہ رومیلہ کو لینے ائرپورٹ چلا جائے، رومیلہ (ماما جن کی اکلوتی بھانجی) ان لوگوں کو سرپرائز دینے کے چکر میں انفارم کیے بغیر لندن سے آئی تھی اور ائیرپورٹ پہ آ کے فون کیا تھا کہ آ کر اسے لے جائیں، ذوہیب چونکہ بہت بزی تھا اس لئے فوراً انکار کر دیا۔

''ماما جان میری آج بہت اہم میٹنگ ہے اس لئے پلیز آپ جاذل سے کہہ دیں کہ وہ رومیلہ کو لے آئے۔''

''ہاں جاذل تو جیسے میرے گھٹنے سے لگ کر بیٹھا رہتا ہے نا ہر وقت، وہ رات کو نہیں ملتا گھر میں تم دن کی بات کرتے ہو۔'' ذوہیب کہ صاف انکار پہ ماما کا موڈ برہم ہوا تھا۔

''اوہو ماما گاڑی ہے نا گھر میں ڈرائیور کو بھیج دیں اس میں غصہ ہونے والی کون سی بات ہے۔'' اس نے ماما کا موڈ بگڑتے دیکھ کر نئی تجویز پیش کی تو وہ ماما جان تو گویا غصے سے پھٹ پڑی تھیں۔

''غضب خدا کا بچی اتنی دیر سے ائیرپورٹ پہ بیٹھی فون پہ فون کر رہی ہے اور تم ہو کہ...... بس مجھے نہیں پتا میٹنگ کا جلدی جاؤ اور لے آؤ اسے۔'' ماما جان نے حکم صادر کرتے ساتھ ہی فون کاٹ دیا تو وہ غصے سے پیچ و تاب کھا کر رہ گیا، میٹنگ شروع ہونے میں صرف پندرہ منٹ باقی تھے اور اتنے کم وقت میں وہ آفس سے ائیرپورٹ، ائیرپورٹ سے گھر اور گھر سے دوبارہ آفس نہیں آ سکتا تھا اور ماما جان کا حکم نہ ماننے کا مطلب بھی اچھی طرح جانتا تھا اس لئے اس کا غصہ دیکھنے لائق تھا، وہ انتہائی خراب موڈ میں ائیرپورٹ پہنچا تو وہاں رومیلہ احسان نامی مخلوق کو دیکھ کر اس کا خراب موڈ مزید بگڑ گیا، سلیولیس انتہائی شارٹ شرٹ، ٹائٹ سی جینز دوپٹہ یا اسکارف نامی کسی بھی چیز کے بنا وہ واقعی لندن کی پیداوار لگ رہی تھی ذوہیب نے کینہ توز نظروں سے انتہائی واہیات حلیے میں کھڑی اپنی اس کزن کو دیکھا تھا جس سے وہ زندگی میں پہلی بار مل رہا تھا، پھر گھر تک اس نے دوبارہ اس پہ نظر ڈالنا گوارا نہ کیا تھا اگرچہ رومیلہ سارا راستہ اس کے کان کھاتی رہی لیکن ذوہیب نے جواب میں ہوں ہاں کے علاوہ کوئی بات نہ کی تھی، اس کا مزاج اس قدر برہم تھا کہ اس نے انکل، آنٹی کا بھی نہ پوچھا تھا۔

''یو آر ویری سٹریل۔'' رومیلہ نے اپنے اس اکھڑ مزاج کزن کو دیکھتے ہوئے کمنٹس پاس کیا جس پہ پہلی نظر ڈالتے پہ ہی اس نے اپنی ہارٹ بیٹ مس کی تھی ذوہیب اس کی بار بھی کچھ نہ بولا تھا، چوکیدار نے گیٹ وا کیا تو وہ گاڑی اندر لے آیا۔

''زرگل گیٹ بند نہیں کرنا، بی بی کا سامان گاڑی سے نکالو اور انہیں اندر لے جاؤ۔'' رومیلہ جو گاڑی سے اترنے کے بعد ستائشی نظروں سے جدید انداز میں بنے بڑے سے گھر اور سرسبز پودوں سے سجے وسیع لان کو دیکھ رہی تھی اس کی بات پہ مڑ کر اس کی جانب دیکھا تھا جو ہنوز ڈرائیونگ سیٹ پہ براجمان تھا۔

''آپ اندر نہیں آئیں گے۔''

''نہیں میری میٹنگ ہے میں آل ریڈی کافی لیٹ ہو چکا ہوں۔'' اس نے اس کی طرف دیکھے بغیر جواب دیا اور زرگل کے سامان نکالتے ہی گاڑی ریورس کر کے کھلے گیٹ سے نکال لے گیا تو رومیلہ چند ثانیے اس کے اس قدر خشک رویے پہ غور کرنے کے بعد کندھے اچکا کر اندر کی طرف بڑھ گئی، ماما جان رومیلہ کو ساتھ لپٹائے کتنی دیر تک پیار کرتی رہیں پھر رومیلہ سے یہ سن کر وہ اور بھی خوش ہوئیں تھیں کہ رومیلہ کے پیرنٹس نے مستقل پاکستان شفٹ ہونے کا فیصلہ کر لیا ہے اور وہ لوگ بھی ایک مہینے تک آنے والے ہیں تب تک رومیلہ ان کے ہاں رہے گی، اسمارہ بھابھی اور زونیہ نے اسے دیکھنے کے بعد ایک دوسرے کو دیکھا تھا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کو اشارے بھی کیے تھے۔

''اچھا بیٹا! آپ فریش ہو لو باقی باتیں کھانے پہ ہوں گی، اسمارہ رومیلہ کو کمرے میں لے جاؤ۔'' رومیلہ سے کہتے ہوئے ماما جان نے ساتھ ہی اسمارہ بھابھی کو آواز دی تھی۔

"بھابھی یہ عجوبہ ہمارے گھر میں رہے گا۔" جس وقت اسمارہ بھابھی رومیلہ کو کمرے میں چھوڑ کر کچن میں آئیں تو سلاد بناتی زونیہ نے مسکرا کر دریافت کیا تھا۔

"ظاہر ہے جب تک اس کے والدین نہیں آ جاتے تب تک۔" بھابھی بھی ہنس دی تھیں۔

پھر رومیلہ احسان تقریباً ڈیڑھ ماہ وہاں رہی تھی اور اس ڈیڑھ ماہ میں اس نے ذوہیب عمر خان کو اپنی زلفوں کا اسیر بنانے کے لئے ہر حربہ آزمایا تھا لیکن ہر بار اسے مایوسی کا سامنا کرنا پڑتا تو وہ چڑ جاتی۔

"سمجھتا کیا ہے یہ خود کو۔" اور جب وہ اسے زونیہ کے ساتھ بڑے فریش موڈ میں بات کرتے دیکھتی تو اس کے اندر آگ سی لگ جاتی تھی وہ زونیہ کے لئے ذوہیب کی پسندیدگی سے آگاہ ہو چکی تھی، اپنے پیرنٹس کے پاکستان آنے پہ وہ اپنے گھر چلی گئی۔

"رومیلہ چندا کچھ دن اور رک جاؤ نا ادھر۔" جب وہ جانے لگی تو ماما جان نے اسے ساتھ لگاتے ہوئے کہا تھا۔

"ارے مائی سویٹ خالہ، اگر میرا بس چلے نا تو ہمیشہ کے لئے رہ جاؤں آپ کے پاس لیکن کیا کروں مجبوری ہے کیونکہ آپ کا وہ سڑیل بیٹا تو گھاس بھی نہیں ڈالتا مجھے۔" اس نے ان کے کان کے قریب سرگوشیانہ لہجے میں کہا تو ماما جان نے اسے خود سے الگ کرتے ہوئے بہت دھیان سے دیکھا تھا ایک اداسی سی چھائی تھی اس کے چہرے پہ۔

"کون ذوہیب!" ماما جان کے پوچھنے پہ رومیلہ نے اثبات میں سر ہلا دیا تو ماما جان ایک پل کو چپ سی ہو گئیں تھیں وہ ذوہیب کا راز کچھ کچھ جانتی تھیں ان کی نگاہ اسمارہ بھابھی کے ساتھ کھڑی زونیہ پہ جا ٹھہری تھی۔

"جو یہ لڑکی چاہتی ہے وہ تو میں کبھی نہیں ہونے دوں گی۔" انہوں نے انتہائی نفرت سے دل میں سوچا تھا پھر رومیلہ کو ساتھ لگائے باہر نکل آئیں۔

"ارے میری جان اداس نہیں ہوتے، بس اب تم بے فکر ہو جاؤ اور جا کہ کہہ دینا اپنی ماما سے کہ تمہیں رخصت کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔" انہوں نے ایک بار پھر اس کا ماتھا چوما تھا تو رومیلہ بے یقین سی انہیں دیکھے گئی۔

"کیا ایسا ممکن ہے؟ آئی مین آپ کا بیٹا تو کبھی نہیں مانے گا کیونکہ وہ تو......"

"ارے بیٹا تو کیا بیٹے کا باپ بھی مانے گا۔" ماما جان نے مسکرا کر اس کی بات کاٹی تھی۔

"خالہ جانی سوچ لیں یہ سب اتنا آسان نہیں ہے۔" رومیلہ نے انہیں دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا تھا تو وہ مسکرا دیں۔

"اتنا مشکل بھی نہیں ہے۔" پھر انہوں نے اپنا کہا سچ کر دکھایا تھا جب انہوں نے رومیلہ کے سلسلے میں اپنے شوہر سے بات کی تو ایک لمحے کو عمر احمد خان چپ سے ہو گئے تھے وہ اپنے بیٹے کے دل کے حال سے واقف تھے۔

"بٹ بیگم ذوہیب نہیں مانے گا آئی تھنک وہ زونی میں انٹرسٹڈ ہے۔"

"جانتی ہوں میں۔" زونیہ کے ذکر پہ ماما جان کا حلق تک کڑوا ہو گیا تھا۔

"جانتی ہیں اس کے باوجود یہ سب کہہ رہی ہیں۔" عمر احمد خان نے قدرے غصے سے اپنی شریک حیات کو دیکھا تھا کیونکہ ان کی اپنی خواہش تھی کہ زونی کی شادی ذوہیب سے ہو، اس لئے اب اپنی بیگم کی بات ان کو بالکل اچھی نہ لگی تھی۔

"عمر پلیز اگر آپ یہ سوچ رہے ہیں کہ مجھے ذوہیب کے جذبات کا احساس نہیں تو ایسا ہرگز نہیں ہے اور پھر آپ یہ مت بھولیں کہ ذوہیب کے علاوہ ہمارا ایک اور بیٹا بھی ابھی کنوارا ہے جسے باہر سے تو کیا خاندان کا کوئی بندہ بھی اپنی بیٹی نہیں دے گا اور اگر کسی نے انجانے میں دے بھی دی تو وہ اس کے ساتھ چار دن نہیں ٹکے گی، اس لئے میں سوچ رہی تھی کہ اگر زونیہ کی شادی جاذل سے ہو جائے تو......" ماما جان کی بات پہ عمر احمد خان کی پیشانی سلوٹوں سے بھر گئی تھی، انہوں نے بہت تاسف سے اپنی بیگم کی طرف دیکھا تھا۔

"خدا کا خوف کریں بیگم، کچھ اندازہ ہے آپ کو کہ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔"

"بہت اچھی طرح اندازہ ہے مجھے کہ میں کیا کہہ رہی ہوں اور آپ بھی یہ ذہن میں رکھیے گا کہ جاذل کو کوئی بھی اپنی بیٹی دینے والا نہیں تو کیا ہم اس کی شادی ہی نہیں کریں گے لیکن عمر اس طرح تو وہ اور بگڑ جائے گا اور اگر خدانخواستہ خود ہی اٹھا لایا کوئی ایسی ویسی تو...... آپ جانتے بھی ہیں کہ اس کی دوستیاں کس قسم کی لڑکیوں سے ہیں۔" ان کی بات پہ عمر احمد خان کچھ پل سوچنے پہ مجبور ہو گئے تھے، انہیں اپنی بیگم کی بات کچھ حد تک درست لگی تھی کیونکہ جس قسم کی سرگرمیاں جاذل کی تھیں انہیں دیکھتے ہوئے کوئی بھی خاندانی آدمی تو اسے بیٹی دینے سے رہا، اس لئے وہ سوچنے پہ مجبور ہو گئے تھے۔

"میرا نہیں خیال کہ اشہب مانے گا۔" کافی دیر بعد وہ پرسوچ انداز میں بولے تھے۔

"لیکن میرے خیال میں وہ اتنا بے وقوف بھی نہیں ہے، اس کی بہن کا اس گھر میں اس کے پاس رہنا کتنا ضروری ہے یہ بات وہ اچھی طرح جانتا ہے۔" پھر ہمیشہ کی طرح انہوں نے نہ صرف عمر احمد خان کو قائل کر لیا تھا بلکہ اپنی بہن کے ہاں جا کر رومیلہ کا رشتہ بھی مانگ لیا تھا، زارا جہانگیر بیٹی کی پسند سے واقف تھیں سو فوراً ہاں کر دی ذوہیب کو جب اس بات کی خبر ہوئی تو اس نے ایک طوفان کھڑا کر دیا تھا۔

"نہیں ہرگز نہیں ماما، میں رومیلہ سے شادی نہیں کروں گا آپ اتنا بڑا فیصلہ مجھ سے پوچھے بغیر کیسے کر سکتیں ہیں۔" اسے تو یقین ہی نہ آ رہا تھا کہ کھانے پینے سے لے کر چھوٹی سے چھوٹی بات کے لئے اس کی پسند اور نہ پسند کا دھیان رکھنے والی اس کی ماں نے اتنا بڑا فیصلہ اس کی مرضی جانے بغیر کیسے کر لیا۔

"کیوں، کیوں نہیں کر سکتی میں یہ فیصلہ، ماں ہوں میں تمہاری حق ہے مجھے تمہیں جنم دیا ہے، پالا پوسا پڑھایا کیا اس دن کے لئے کیا تھا یہ سب میں نے کہ تم اس طرح بدتمیزی سے بات کرو مجھ سے۔" انہوں نے اسے ایموشنل بلیک میل کرنے کے لئے بھیگے لہجے میں کہا تو ذوہیب نے بہت بے بسی سے انہیں دیکھا تھا۔

"میں یہ کب کہہ رہا ہوں آپ مجھ پہ حق نہیں رکھتیں لیکن ماما......"

"بس مجھے تمہاری کوئی بات نہیں سننا ہے تم کان کھول کے سن لو کہ تمہاری شادی رومیلہ سے ہی ہو گی، زبان دے چکی ہوں میں اپنی بہن کو، رشتہ طے ہو چکا ہے اور اب یہ رشتہ ختم کرنے کا مطلب میرا اپنی بہن سے ہر تعلق ہر رشتہ ختم اور اگر ایسا ہوا تو میں تمہیں اپنا دودھ بھی معاف نہیں کروں گی۔" انہوں نے ہاتھ اٹھا کر قطعی انداز میں کہا اور کمرے میں چلی گئیں، تو ذوہیب نے بے بسی سے بابا جان کی طرف دیکھا تھا جو صوفے پہ بیٹھے ساری کاروائی بہت خاموشی سے دیکھ رہے تھے۔

"بابا جان پلیز! آپ ماما کو سمجھائیں کہ ایسا نہیں کریں وہ میرے ساتھ، بابا جان بولیں پلیز آپ بات کریں گے نا ان سے۔" اس نے بہت آس سے بابا جان کو دیکھا تھا۔

"سوری بیٹا اب کچھ نہیں ہو سکتا بات طے ہو چکی ہے، خاندان کا معاملہ ہے انکار کرنا اب اتنا آسان نہیں ہے۔" بابا جان نے اس کے پھیکے پڑتے چہرے کو صرف ایک نظر دیکھا تھا اور پھر اٹھ کر چلے گئے تو حیران سا انہیں جاتا دیکھتا رہ گیا، ماما جان اگر کبھی اس کی کوئی بات رد کر بھی دیتیں تھیں تو بابا نے ہمیشہ اس کی ہر خواہش کو پورا کیا تھا اور اب وہ گنگ بیٹھا تھا کہ بابا جنہوں نے ہمیشہ ہر معاملے میں اس کا ساتھ دیا تھا اب جب اس کو اپنی زندگی کے سب سے اہم معاملے میں ان کی ضرورت تھی تو انہوں نے کیسے نگاہیں چرالی تھیں، اس نے سر کو دونوں ہاتھوں سے تھام کر صوفے سے ٹیک لگالی، ماں باپ کا یہ روپ اس نے زندگی میں پہلی بار دیکھا تھا، وہ ان کے اس رویے کا کہاں عادی تھا تبھی تو اب اس کی آنکھیں گرم پانیوں سے بھرنے لگی تھیں، دونوں ہاتھوں کی پوروں سے آنکھوں کو بے دردی سے رگڑتے ہوئے وہ سیدھا ہوا تو نگاہ سامنے سیڑھیوں کے سب سے نچلے زینے پہ کھڑی زونیہ پر پڑی جس کے آنسو اس کے چہرے کو بھگو رہے تھے، اسے اس طرح آنسو بہاتے دیکھ کر اس کے بے جان وجود میں ایکدم حرکت ہوئی تھی۔

"زونی!" وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھا تھا لیکن اس سے پہلے کہ وہ اس تک پہنچتا وہ روتے ہوئے سیڑھیاں چڑھ کر کمرے میں بند ہو گئی، ذوہیب کے بار بار ناک کرنے پہ بھی اس نے دروازہ نہیں کھولا تھا، تو وہ پریشان سا اسمارہ بھابھی کے کمرے میں چلا آیا۔

"بھابھی پلیز آپ جا کے سمجھائیں اسے، وہ بہت جذباتی ہے مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ اپنے ساتھ کچھ کر نہ لے۔" اس کی بات پہ بھابھی فوراً باہر کو لپکی تو اس نے پیچھے سے آواز دی تھی۔

"بھابھی اسے کہیے گا کہ وہ پریشان نہ ہو کیونکہ جو ماما جان چاہتی ہیں ویسا کچھ بھی نہیں ہونے والا۔" اس نے مضبوط لہجے میں کہا تو بھابھی اثبات میں سر ہلاتے ہوئے باہر نکل گئیں، مگر اس کا کہا غلط ثابت ہوا تھا کیونکہ دو دن بعد اس نے خود اپنے ہاتھوں سے رومیلہ احسان کو منگنی کی انگوٹھی پہنائی تھی وہ آفس میں تھا جب اس کے موبائل پہ ماما جان کی کال آئی تھی، انہوں نے جو کچھ اس سے کہا تھا اسے سننے کے بعد وہ کتنی دیر تک ساکت کھڑا رہا تھا زارا خالہ کے گھر پہ اس کی اور رومیلہ کی منگنی کا فنکشن تھا تمام مہمان آ چکے تھے اب صرف اس کا انتظار ہو رہا تھا ماما جان نے کہا تھا کہ اگر وہ نہ آیا تو ان کا مرا ہوا منہ دیکھے گا، پھر وہ ہار گیا، ذوہیب عمر خان نے اپنی ماں کی ضد کے آگے اپنی محبت ہار دی اس نے وہ سب کر دیا جو اس کی ماں چاہتی تھی لیکن ایسا کرتے ہوئے اس کا دل لہولہو ہوا تھا وہ اس کے بعد جیسے ہنسنا بھول گیا تھا، وہ زونیہ کا سامنا کرنے کے خوف سے گھر ہی نہ آتا تھا یوں ہی آدھی آدھی رات تک سڑکوں پہ گاڑی دوڑائے جاتا، اسمارہ بھابھی اسے دیکھتی تو ان کا دل کڑھ کر رہ جاتا، زونیہ کو بھی اس کے بعد ایک چپ سی لگ گئی تھی، وہ یونیورسٹی سے آنے کے بعد سارا وقت اپنے کمرے میں بند رہتی تھی، وہ جانتی تو تھی کہ ماما جان اس کو پسند نہیں کرتیں مگر ذوہیب عمر خان کی محبت پہ اس نے آنکھیں بند کر کے یقین کر لیا تھا اور اب جب آنکھیں کھلیں تھیں تو کچھ بھی نہ بچا تھا، ان دونوں کی حالت کو دیکھتے ہوئے خاص کر ذوہیب کو دیکھ کر بابا جان کا بھی دل تڑپ اٹھتا تھا انہیں لگتا کہ انہوں نے اس کے ساتھ بہت غلط کر دیا ہے لیکن اب وہ کچھ بھی تو نہیں کر سکتے کیونکہ اب بات بہت آگے بڑھ چکی تھی، پھر ماما جان نے شادی کی بات کی تو وہ بھڑک اٹھا تھا۔

"اب کس چیز کا خوف ہے آپ کو جو آپ چاہتی تھیں وہ ہو گیا، خدا کے لئے مجھ پر رحم کھائیں تھوڑا ٹائم دیں مجھے اور بے فکر رہیں وہی کروں گا جو آپ چاہتی ہیں۔" ان کے سامنے رک کر اس نے باقاعدہ ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا تھا اور باہر نکل گیا تو بابا جان کو شاید اس پہ رحم آ گیا تھا تبھی انہوں نے ماما جانے سے کہا تھا۔

"بیگم اب اسے مزید تنگ نہ کریں صحیح کہتا ہے وہ اسے تھوڑا ٹائم دیں ویسے بھی اس کی اور جاذل کی شادی ایک ساتھ کریں گے اور اس کے لئے ابھی ہمیں اشہب سے بھی بات کرنا ہے۔" ان کی بات پہ ماما جان نے سر کو اثبات میں ہلا دیا لیکن انہوں نے سوچ لیا تھا کہ اب وہ زیادہ دیر نہیں کریں گی انہیں ہر ٹائم ذوہیب کی طرف سے ایک دھڑکا لگا رہتا تھا، پھر یہ سوچ کر خود کو مطمئن کر لیتی کہ زونیہ کا رشتہ جاذل سے طے ہونے کے بعد وہ رومیلہ سے شادی کے لئے ہاں کر دے گا اس لئے کچھ دن بعد ہی انہوں نے اشہب علی خان سے زونیہ اور جاذل کی شادی کی بات کی تھی لیکن اشہب خان نے ان کی بات سننے کے بعد انتہائی سختی سے انکار کر دیا تھا، لیکن بابا جان نے پھر بھی ان کو سوچنے کا ٹائم دیا تھا۔

"تم اچھی طرح سوچ لو اشہب، کیونکہ ہم یہ تمہاری بھلائی کے لئے ہی کہہ رہے ہیں، ابھی تک تو ٹھیک ہے اسمارہ اچھی عادت کی ہے، تمہارا بالکل ویسے ہی خیال رکھتی ہے جیسے زونیہ رکھتی ہے لیکن اس کے اپنے بچے بھی ہیں پھر وہ میکے بھی چلی جاتی ہے کافی دن کے لئے، کل کو ذوہیب یا جاذل کی وائف شاید تمہارا ایسے خیال نہ کریں ایسی صورت میں زونیہ کا تمہارے پاس ہونا ضروری ہے اگر اسے کہیں اور بیاہ دو گے تو تمہارے اپنے لئے بہت مسئلہ ہو جائے گا، اس لئے ایک بار پھر اچھی طرح سوچ لو۔" بابا جان کی بات پہ اشہب علی خان کی پیشانی سلوٹوں سے بھر گئی تھی۔

ذوہیب کے سلسلے میں جو کچھ ان لوگوں نے کہا تھا اس پہ وہ بابا جان سے بہت متنفر ہو گئے تھے کیونکہ اپنی بہن کے چہرے پہ یہ بکھرتے ان رنگوں کو انہوں نے کئی بار نوٹ کیا تھا جو ذوہیب کو دیکھ کر بکھرتے تھے، ذوہیب بھی زونیہ چاہتا ہے اس چیز سے بھی وہ آگاہ تھے اور اب ذوہیب کا رشتہ کہیں اور طے کر کے وہ لوگ کس منہ سے زوینہ کا رشتہ مانگ رہے تھے اور وہ بھی اپنے آوارہ اور لوفر بیٹے کے لئے اور اب کس طرح طویلیں دے کر انہیں بلیک میل کیا جا رہا تھا، وہ چند ثانیے بغور بابا جان کو دیکھتے رہے جو کچھ ان کے ساتھ ہوا تھا وہ اسے قسمت کا لکھا سمجھ کر قبول کر چکے تھے لیکن اپنی بہن کے ساتھ وہ ویسا ہرگز نہیں ہونے دیں گے جو وہ لوگ چاہ رہے تھے، اس لئے انہوں نے ایک بار پھر سختی سے کہا تھا۔

"میں بہت اچھی طرح سوچ کر ہی انکار کر رہا ہوں۔

بابا جان، لیکن مجھے آپ کا فیصلہ منظور ہے بابا جان۔" اس آواز پہ جہاں اشہب علی خان نے جھٹکے سے سر موڑ کر حیرت و بے یقینی سے دروازے میں ایستادہ اپنی بہن کو دیکھا تھا وہیں بابا جان کے برابر بیٹھی ماما جان کے لب مسکرا اٹھے تھے، انہوں نے جو چاہا تھا سب کچھ ویسے ہی ہو رہا تھا، زونیہ کے اس فیصلے سے اشہب علی خان

بہت ناراض ہوئے تھے انہوں نے اسے بہت سمجھایا تھا یہاں تک کہ اس سے بولنا بند کر دیا تھا لیکن اس نے اپنا فیصلہ نہ بدلا تھا، اسمارہ بھابھی نے بھی بہت سمجھایا تھا لیکن وہ اپنی بات پہ قائم رہی تھی، جاذل کو جب اس بات کی خبر ہوئی کہ اس کا رشتہ زونیہ سے طے کر دیا گیا ہے تو وہ شاکڈ رہ گیا تھا زونیہ سے ذوہیب محبت کرتا ہے اور وہ بھی اسے پسند کرتی ہے یہ بات تو گھر کا ہر فرد جانتا تھا پھر ماما اور بابا نے ایسا فیصلہ کیسے کر لیا، وہ غصے میں بھرا بابا جان کے پاس آ رہا تھا۔

''بابا میں زونیہ سے شادی نہیں کر سکتا۔'' اس نے بابا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا، تو بابا جان نے اسے گھور کر دیکھا تھا۔

''کیا میں اس انکار کی وجہ جان سکتا ہوں۔'' بابا جان نے غصے سے دانت پیستے ہوئے دریافت کیا تھا، وہ جب بھی جاذل کو دیکھتے تھے ان کا خون کھول جاتا تھا اور اب اس کے انکار پہ وہ اور بھی تپ گئے تھے۔

''وجہ آپ بھی جانتے ہیں بابا کہ وہ ذوہیب کو پسند......''

''شٹ اپ، جسٹ شٹ اپ۔'' بابا اس کی بات کاٹ کر ایکدم چلائے تھے۔

''آپ چاہیں کتنا بھی چلا لیں مجھ پہ لیکن میں کسی ایسی لڑکی سے شادی نہیں کروں گا جس کے دل میں پہلے ہی کوئی اور رہتا ہو۔'' اس نے بے خوفی سے بابا کی طرف دیکھتے ہوئے دوٹوک الفاظ میں کہا تھا تو بابا جان کا پارہ مزید ہائی ہو گیا۔

''اب اگر تم نے اس شادی سے انکار کیا تو میں تمہیں عاق کر کے گھر سے نکال دوں گا پھر کھاتے رہنا دھکے سڑکوں پہ سمجھے تم۔'' بابا جان کی بات پہ اس نے ہتھیار ڈال دیئے تھے لیکن اندر ہی اندر وہ کئی دن تک جلتا کڑھتا رہا تھا کہ جو لڑکی اس کے والدین کو ذوہیب کے لئے پسند نہ تھی وہ اس کے لئے انہیں قابل قبول کیسے ہو گئی، کتنی بار اس کا دل کہا کہ انکار کر دے، لیکن بابا جان کی بات کا سوچ کر چپ کر گیا کیونکہ اپنی عیاشیوں کو پورا کرنے کے لئے پیسہ اس کی سب بے اہم ضرورت تھا اور اپنے حصے کی جائیداد سے ہاتھ دھونا وہ افورڈ نہیں کر سکتا تھا، ورنہ زونیہ علی خان سے اسے کوئی دلچسپی نہ تھی، اس کی خاموشی کو رضا مندی گردانتے ہوئے ماما جان اور بابا نے ذوہیب کے ساتھ اس کی شادی کی بھی ڈیٹ فکس کر دی۔

☆☆☆

اسمارہ بھابھی نے زونیہ کے کمرے میں جھانکا تو وہ آئینے کے سامنے کھڑی لپ اسٹک لگا رہی تھی۔

''تم بارات کے ساتھ جاؤ گی؟'' اس کو تیار ہوتے دیکھ کر انہوں نے سوالیہ لہجے میں پوچھا تھا تو اس نے ان کی طرف دیکھے بغیر سر اثبات میں ہلا دیا، اسمارہ بھابھی کو اس نازک سی لڑکی کے حوصلے پہ حیرت ہوئی تھی، وہ کتنی ہی دیر یک ٹک اسے دیکھے گئیں، زونیہ لپ اسٹک رکھنے کے بعد مڑی تو انہیں اس طرح اپنی طرف دیکھتے پا کر اس کے لبوں پر طنزیہ مسکراہٹ بکھر گئی۔

''ایسے کیا دیکھ رہی ہیں، بھئی میرے ڈیئر کزن کی شادی ہے بارات کے ساتھ جانے کا تو حق بنتا ہے نا میرا۔'' اس نے عجیب سے لہجے میں کہا اور کمرے سے نکل گئی تو بھابھی کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں، رات تقریباً آٹھ بجے وہ لوگ رومیلہ کو رخصت کروا کر حسن ولا لے آئے تھے اور اس کے ایک گھنٹے بعد اشہب لالہ کے کمرے میں زونیہ کا نکاح جاذل سے کر دیا گیا، اشہب لالہ اس کو ساتھ لگا کر بہت روئے تھے لالہ کے کندھے سے لگتے ہی زونیہ کا ضبط بھی جواب دے گیا تھا وہ بھی پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی، اسمارہ بھابھی بھی انہیں روتا دیکھ کر رو دی تھیں، پھر انہوں نے ہی ان دونوں کو بڑی مشکلوں سے چپ کروا رہا تھا، اشہب لالہ تو چپ ہی نہ کر رہے تھے اس لئے بھابھی زونیہ کو اس کے کمرے میں لے آئیں کہ جب تک وہ سامنے رہے گی اشہب اس طرح ہی روتے رہیں گے، کمرے میں آ کر زونیہ نے ایک بار پھر رونا شروع کر دیا تھا۔

''زونی فار گاڈ سیک، سنبھالو خود کو اور پھر یہ سب تمہارے فیصلے پہ ہی ہوا ہے تم نے خود ہاں کی تھی ورنہ اشہب تو کبھی نہ مانتا۔'' بھابھی کی بات پہ اس نے جھٹکے سے سر اٹھایا تھا۔

''میرا فیصلہ...... بھابھی آپ کو بھی یہ لگتا ہے کہ یہ میرا فیصلہ ہے، آپ تو سب جانتی ہیں پھر بھی۔'' اس نے بھرائے ہوئے لہجے میں کہا تو بھابھی اس کی بات پہ چپ کر گئیں پھر بھابھی نے ہی اسے تیار کیا تھا اس نے زیادہ میک اپ کروانے سے انکار کر دیا تھا تو بھابھی نے لائٹ سے میک اپ کر دیا، لائٹ سے میک اپ میں بھی اس کا معصوم حسن دو چند ہو گیا تھا جس وقت بھابھی اسے لے کر نیچے آئیں تھیں لاؤنج میں رومیلہ اور ذوہیب کا فوٹو سیشن اور مووی بن رہی تھی، بھابھی نے اسے بھی رومیلہ کے دائیں طرف بٹھا دیا اور جاذل کی تلاش میں اِدھر اُدھر نظر دوڑائی لیکن وہ انہیں نظر نہ آیا تھا۔

''لو بھئی بڑی دلہن تو آ گئی اب بڑے والے دولہا کو بھی بلاؤ۔'' صارم حسن (عائشہ آپی کے شوہر جو آپی کے ساتھ شادی میں شرکت کے لئے کیپ ٹاؤن (ساؤتھ افریقہ) سے آئے تھے) نے ہانک لگائی لیکن دولہا صاحب وہاں ہوتے تو ملتے مووی اور تصویروں کا سلسلہ کافی دیر تک چلتا رہا۔

''بچوں رات بہت ہو گئی ہے اب باقی کسر کل پوری کر لیں گے اب سونا چاہیے۔'' بابا جان نے کہا تو سب اٹھنے لگے، عائشہ آپی زونیہ کو جاذل کے کمرے میں لے آئیں تھیں اسے بیڈ پہ بٹھا کر اس کا لہنگا درست کرتے ہوئے انہوں نے اس کا چہرہ بغور دیکھا تھا جو میک اپ کے باوجود پیلا دکھائی دے رہا تھا۔

''زونی آر یو او کے؟'' انہوں نے اس کے چہرے پہ نظریں ٹکاتے ہوئے فکر مندی سے پوچھا تھا اپنی یہ پیاری سی کزن انہیں بہت عزیز تھی اور جو کچھ اب اس کے ساتھ ہوا تھا اس لئے انہیں اس پہ ترس آنے لگا تھا، انہیں اپنے والدین کے خود غرضانہ فیصلے پہ بہت دکھ تھا لیکن وہ کچھ بھی نہ کر سکتی تھیں، وہ تو اپنی دفعہ بھی کچھ نہ کر سکیں تھیں جب ان کے اپنے والدین نے ان کے دل کی پرواہ کیے بغیر انہیں صارم کے ساتھ بیاہ دیا تھا، لیکن اب زونیہ کے دکھ پہ ان کا دل ہی نہیں آنکھیں بھی بھر گئیں تھیں تبھی بہت فکر مندی سے اس کے سرسوں کی مانند پیلے چہرے کو دیکھ کر پوچھ لیا۔

''جی آپی! بس وہ سر میں درد ہو رہا ہے۔'' زونیہ نے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں سے سر کو دباتے ہوئے کہا تو آپی کچھ دیر اس کی جانب دیکھتی رہیں پھر باہر نکل گئیں تھوڑی دیر بعد وہ واپس آئیں تو ان کے ہاتھ میں چائے کا کپ اور ٹیبلٹس تھیں۔

''چائے کے ساتھ ٹیبلٹ لے لو آرام آ جائے گا۔'' جب تک وہ چائے پیتی رہی آپی اس کے پاس ہی بیٹھی رہیں، اس نے چائے ختم کر کے کپ سائیڈ ٹیبل پہ رکھ دیا تو آپی اٹھتے

ہوئے بولی تھیں۔

”تم ایسا کرو چینج کر کے سو جاؤ، جاذل کا کوئی پتہ نہیں ہے کہ کب آئے اور آئے بھی یا نہیں۔“ آخر میں انہوں نے زخمی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا تھا اور اس کی طرف دیکھے بغیر کپ اٹھا کر باہر نکل گئیں تو وہ کتنی دیر چپ سی اسی پوزیشن میں بیٹھی رہی، پھر چینج کرنے اٹھ گئی کہ جاذل عمر خان کا انتظار کرنے کا قطعی کوئی ارمان نہ تھا اس کے دل میں بھی، چینج کرنے کے بعد وہ سونے کو لیٹی تو نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی کبھی اس کے ساتھ اس طرح ہو جائے گا اس نے کبھی خواب میں بھی نہ سوچا تھا، آنسو ڈھیرے ڈھیرے اس کے تکیے کو بھگونے لگے تھے، روتے روتے کب نیند کی دیوی اس پہ مہربان ہوئی اسے پتہ ہی نہ چلا تھا۔

☆☆☆

جاذل نکاح کے فوراً بعد اپنے دوست ارباز ملک کی طرف چلا آیا تھا اور اب کتنی دیر سے ارباز کے بیڈ روم میں اس کے بیڈ پہ لیٹا یک ٹک چھت کو گھورتے ہوئے نجانے کس سوچ میں گم تھا، شام سے اس نے پتہ نہیں کتنے ہی سگریٹ ختم کیے تھے، دھواں چھوڑنے والی مشین بنا ہوا تھا۔

”ہیلو سرکار کیا میں آپ کے اس قدر خراب موڈ کی وجہ دریافت کر سکتا ہوں؟“ ارباز جو کافی دیر سے اس کے بگڑے تیوروں اور چہرے پہ حد سے زیادہ چھائی سنجیدگی کو دیکھتے ہوئے بالآخر پوچھ بیٹھا تھا لیکن جاذل نے اس کی بات پہ کوئی رسپانس نہ دیا تھا، اسی طرح چھت پہ نگاہیں ٹکاتے سگریٹ پیتا رہا تو ارباز مسکراتے ہوئے مزید گویا ہوا تھا۔

”یار خان آج تو تیری شادی خانہ آبادی ہوئی ہے آج تو تجھے بہت فریش موڈ میں ہونا چاہیے تھا لیکن تو ہے کہ منہ لٹکائے بیٹھا ہے۔“ ارباز کی بات پہ اس نے گھور کر اسے دیکھا تھا۔

”تو چپ نہیں رہ سکتا ہے میں پہلے ہی بہت پریشان ہوں مجھے مزید تنگ نہیں کرو۔“

”وہی تو پوچھ رہا ہوں کہ ایسی کون سی پریشانی ہے جناب کو کہ اپنی نئی نویلی دلہن کو چھوڑ کر یہاں تشریف فرما ہیں۔“ ارباز نے ایک بار پھر اسے چھیڑا تھا۔

”ہونہہ دلہن۔“ ارباز کی بات پہ وہ اندر تک جل گیا تھا پھر تکیہ اٹھا کر چہرے پہ رکھ لیا تھا۔

”تم نے بتایا نہیں کہ تمہارا موڈ اتنا آف کیوں ہے؟“ ارباز نے تکیہ ہٹاتے ہوئے ایک بار پھر پوچھا تھا۔

”یار ملک پلیز تنگ نہ کر مجھے، سونے دے۔“ اس نے ارباز سے تکیہ چھین کر پھر چہرے پہ رکھ لیا تو ارباز نے حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

”کیا مطلب سونے دو، تو نے گھر نہیں جانا کیا؟“

”اگر تجھے تکلیف ہو رہی ہے تو چلا جاتا ہوں۔“ اس نے تکیہ دور اچھالا اور غصے سے کہتے ہوئے بیڈ سے اترنے لگا تو ارباز نے فوراً اس کا بازو پکڑتے ہوئے روکا تھا۔

”ارے نہیں یار مجھے کیوں تکلیف ہونے لگی، میں تو بس اس لئے کہہ رہا تھا کہ گھر میں بھابھی تیرا انتظار کر رہی ہو گی۔“ ارباز نے مسکراتے ہوئے شرارت سے ایک بار پھر اسے چھیڑا تھا۔

”وہ میرا انتظار کبھی نہیں کر سکتی، یوں کہو کہ میرے نہ آنے کی دعائیں مانگ رہی ہو گی۔“ اس نے غصے سے ارباز کو گھورتے ہوئے کہا، لیکن ارباز اس کی بات پہ قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔ دوسرے ہی پل سنجیدگی سے پوچھا تھا۔

”یار خان اگر ایسی بات تھی تو تو انکار کر دیتا کہ تجھے یہ شادی نہیں کرنا ہے، اب یہ رونے والی صورت بنانے کا فائدہ اور پھر تیرے لئے لڑکیوں کی کمی تھی ایک سے بڑھ کر ایک پڑی تھی راہوں میں۔“

”کیا تھا انکار، لیکن وہ جو میرے والد محترم ہیں نا ان کا کہنا تھا کہ اگر میں نے یہ شادی نہ کی تو وہ مجھے عاق کر دیں گے۔“ اس نے دانت پیستے ہوئے کہا تو ارباز ایک بار پھر ہنس دیا، اس کے اس طرح دانت پیسنے پہ۔

”تو ہنس رہا ہے شرم تو نہیں آتی ہے تجھے۔“ اس نے ارباز کو گھورتے ہوئے کہا تھا۔

”بھئی میرے یار کے غصے کا گراف تو سچ مچ بہت ہائی لگتا ہے اسے نیچے لانے کے لئے کچھ نہ کچھ کرنا پڑے گا۔“ ارباز نے اس کے پھولے ہوئے خفا خفا سے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے کہا اور نمبر ملا کر موبائل کان سے لگا لیا۔

”ثناء ڈیئر کیا آپ اس وقت میرے گھر پہ آ سکتی ہیں۔“ دوسری طرف کال ریسو ہوتے ہی ارباز نے بہت لگاوٹ سے کہا تھا، دوسری جانب پتہ نہیں کیا کہا گیا تھا کہ وہ قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔

”ارے نہیں جناب ہماری کیا جرأت کہ آپ کو یاد فرمائیں، ایکچوئلی ہمارے خان جی آج کچھ خفا سے ہیں ہم سے تو مان نہیں رہے سوچا آپ کو ہی بلا لیں شاید آپ ہماری کچھ مدد کر سکیں۔“

”ملک جی آپ کا حکم سر آنکھوں پہ ہم کون ہوتے ہیں انکار کرنے والے، لیکن وہ کیا ہے کہ آپا بیگم اس وقت جانے کی اجازت نہیں دیں گی ایکچوئلی ہماری بکنگ ہے آج رات کی۔“ جاذل خان کا نام سن کر ثناء کا اپنا دل بلیوں اچھلنے لگا تھا لیکن ساتھ ہی اس نے تھوڑا نخرہ دکھایا تھا۔

”اوہو آپا بیگم کو چھوڑو، بس تم جلدی سے تیار ہو جاؤ میرا ڈرائیور تمہیں لینے آ رہا ہے اس کے ہاتھ تمہاری آپا بیگم کو خوش کرنے کا سامان بھی بھیج دیں گے۔“ ارباز موبائل پہ بات کرتے کرتے باہر نکل گیا۔

”لے یار خوش ہو جا آ رہی ہے وہ جو بقول تیرے تیرے دل کا سکون آنکھوں کا قرار اور پتہ نہیں کیا کیا ہے، بکنگ تھی اس کی کسی اور کے ساتھ ڈبل ریٹ دیا ہے تب جا کر مانی ہے۔“ ڈرائیور کو ثناء کے گھر بھیج کر ارباز اندر آیا تو جاذل کی سمت دیکھتے ہوئے آنکھ دبا کر بولا تھا پھر الماری سے ڈرنک کی ایک بوتل نکال کر جاذل کی سمت بڑھا دی۔

”یہ کون سا برانڈ ہے؟“ جاذل بوتل کو گھما کر دیکھنے لگا جس کسی برانڈ کا لیبل نظر نہ آیا تو ارباز سے پوچھا۔

”یہ میرے آدمیوں نے خود تیار کی ہے فارم ہاؤس پہ، لیکن تو بے فکر رہ اسے ٹرائی کرنے کے بعد تجھے ان سب برانڈڈ ورانڈڈ کا ذائقہ بھولنے لگے گا۔“ پھر ارباز کے کہنے پہ اس نے وہ پی تو لی تھی لیکن پیتے ساتھ اسے ایسا لگا تھا جیسے اس نے جلتے کوئلے نگل لئے ہوں جنہوں نے اس کے اندر آگ لگا دی تھی اندر کی جلن کو کم کرنے کے لئے اس نے ٹھنڈے پانی کی پوری بوتل خالی کر دی تھی لیکن اندر کی جلن کم ہونے کی بجائے بڑھتی جا رہی تھی اسے بڑے زور کی قے آئی تھی وہ تیزی سے واش روم کی طرف بڑھا تھا قے کرنے کے باوجود اندر جلن کم نہ ہوئی تو اس نے کراہتے ہوئے ارباز سے پوچھا تھا۔

”اوے یار ملک یہ کیا پلا ڈالا ہے مجھے۔“ اس کی سفید پڑتی رنگت اور پسینے پسینے وجود کو دیکھ

کر ارباز خود بہت پریشان ہو گیا تھا۔

''یار خان لگتا ہے یہ تجھے سوٹ نہیں کی چل ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں۔''

''نہیں تو ایسا کر مجھے گھر چھوڑ دے مجھ سے گاڑی ڈرائیو نہیں ہو گی۔'' اس نے اٹھتے ہوئے کہا تھا۔

''خان تیری طبیعت زیادہ خراب ہو رہی ہے پہلے ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں۔'' ارباز کے بار بار کہنے پہ بھی وہ ڈاکٹر کے پاس جانے کی بجائے گھر آ گیا تھا ارباز اسے گیٹ پہ اتار کر چلا گیا تو وہ لڑکھڑاتے قدموں سے کمرے تک آیا تھا سبھی لوگ اپنے اپنے کمروں میں سو رہے تھے سو اس نے شکر کیا کہ اس کو کسی نے اس حالت میں نہیں دیکھا، بیڈروم کی لائٹ آن کرنے کے بعد وہ چکراتے سر کے ساتھ واش روم کی طرف بڑھ گیا مسلسل قے کرنے سے اس کا وجود بے جان سا ہونے لگا تھا، سر الگ درد سے پھٹا جا رہا تھا وہ کچھ دیر واش بیسن پہ جھکا قے کرتا رہا لیکن جب ٹانگوں پہ کھڑا رہنا مشکل لگنے لگا تو دیوار کے سہارے چلتا بیڈ تک آیا تھا اور بیڈ پہ گر کر سر تکیے پہ ڈال لیا اندر کو جیسے کوئی چھری سے کاٹ رہا تھا تکلیف سے بے حال ہوتے ہوتے اس نے کروٹ بدلی تھی تو نظر کچھ فاصلے پہ سوئے وجود پہ جا ٹھہری تھی، پھر دوسرے ہی پل اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کا بازو تھام لیا تھا۔

☆☆☆

''اے سنو۔'' وہ گہری نیند میں تھی جب پہلے اس کا بازو زور سے ہلایا گیا تھا پھر یہ فقرہ اس کے کان میں پڑا تھا جاگ تو وہ بازو ہلانے پہ ہی گئی تھی مگر اس آواز پہ اس کا نیند میں ڈوبا ذہن پوری طرح بیدار ہو گیا تھا، اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو نگاہ جاذل عمر خان کی سرخ انگارے جیسی آنکھوں سے ٹکرائی تھی جاذل پہ نظر پڑتے ہی وہ جھٹکے سے اپنا بازو اس کی گرفت سے چھڑواتے ہوئے اٹھ بیٹھی تھی، تکیے کے پاس پڑا دوپٹہ اٹھا کر فوراً شانوں پہ ڈالا تھا وہ جو دوپٹہ درست کر رہی تھی جب جاذل کی آواز ایک بار پھر اس کے کانوں سے ٹکرائی تھی۔

''اے پانی دو۔'' اس نے گردن موڑ کر اپنے بائیں طرف دیکھا تھا۔

وہ پسینوں میں نہایا اسی کی جانب دیکھ رہا تھا اس کی سفید پڑتی رنگت اور پسینے پسینے ہوتے وجود کو دیکھ کر زونیہ کو کسی گڑبڑ کا احساس ہوا تھا وہ ایک پل میں جان گئی تھی کہ اس نے ڈرنک کی ہے، وہ کتنی دیر تک ساکت سی اس کی جانب دیکھتی رہی، تو یہ تھی اس کی نئی زندگی کی شروعات، زندگی میں آج تک اس کے ساتھ اچھا تو کچھ بھی نہ ہوا تھا پیدا ہوتے ہی اس نے ماں باپ جیسے پیارے رشتوں کی محرومی دیکھی تھی اپنے جان سے پیارے لالہ کا اپاہج ہو کر وہیل چیئر پہ بیٹھنا سہا تھا، اس کے لئے تو لالہ کا دکھ ہی کافی تھا اور اب اس کے اپنے ساتھ یہ سب، وہ بس جاذل کو دیکھے جا رہی تھی، جب اسے بھابھی کی بات یاد آئی تھی۔

''تم نے ذوہیب کو اذیت دینے اس سے بدلہ لینے کے لئے کیا ہے نا یہ سب لیکن تمہیں شاید اندازہ نہیں ہے کہ جاذل خان کا عمر بھر کا ساتھ تمہارے اپنے لئے ایک اذیت بن جائے گا۔'' بھابھی کے الفاظ اس کے کانوں میں گونجے تو آنسوؤں سے اس کی آنکھیں بھر گئیں۔

''اے سنا نہیں تم نے، پانی دو مجھے۔'' اسے ساکت بیٹھے دیکھ کر جاذل نے ایک بار پھر اس کا بازو ہلایا تھا، اس کے ہلانے پہ زونیہ کے ساکت وجود میں حرکت ہوئی تھی وہ اٹھی اور سائیڈ ٹیبل پہ پڑے جگ سے پانی کا گلاس بھر کر اس کی طرف بڑھا دیا، اس کی نظریں مسلسل جاذل کے چہرے پہ تھیں وہ اپنی آنکھوں کو مسلتے ہوئے انہیں زبردستی انہیں کھولنے کی کوشش کر رہا تھا زونیہ یہی سمجھی تھی کہ بہت زیادہ پینے کی وجہ سے اس کی آنکھیں نہیں کھل رہیں وہ بہت مشکل سے اٹھ کر سیدھا بیٹھا اور زونیہ کے ہاتھ سے پانی کا گلاس تھام لیا ابھی اس نے بمشکل دو یا تین گھونٹ ہی بھرے ہوں گے کہ ایک بار پھر بڑے زور کی قے آئی تھی لیکن اب اس کے وجود میں اتنی سکت نہ تھی کہ وہ اٹھ کر واش بیسن تک جا سکتا اس لئے اس نے آگے کو جھک کر فرش پہ قے کر دی تھی، زونیہ جو بیڈ کے پاس ہی کھڑی تھی اسے جھکتا دیکھ کر تیزی سے پیچھے ہٹی تھی، قے کرنے کے بعد جاذل نے ایک بار پھر لیٹ کر سر تکیے پہ رکھ دیا، وہ دونوں ہاتھوں سے اپنے درد سے پھٹتے سر کو دبا رہا تھا۔

''ماما!'' تکلیف سے کراہتے ہوئے اس نے ماما جان کو پکارا تھا، زونیہ خالی خالی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی، اس کے آنسو گالوں کو بھگونے لگے تھے۔

''کیا اب پوری زندگی مجھے یہ سب ہی دیکھنا ہے، اے میرے رب ہمارے لئے تیرے پاس کیا کوئی خوشی نہیں ہے سارے دکھ ساری اذیتیں ہم بہن بھائی کی زندگی میں ہی کیوں۔'' وہ روتے ہوئے اپنے رب سے شکوہ کناں تھی یہ جانتے ہوئے بھی کہ جس اذیت سے وہ اس وقت دوچار تھی وہ اس کی اپنی خریدی ہوئی تھی، لیکن وہ بھی کیا کرتی اس کے پاس جاذل کے علاوہ اور کوئی چوائس بھی تو نہ تھی اپنے لالہ کو تنہائی کے عذاب سے بچانے کے لئے اس نے سارے عذاب ساری اذیتیں اپنی ذات کے لئے منتخب کر لی تھیں، ورنہ اپنے لئے جاذل خان جیسے جیون ساتھی کو تو اس نے کبھی تصور بھی نہ کیا تھا، شرابی، جواری، زانی کون سی برائی تھی جو اس شخص میں نہ پائی جاتی تھی اور وہ کس قدر مجبور تھی کہ سب جانتے بوجھتے ساری زندگی کے لئے اس کا ساتھ قبول کر لیا تھا، جس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے وہ ڈرتی تھی ساری زندگی کے لئے اس کی آنکھوں کے سامنے رہنے کا فیصلہ اس کا اپنا تھا اور اس سے یہ فیصلہ کروانے کے لئے جاذل عمر خان کی ماں نے کس مہارت سے سارا کھیل کھیلا تھا کہ وہ دیکھتی رہ گئی تھی کہ اس کے ساتھ ہوا کیا ہے اور وہ شخص جس پہ اسے بڑا مان تھا کس طرح اپنا راستہ بدل کر الگ ہوا تھا اسے یقین کی ڈور تھما کر اس طرح بے یقین کیا تھا، کہ اسے کتنا وقت یقین کرنے میں لگا تھا، اک حیرانی سی حیرانی تھی کہ اس نے کس طرح اس کے دل کی دنیا کو تہہ و بالا کر کے اپنے قدم واپس موڑ لئے تھے اور سوچتی رہ گئی کہ کیا وہ اس کے ساتھ ایسا کر سکتا ہے۔

جانے والا یادوں کے دو عکس ادھورے چھوڑ گیا
اک تصویر جدائی کی ہے اک منظر حیرانی کا
ہانک رہے ہیں کھول رہے ہیں باندھ رہے ہیں لفظوں کو
اس نے کام ہمیں سونپا ہے فکر کی گلہ بانی کا

☆☆☆

''پانی۔'' جاذل کی آواز پہ اس کی سوچ کی ڈوری ٹوٹی تھی اپنے آنسوؤں کو صاف کرتے ہوئے اس نے پانی کا گلاس اسے پکڑا دیا لیکن اب بھی اس نے صرف ایک دو گھونٹ ہی لئے تھے کہ گلاس زونیہ کو واپس پکڑا کر کھانسنے لگا تھا، کھانستے کھانستے وہ آگے کو جھکا تھا اور پھر قے کر دی اس کے جھکے سر کو دیکھتے ہوئے زونیہ کی نظر جب فرش پہ پڑی تو اسے اپنے پاؤں کے نیچے سے زمین سرکتی ہوئی محسوس ہوئی تھی آف وائٹ ماربل کے فرش پہ سرخ خون کے دھبے نمایاں ہو

رہے تھے، وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے کبھی فرش پہ پھیلے خون کے دھبوں اور کبھی جاذل عمر خان کو دیکھ رہی تھی جس نے لیٹ کر سر دوبارہ تکیے پہ رکھ لیا تھا وہ تقریباً بے ہوش ہو چکا تھا، وہ چیخ مار کر باہر کو دوڑی تھی۔

''لالہ، بھابھی پلیز جلدی دروازہ کھولیں۔'' روحیل لالہ کے کمرے کے سامنے رک کر اس نے آہستہ سے دروازہ ناک کرنے کے ساتھ ہی آواز بھی دی تھی، اس خیال سے کہ گھر مہمانوں سے بھرا تھا اور وہ یہ نہیں چاہتی تھی کہ کوئی یہ سب تماشا دیکھے روحیل لالہ کے دروازہ کھولتے ہی وہ ان کے گلے لگ کر رونے لگی تھی۔

''زونی...... زونی میری جان کیا ہوا ہے؟ کیوں رو رہی ہو؟'' روحیل لالہ نے اسے خود سے الگ کرتے ہوئے تفکر زدہ لہجے میں استفسار کیا تھا اس کے کانپتے وجود اور بہتے آنسوؤں سے وہ بہت پریشان ہو گئے تھے۔

''لالہ...... وہ...... ج...... جاذل۔'' وہ اتنی حواس باختہ ہوئی تھی کہ اس سے کچھ بولا ہی نہ جا رہا تھا اس کے منہ سے جاذل کا نام سن کر لالہ اور بھابھی دونوں جاذل کے کمرے کی جانب دوڑے تھے، جاذل کے کمرے میں داخل ہوتے ہی اسمارہ بھابھی کی تو چیخ نکل گئی تھی۔

''اسمارہ پلیز آہستہ، گھر میں مہمان ہیں اگر کوئی اٹھ گیا تو کیا سوچے گا اور پلیز آپ جا کے بابا جان اور ذوہیب کو اٹھا دیں، جاذل کی طبیعت بہت خراب ہے آئی تھنک اسے ہاسپٹل لے کر جانا ہوگا۔'' لالہ نے اسمارہ کو ٹوکنے کے ساتھ بابا جان اور ذوہیب کو بلانے کا کہا تو اسمارہ بھابھی فوراً باہر نکل گئیں تھیں۔

''جاذل ...... جاذل آنکھیں کھولو، پلیز جاذل بتاؤ کیا ہوا ہے تمہیں، کیا کھایا ہے تم نے۔'' روحیل نے جاذل کے گال تھپکتے ہوئے کہا تھا وہ یہی سمجھے تھے کہ اس نے کوئی زہریلی چیز کھائی ہے اس نے جس طرح شادی سے انکار کیا تھا اور پھر جس طرح بابا جان نے عاق کرنے کی دھمکی دے کر اس کو اس شادی کے لئے مجبور کیا تھا، لالہ کا شک کچھ غلط بھی نہ تھا، وہ جانتے تھے کہ وہ کس قدر ضدی تھا اپنی مرضی کے خلاف اس نے آج تک کوئی کام نہ کیا تھا اور اب جس طرح وہ بابا جان کے فیصلے کے آگے بے بس ہوا تھا لالہ کو شک نہیں بلکہ یقین ہونے لگا تھا کہ اس نے ضرور کوئی زہریلی چیز کھائی ہے تبھی وہ اس کی حالت اس قدر خراب ہو رہی تھی پھر اسمارہ بھابھی کے بتانے پہ بابا جان، ماما، ذوہیب، صارم لالہ، عائشہ آپی سب چلے آئے تھے اور جاذل کی اس قدر بگڑتی حالت کو دیکھ کر ان سب کو بھی وہی شک ہوا تھا جو روحیل کو ہوا تھا، لیکن ماما جان تو کچھ اور ہی سوچ رہی تھیں جاذل کے بے ہوش وجود سے ہوتے ہوتے ان کی نظر بیڈ کے دوسری طرف کھڑی زونیہ پہ گئی تھی جس نے اپنے کانپتے وجود کو سہارا دینے کے لئے اسمارہ بھابھی کا بازو تھام رکھا تھا جب کہ آنکھوں سے آنسو روانی سے بہہ رہے تھے، ماما جان ایکدم اٹھ کر اس کے سامنے آئیں تھیں اور اس کا بازو تھام کر ایک جھٹکے سے اس کا رخ اپنی جانب کیا تھا۔

''کیا کھلایا ہے میرے بیٹے کو، کیا دیا ہے اسے جو اس کی یہ حالت ہو گئی ہے۔'' اس کے بازو کو جھٹکا دے کر انہوں نے انتہائی نفرت زدہ لہجے میں پوچھا تھا ان کی بات پہ کمرے میں موجود سبھی نفوس گویا ساکت ہو گئے تھے اور زونیہ علی خان تو جیسے پتھر کی ہو گئی تھی اس کے رونے سے بہتے آنسو وہیں تھم گئے تھے وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے بس ماما جان کو دیکھے جا رہی تھی۔

''اب اس طرح آنکھیں پھاڑ کے مجھے کیا دیکھ رہی ہو، میری بات کا جواب دو، کیا کھلایا ہے جاذل کو، زہر دیا ہے نا اسے۔'' ماما جان کی بات پہ اس نے تڑپ کر سر کو نفی میں ہلایا تھا۔

''ن...... نہیں ماما جان قسم سے۔''

''جھوٹ مت بولو، ابھی شام تک تو وہ بالکل ٹھیک تھا پھر اچانک اس کی طبیعت اتنی خراب کس طرح ہو گئی۔'' ماما جان نے چلاتے ہوئے اس کو دھکا دیا تھا اگر اسمارہ بھابھی اس کو تھام نہ لیتیں تو وہ گر جاتی ماما جان کو اس طرح غصے سے چلاتے دیکھ کر روحیل لالہ تیزی سے آگے بڑھے تھے۔

''فار گاڈ سیک ماما، چپ ہو جائیں یہ وقت ان باتوں کا نہیں ہے گھر مہمانوں سے بھرا پڑا ہے اور پھر جاذل کی حالت......'' روحیل لالہ بولتے بولتے ایکدم ذوہیب کی طرف پلٹے تھے اور اسے گاڑی نکالنے کو کہا تھا، صارم حسن اور روحیل جاذل کو گاڑی تک لے گئے تھے، ماما جان بھی خون آشام نظروں سے زونیہ کی طرف دیکھتے ہوئے باہر نکل گئیں تھیں لیکن باہر نکلنے سے پہلے انہوں نے زونیہ کی طرف دیکھتے ہوئے انتہائی نفرت سے کہا تھا۔

''غلطی ہو گئی تھی مجھ سے جو اپنے بیٹے کو تم سے بیاہ دیا، بھول گئی تھی میں کہ نحوست کی پوٹلی ہو تم، جو پیدا ہوتے ہی اپنے سگے ماں باپ کو کھا گئی تو تمہاری نحوست سے میرا بیٹا کیسے بچ سکتا تھا۔'' ماما جان اپنی ساری نفرت لفظوں کے ذریعے اس کے کانوں میں انڈیل کے جا چکی تھیں وہ ساکت سی ان کو جاتے دیکھتی رہ گئی اسے اپنے حواس ساتھ چھوڑتے ہوئے محسوس ہوئے تھے اس کے لرزتے وجود کو دیکھتے ہوئے عائشہ آپی نے اسے ساتھ لگا لیا تھا تو وہ ان کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

''زونی پلیز چپ کر جاؤ، ماما جان کو تو پتہ نہیں کیا ہو گیا ہے۔'' آپی نے اسے کندھوں سے تھام کر آہستہ سے الگ کرتے ہوئے اس کے آنسو صاف کیے تھے۔

''زعائشہ آپ کو پھپھو بلا رہی ہیں۔'' صارم کے پکارنے پہ عائشہ آپی باہر نکل گئیں تو زونیہ نے اسمارہ بھابھی کے کندھے پہ سر رکھ کر پھر سے آنسو بہانا شروع کر دیئے تھے بھابھی بھی اس کو ساتھ لگا کر رو دی تھیں۔

وہ تو آج تک یہ ہی نہ سمجھ سکیں تھیں کہ آخر ماما جان زونیہ سے اتنی نفرت کیوں کرتی ہیں، پھر بھابھی باقی رات اس کے پاس ہی رہی تھیں، صبح پانچ بجے جاذل کی طبیعت کچھ سنبھلی تو ذوہیب، صارم اور عائشہ بابا جان کے کہنے پہ گھر آ گئے تھے شام کو ولیمہ تھا گھر مہمانوں سے بھرا ہوا تھا، بابا جان نے سب کو سختی سے منع کیا تھا کہ مہمانوں میں سے کسی کو پتہ نہیں چلنا چاہیے کہ جاذل ہاسپٹل میں ہے، بابا جان کے بقول لوگوں کو تو رائی کا پہاڑ بنانے کی عادت ہوتی ہے، گھر آ کر صارم تو سونے کے لئے چلے گئے تھے جبکہ ذوہیب اور عائشہ جاذل کے بیڈ روم میں آ گئے، زونیہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے رو رہی تھی، عائشہ آپی تیزی سے اس کی جانب بڑھی تھیں۔

''زونی میری جان چپ کر جاؤ پلیز، دیکھو ماما جان نے تم سے جو کچھ بھی کہا ہے اس کے لئے میں تم سے سوری بولتی ہوں اور پھر جب ہم سب جانتے ہیں کہ ماما جان نے جو کچھ بھی کہا ہے ویسا کچھ نہیں ہے تو تم اس طرح رو کر خود کو تکلیف کیوں دے رہی ہو؟'' عائشہ نے اس کو ساتھ لگا کر اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا تھا اور یہ یہ سچ تھا کہ جاذل کی حالت کو دیکھ کر سب کو یہ

شک تو ضرور ہوا تھا کہ اس نے کوئی زہریلی چیز کھا لی ہے لیکن ایسا کچھ زونیہ نے کہا ہوگا اس طرح تو کسی نے نہ سوچا تھا سوائے ماما جان کے اور ماما جان نے اس کے بارے میں اچھا کب سوچا تھا کہ اب سوچتیں۔

"ڈاکٹر نے کیا کہا ہے آئی مین جاذل کی طبیعت اتنی خراب کس وجہ سے ہوئی تھی؟" اسمارہ بھابھی کے پوچھنے پہ عائشہ آپی بس زونیہ کو دیکھ کے رہ گئیں۔

"مجھے تو نہیں پتہ، بابا جان اور روحیل وغیرہ کی بات ہوئی ہے ڈاکٹر سے میں نے ان سے نہیں پوچھا۔" عائشہ آپی کے جھوٹ بولنے پہ صوفے پہ بیٹھے ذوہیب کا غصے سے دماغ گھوم گیا تھا۔

"آپی جھوٹ کیوں بول رہی ہیں سیدھی طرح بتائیں کہ جاذل لالہ کی یہ حالت پینے کی وجہ سے ہوئی ہے، ویسے یہ تو سب ہی جانتے ہیں کہ جناب جاذل عمر خان صاحب کس چیز کو بڑے شوق سے پیتے ہیں۔" زونیہ کے چہرے پہ نظریں ٹکاتے ہوئے اس نے پینے کو کافی لمبا کھینچا تھا زونیہ نے بھیگی پلکوں کو اٹھا کر اس کی جانب دیکھا تھا وہ ہونٹوں پہ طنزیہ مسکراہٹ سجائے اس کی جانب ہی دیکھ رہا تھا، ذوہیب کے چہرے پہ بکھری طنزیہ مسکراہٹ سے اس کی آنکھوں میں ایک بار پھر دھند سی چھانے لگی تھی وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر واش روم میں چلی گئی ذوہیب بھی جلتا کڑھتا اپنے بیڈ روم میں چلا آیا، اسے زونیہ پر بہت غصہ آ رہا تھا کہ اس نے محض ذوہیب کی ضد میں اپنی زندگی تباہ کر لی تھی زندگی کو جاذل جیسے شخص کے نام کرنا ذوہیب کے خیال میں تباہ کرنے کے مترادف ہی تھا کمرے میں آ کر اس نے لائٹ آن کی تو رومیلہ پہ نگاہ پڑتے ہی اس کے اندر نفرت اور غصے کی ایک تیز لہر نے سر اٹھایا تھا اس کا جی چاہا تھا کہ گہری نیند میں سوئی رومیلہ کو اٹھا کر کھڑکی سے باہر پھینک دے دوسروں کی زندگیوں کو تباہ کر کے ان کی نیندوں کو حرام کر کے وہ کتنے چین سے سو رہی تھی، اپنی نفرت اور غصے کو دباتے ہوئے وہ واش روم کی طرف بڑھ گیا جب وہ واش روم سے نکلا تو رومیلہ کو جاگتے پا کر اس کی پیشانی سلوٹوں سے بھر گئی تھی، وہ نیم دراز اس کی جانب ہی دیکھ رہی تھی۔

"جاذل لالہ کی طبیعت اب کیسی ہے؟" ذوہیب کو اپنی جانب دیکھتے پا کر اس نے استفسار کیا تھا ذوہیب نے اس کی بات کا جواب دینا ضروری نہ سمجھا، اس نے آگے بڑھ کر تکیہ درست کیا اور لیٹ کر آنکھیں موند لیں، تو اس کے اس رویے پہ رومیلہ کا خون کھول گیا تھا، وہ پہلی ملاقات سے لے کر آج تک مسلسل اس کی ذات کی نفی کرتا آ رہا تھا، لیکن آج اپنا رد کیا جانا رومیلہ سے برداشت نہ ہو رہا تھا کیونکہ اب وہ صرف اس کی کزن نہیں تھی بلکہ اس کی بیوی کی حیثیت سے اس کے بیڈ روم می موجود تھی اور وہ اس کی اس حیثیت کو تسلیم کرنا تو دور کی بات اس کی طرف دیکھنے سے بھی انکاری تھا اور یہ سب صرف اور صرف زونیہ علی خان کی وجہ سے ہو رہا تھا زونیہ کا خیال آتے ہی اس کا حلق تک کڑوا ہو گیا تھا کچھ پل وہ غصے سے ذوہیب کی طرف دیکھتی رہی پھر اسے جلانے کو طنزیہ لہجے میں بولی تھی۔

"ویسے جاذل لالہ مجھے کافی غیرت مند آدمی لگتے ہیں۔" اس کی بات پہ ذوہیب نے سرعت سے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا تھا وہ جو مسکراتے ہوئے اس کی جانب ہی دیکھ رہی تھی اسے اپنی طرف دیکھتا پا کر مزید گویا ہوئی۔

"دیکھیں نا ایسا آدمی غیرت مند ہی ہوا جو کسی اور کی محبوبہ کو بیوی کا درجہ دینے سے مر جانا زیادہ بہتر خیال کرتا ہو۔" اس کی بات پہ غصے سے ذوہیب کی مٹھیاں بھینچ گئی تھیں اس کا دل چاہا تھا کہ رومیلہ کو دھکے دے کر اپنے بیڈ روم سے نکال دے اگر اسے گھر میں موجود مہمانوں کا خیال نہ ہوتا تو وہ ایسا کرنے میں لمحہ کی تاخیر نہیں کرتا، لیکن اب اسے خود پہ ضبط کرنا پڑا تھا لیکن بالکل چپ رہنے والا تو وہ بھی نہ تھا۔

"اچھا جی! پھر اس لحاظ سے تم تو بہت ہی بے غیرت عورت ہو۔" اس نے رومیلہ کے ہی انداز میں چہرے پہ طنزیہ مسکراہٹ سجا کے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا تو اس کی بات کا مفہوم سمجھ کر رومیلہ کے تلووں کو لگی اور سر پہ بجھی تھی ذوہیب تو حساب برابر کر کے اس کی طرف کروٹ بدل کے سو گیا لیکن وہ کافی دیر تک جلتی کڑھتی رہی تھی۔

☆☆☆

واش روم میں بند وہ کتنی دیر تک آنسو بہاتی رہی، خوب سارا رو لینے کے بعد وہ منہ دھو کر باہر نکلی تو بھابھی، عائشہ آپی اور ذوہیب اپنے اپنے کمروں میں جا چکے تھے وہ تولیے سے چہرہ خشک کر رہی تھی جب بھابھی ٹرے میں چائے کے دو کپ اور بسکٹ کی پلیٹ رکھے اندر داخل ہوئی تھیں۔

"کب سے جاگ رہے ہیں یار اب تو پیٹ میں چوہے ناچ رہے ہیں، ناشتہ تو سب مہمانوں کے اٹھنے کے بعد ہی آئے گا اور ابھی صرف چھ بجے ہیں سوچا تب تک چائے اور بسکٹ پہ گزارا کرتے ہیں، جلدی سے آ جاؤ، چائے ٹھنڈی ہو جائے گی۔" بھابھی نے ٹرے میز پر رکھتے ہوئے کہا تو وہ چپ چاپ صوفے پہ آ بیٹھی اور چائے کا کپ اٹھا کر ہونٹوں سے لگا لیا، چائے کے دوران اس نے کوئی بات نہ کی تھی، بھابھی کی باتوں کے جواب بھی اس نے صرف ہوں ہاں میں ہی دیے تھے۔

"تم تھوڑی دیر کے لئے سو جاؤ شام میں ولیمے کا فنکشن بھی ہے فریش ہو جاؤ گی میں اشہب لالہ کو چائے دے آؤں وہ تو اس ٹائم اٹھ جاتے ہیں۔" بھابھی نے چائے کے خالی کپ ٹرے میں رکھتے ہوئے کہا تو وہ فوراً بولی۔

"بھابھی رات کو جو کچھ بھی ہوا اس سب کا پتہ اشہب لالہ کو نہیں چلنا چاہیے وہ پہلے ہی میری اور جاذل کی شادی سے خوش نہیں ہیں یہ سب سن کر اور پریشان ہو جائیں گے۔" بھابھی نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

بھابھی نے صرف اشہب لالہ کو ہی نہیں بلکہ مہمانوں کو بھی یہی بتایا تھا کہ بابا جان کے دوست کی طبیعت بہت خراب ہو گئی تھی وہ ہاسپٹل میں ہیں اس لئے رات کو بابا ماما جان اور روحیل کو لاہور جانا پڑا، شام تک وہ لوگ آ جائیں گے۔

سب مہمانوں کے ناشتہ کرنے تک گیارہ بج چکے تھے، سارے پھیلاوے سے فارغ ہونے کے بعد بھابھی رجو اور تاجی سے کچن صاف کروا رہی تھیں جب باہر سے گزرتے ذوہیب کو دیکھ کر انہوں نے اسے آواز دی تھی۔

"ہاسپٹل جا رہے ہو؟" پھر اس کے سر ہلانے پہ بولی تھیں۔

"ٹھہرو میں نے بھی جانا ہے جاذل کو دیکھنے۔" جب وہ چینج کر کے باہر آئیں تو سوچا کہ زونیہ کو بھی ساتھ لے لیں۔

"ذوہیب بس دو منٹ، میں ابھی آتی ہوں۔" ذوہیب کو کہہ کر وہ تیزی سے سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آ گئیں، زونیہ ڈریسنگ کے سامنے بیٹھی بالوں میں برش کر رہی تھی جب بھابھی اندر

داخل ہوئیں۔

"زونی میں جاذل کو دیکھنے ہاسپٹل جا رہی ہوں تم چلو گی۔"

"نہیں۔" بھابھی کی بات پہ اس نے فوراً انکار کر دیا تھا۔

"زونی میرے خیال میں تمہیں جانا چاہیے، دیکھو جو بھی ہے جیسا بھی ہے بہر حال اب وہ تمہارا شوہر ہے اور اس کے ذہن میں یہ بات آ سکتی ہے کہ تم اسے دیکھنے ہاسپٹل نہیں آئیں۔" بھابھی نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے دھیرے سے سمجھانا چاہا تھا اگرچہ وہ جاذل کے ساتھ اس کی شادی سے خوش نہ تھی لیکن اب چونکہ یہ شادی ہو چکی تھی اس لئے وہ چاہتی تھیں کہ زونیہ اس شادی کو اچھے طریقے سے نبھائے اس کی طرف سے ایسی کوئی بات نہ ہو جس پہ ماما جان کو کچھ بھی کہنے کا موقعہ مل جائے اس بات کا تو انہیں اچھی طرح اندازہ تھا کہ زونیہ کے ساتھ جاذل کی شادی ماما جان نے اپنی دلی خوشی سے نہ کی تھی بلکہ رومیلہ کی ذوہیب کے ساتھ شادی کے لئے راستہ ہموار کرنے اور اپنے آوارہ بیٹے کا گھر بسانے کے لئے انہوں نے مجبوری کا یہ سودا کیا تھا، ورنہ زونیہ کی تو صورت سے بھی انہیں نفرت تھیں اور بھابھی نہیں چاہتی تھیں کہ ماما جان کو اپنی نفرت کے اظہار کا کوئی بھی موقع ملے تبھی ایک بار پھر اسے سمجھانا چاہا تھا لیکن وہ غصے سے پھٹ پڑی تھی۔

"نہیں مجھے نہیں جانا ہے، سنا تھا نا آپ نے رات کو ماما جان نے جو کہا تھا کہ میری نحوست ان کے بیٹے کو بھی لے ڈوبی ہے، میں ہی منحوس ہوں جو پہلے اپنے ماں باپ کو کھا گئی اور اب......" بولتے بولتے اس کا گلا رندھ گیا تو دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپاتے ہوئے ایک بار پھر شدت سے رو دی۔

"زونی پلیز روؤ نہیں، تم ہاسپٹل نہیں جانا چاہتیں نہ جاؤ لیکن پلیز چپ کر جاؤ۔" بھابھی نے اس کے ہاتھوں کو سہلاتے ہوئے کہا تھا اسی وقت ذوہیب ہلکی سی دستک کے ساتھ اندر آیا تھا، ذوہیب پہ نظر پڑتے ہی زونیہ نے تیزی سے رخ موڑتے ہوئے آنسو صاف کیے تھے ذوہیب اس کی یہ حرکت نوٹ کر چکا تھا اس کا رویا رویا چہرہ اس کی نظروں کی گرفت میں آ چکا تھا۔

"بھابھی چلیں دیر ہو رہی ہے مجھے۔" اس نے بھابھی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"ہاں چلو۔" بھابھی باہر نکلنے لگیں جب ذوہیب نے زونیہ کی طرف دیکھتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا تھا۔

"بھابھی کیا جاذل لالہ کی مسز نہیں جائیں گی ان کی عیادت کو۔" اس کے اس طنز پہ بھابھی نے پہلے تو اسے گھور کر دیکھا تھا پھر اس کا ہاتھ تھام کر باہر نکل گئیں۔

"ذوہیب پلیز مت تنگ کرو اسے، وہ پہلے ہی بہت دکھی ہے۔" بھابھی نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے کہا تھا۔

"ہونہہ، دکھی یہ دکھ اس کے اپنے خریدے ہوئے ہیں بھابھی ورنہ یہ دنیا مجھ پہ تو ختم نہیں ہوتی تھی۔" ذوہیب نے انتہائی غصے سے کہا تھا یہ سب جانتے ہوئے بھی کہ زونیہ علی خان کی دنیا ذوہیب عمر خان پہ ہی ختم تھی۔

☆☆☆

شام چھ بجے جاذل کو ڈسچارج کر دیا گیا ڈاکٹر طاہر ابھی اسے ڈسچارج نہیں کرنا چاہتے تھے لیکن جب بابا جان نے انہیں مجبوری بتائی کہ آج جاذل کا ولیمہ ہے تو انہوں نے انہیں گھر جانے کی اجازت دے دی، جب وہ لوگ گھر

آئے تب تک عائشہ آپی رومیلہ اور زونیہ کو ڈرائیور کے ساتھ پارلر لے جا چکی تھیں جس وقت وہ پارلر سے شادی ہال پہنچیں تھیں سب مہمان آ چکے تھے، جب دونوں دلہنوں کو سٹیج پہ بٹھایا گیا تو سب کی ستائشی نظریں زونیہ پہ جا ٹھہریں تھیں وہ خوبصورت تو پہلے ہی بہت تھی لیکن آج بیوٹیشن کے ماہر ہاتھوں نے اس کے حسن کو مزید نکھار دیا تھا سب نے اس کی بہت تعریف کی تھی اگرچہ رومیلہ بھی خوبصورت تھی لیکن زونیہ کے مقابلے میں وہ کچھ بھی نہ لگ رہی تھی۔

"آپی! زونی آج کتنی پیاری لگ رہی ہے نا۔" اسمارہ بھابی کی بہن رطابہ نے زونیہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو اسمارہ بھابھی مسکرا دیں۔

"صرف آج ہی کیوں بھئی وہ تو ہمیشہ سے ہی اتنی پیاری ہے۔"

"یہ تو ہے۔" رطابہ بھی مسکرا دی ماما جان جو کچھ فاصلے پہ زارا آنٹی کے ساتھ باتوں میں مصروف تھیں انہوں نے اسمارہ بھابھی اور رطابہ کی گفتگو سن لی تھی اس لئے غصے سے بل کھا کے رہ گئیں اور غصے سے بل تو وہ کافی دیر سے مہمان خواتین کے زونیہ کے لئے تعریفی کلمات سن کر ہی کھا رہی تھیں خواتین کی ان باتوں سے ان کی آنکھوں کے سامنے برسوں پہلے کا وہ منظر لہرا گیا تھا جب وہ اور پری وش سٹیج پہ برابر بیٹھیں تھیں۔

"علی کی دلہن زیادہ خوبصورت ہے، عمر والی تو ایویں سی ہے۔" کسی خاتون کے برسوں پہلے بولے گئے الفاظ ان کے کانوں میں گونجے تھے ان کی نگاہ سامنے زونیہ پہ جا ٹھہری تھی برسوں پہلے مہمان خاتون کے بولے گئے الفاظ نے پری وش کے لئے جو نفرت ان کے دل میں بھر دی تھی وہ ساری کی ساری نفرت اس وقت ان کی آنکھوں میں آن بسی تھی، انہیں ایسا فیل ہو رہا تھا کہ آج اتنے برس بعد پری وش نے انہیں پھر سے شکست دے دی ہو۔

زونیہ سر جھکائے بیٹھی تھی جب عائشہ آپی جاذل کا ہاتھ تھام کر سٹیج پہ لائیں اور اس کے برابر بٹھا دیا اور فوٹو گرافر سے ان دونوں کی بہت سی تصویریں لینے کو کہا تھا ان کے بقول رات کو بھی ان دونوں کی اکٹھے کوئی تصویر نہ بنی تھی اور نہ ہی مووی بنی تھی، عائشہ کی بات پہ رومیلہ غصے سے پہلو بدل کے رہ گئی۔

"ہونہہ! پورا خاندان ہی اس پہ لٹو ہے سمجھ نہیں آتی کہ ایسی کیا خاص بات ہے اس لڑکی میں۔" اسمارہ بھابھی کی زونیہ کے ساتھ گہری دوستی سے تو وہ واقف ہی تھی لیکن عائشہ آپی کا زونیہ کے ساتھ یہ اسپیشل سلوک اس سے برداشت نہ ہو رہا تھا اس کے خیال میں اگر زونیہ ان کی کزن تھی تو رومیلہ کے ساتھ بھی ان کا وہی رشتہ تھا پھر زونیہ کے لئے اتنا پیار کیوں، حالانکہ رومیلہ تو اب ان کے سب سے لاڈلے چہیتے بھائی کی دلہن بھی تھی پھر بھی آپی نے اس کے لئے کسی گرمجوشی کی محبت کا اظہار نہ کیا تھا اور اس بات پہ وہ اندر تک جل گئی تھی اور جل تو زونیہ علی خان بھی رہی تھی جب جاذل عمر خان اس کے برابر بیٹھا تھا تو ماما جان کے کل رات بولے گئے الفاظ اس کے ذہن میں پھر سے تازہ ہو گئے تھے۔

"غلطی ہو گئی مجھ سے جو اپنے بیٹے کو تم سے بیاہ دیا، بھول گئی تھی میں کہ نحوست کی پوٹلی ہو تم، جس نے پیدا ہوتے ساتھ اپنے سگے ماں باپ کو کھا لیا اس کی نحوست سے میرا بیٹا کیسے بچ سکتا تھا۔" ماما جان کے الفاظ ذہن میں آتے ہی ایک بار پھر اس کی آنکھوں میں گرم پانی سا جمع ہونے لگا تھا آنکھیں بند کرتے ہوئے اس نے اس پانی کو بہنے سے روکا تھا لیکن پھر بھی دو آنسو اس کے

گالوں پہ پھسل گئے تھے اور اسی وقت جاذل عمر خان جو سامنے دیکھ رہا تھا نظروں کا زاویہ بدلتے ہوئے ایک ترچھی سی نگاہ اپنے دائیں طرف ڈالی تھی اور ٹھٹک گیا تھا وہ آنکھیں بند کیے رو رہی تھی۔

اس کے رونے کی وجہ کیا تھی یہ خیال جاذل عمر خان کو سر تا پا جھلسا گیا تھا اس کے دماغ کی رگیں تن گئی تھیں اس کی بیوی اس کے پہلو میں بیٹھی کسی اور کے لئے آنسو بہا رہی تھی کچھ پل اس کی جانب دیکھتا وہ ذرا سا اس کی جانب جھکا تھا۔

''ایکسکیوز می!'' زونیہ آنکھیں بند کیے اپنے آنسوؤں کو کنٹرول کر رہی تھی جب جاذل کی آواز اسے اپنے کان کے بہت قریب سنائی دی تھی اس نے لمحے کے ہزارویں حصے میں آنکھیں کھولیں اور گردن موڑ کر اسے دیکھا تھا وہ چہرے پہ عجیب سا تاثر لیے اس کی جانب دیکھ رہا تھا اس کے دیکھنے پہ دھیمی آواز میں بولا تھا۔

''محترمہ یہ شادی ہال ہے جہاں پہ آپ اتنے سارے مہمانوں کی موجودگی میں نیر بہا کر لوگوں کو میری ذات پہ انگلی اٹھانے کا موقع فراہم کر رہی ہیں اس لئے پلیز یہ شغل بند کیجیے، ہاں البتہ گھر جا کر آپ اپنا یہ شوق جاری رکھ سکتی ہیں اپنے بیڈ روم میں آپ بے شک جتنی مرضی آنسو بہا لیجیے گا مسٹر ذوہیب عمر خان کے نام کے، یقین کیجیے میں بالکل بھی مائنڈ نہیں کرونگا سو مہربانی کر کے اس وقت اپنے یہ قیمتی آنسو صاف کر لیں، مگر چبھتا ہوا لہجہ جس کی چبھن زونیہ نے اپنے اندر تک محسوس کی تھی اس نے تیزی سے اپنے آنسو صاف کیے تھے جاذل اپنی بات کہہ کر جلتا بھنتا نہ صرف سٹیج سے اتر آیا تھا بلکہ ہال سے بھی باہر آ گیا۔

''جاذل کہاں جا رہے ہو؟'' وہ گاڑی کا دروازہ کھول رہا تھا جب عائشہ اسے آواز دیتی اس کے پیچھے آئیں تھیں۔

''گھر۔'' اس نے ان کی طرف دیکھے بغیر انتہائی بگڑے موڈ میں جواب دیا تھا۔

''گھر، لیکن کیوں، میرا مطلب ہے ابھی تو فنکشن......'' ان کی بات پوری بھی نہ ہوئی تھی کہ وہ غصے سے بول اٹھا تھا۔

''آپی نو بٹ آئی ایم ناٹ فیلنگ ویل اور میں گھر جا کر آرام کرنا چاہتا ہوں۔'' اپنی بات مکمل کر کے وہ آپی کی طرف دیکھے اور ان کی ایک بھی سنے بغیر گاڑی نکال لے گیا جب بابا جان کو اس کے چلے جانے کا پتہ چلا تو وہ یہ سوچ کر ہی پریشان ہو گئے تھے کہ وہ مہمانوں کو ولیمے کے فنکشن سے دلہے کے یوں غائب ہو جانے کا کیا جواز پیش کریں گے جبکہ سب لوگ دلہا کے کرتوت بھی بہت اچھی طرح جانتے تھے انہوں نے جس طرح سب کو مطمئن کیا تھا یہ الگ بات تھی کہ ان کی بات پہ کسی نے کتنا یقین کیا تھا خاص کر زونیہ کی ننھیالی فیملی کو جواب دیتے تو ایک طرح سے ان کے پسینے چھوٹ گئے تھے انہوں نے دل ہی دل میں جاذل کو ڈھیروں گالیوں سے نوازا تھا سب مہمانوں کو رخصت کرنے کے بعد جب وہ گھر پہنچے تو یہ جان کر کہ جاذل ابھی تک گھر نہ پہنچا تھا ان کے غصے کا گراف سوا نیزے پہ جا پہنچا تھا۔

''زاشی تم تو کہہ رہی تھی کہ وہ گھر گیا ہے اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اس لئے۔'' انہوں نے غصے سے عائشہ سے استفسار کیا تھا لیکن عائشہ کے بولنے سے پہلے ماما جان بول پڑی تھیں۔

''عمر پلیز اب جانے بھی دیں رہتے میں کسی دوست کے پاس رک گیا ہو گا آ جاتا ہے تھوڑی دیر میں آپ غصہ نہ کریں۔'' پھر بابا جان تو غصہ دباتے مزید کچھ بھی بولے بغیر اپنے کمرے میں چلے گئے لیکن عائشہ نے بہت تاسف سے اپنی ماں کی جانب دیکھا تھا جس کی بے جا طرف داری نے آج جاذل کو اس مقام تک پہنچایا تھا، بابا جان جب بھی اسے کسی بات پہ ڈانٹتے تھے تو ماما جان ہر بار ''اوہو عمر اب جانے بھی دیں'' والا مخصوص فقرہ بول کر اس کی ڈھال بن جاتی تھیں بابا جان اس کی حرکتوں سے تنگ آ کر اس کو پیسے نہ دیتے تو ماما جان، بابا سے چوری اس کو پیسے دے دیتی تھیں اور اب بھی انہوں نے کتنے آرام سے کہہ دیا تھا کہ جانے دیں، عائشہ کتنی ہی دیر ماما جان کو دیکھتے ہوئے سوچ گئیں تھیں کہ اگر جاذل کی جگہ ذوہیب ہوتا اور زونیہ کی جگہ رومیلہ تو کیا پھر بھی ماما جان آج بابا کو غصہ نہ کرنے کا مشورہ دیتیں ہرگز نہیں بلکہ وہ تو اپنی لاڈلی بھتیجی بھانجی کے نظر انداز کیے جانے پہ زمین آسمان ایک کر دیتیں، عائشہ نے بہت افسوس سے ماں کو دیکھا تھا اور پھر ان کے کمرے میں جانے کے بعد کچن میں آ گئیں، دو کپ چائے بنا کر ٹرے میں رکھے اور جاذل کے بیڈ روم میں آ گئیں زونیہ چینج کر کے ابھی سونے کے لئے لیٹ کر خود پہ کمبل پھیلا رہی تھی جب وہ اندر داخل ہوئیں تھیں۔

''زونی چائے پیو گی؟'' انہوں نے پوچھا تھا۔

''وائے ناٹ۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا اور اٹھ کر بیٹھ گئی پھر چائے پینے کے دوران وہ اس سے اِدھر اُدھر کی باتیں کرتی رہی تھیں لیکن انہوں نے نوٹ کیا تھا کہ وہ جواب میں بس ہوں ہاں کیے جا رہی تھی، عائشہ چائے ختم کر کے اٹھ رہی تھیں جب وہ کمرے میں داخل ہوا تھا۔

''کہاں تھے تم اس وقت تک؟ ٹائم دیکھا ہے کیا ہو رہا ہے۔'' وہ جونہی دروازہ بند کر کے مڑا عائشہ نے سخت نظروں سے دیکھتے ہوئے استفسار کیا تھا۔

''کیوں کیا ہوا ہے؟'' اس نے بہت آرام سے پوچھا تھا جس پہ عائشہ کا دماغ گھوم گیا تھا۔

''خدا کے لئے جاذل باز آ جاؤ ان حرکتوں سے، تمہاری شادی ہو چکی ہے، اب گھر پہ تمہاری بیوی موجود ہے، یہ آوارہ گردیاں۔'' اس نے عائشہ کا چہرہ دیکھتے ان کی پوری بات سنی تھی پھر کوئی بھی جواب دیے بغیر الماری سے کپڑے نکالے اور واش روم میں گھس گیا۔

''سٹوپڈ!'' عائشہ غصے سے بڑبڑاتی باہر نکل گئی زونیہ نے چند ثانیے واش روم کے بند دروازے کو دیکھا تھا پھر کروٹ کے بل لیٹ کر خود پہ کمبل پھیلا لیا، جاذل خان کے چند گھنٹے پہلے بولے جانے والے الفاظ ایک بار پھر اس کے ذہن میں تازہ ہو گئے تھے اور ساتھ ہی آنسو روانی سے اس کی آنکھوں سے بہہ کر اس کا تکیہ بھگونے لگے تھے، واش روم کا دروازہ کھلنے کی آواز پہ اس نے تیزی سے اپنے آنسو صاف کیے اور کمبل چہرے تک کھینچ لیا تھا، جاذل چینج کر کے باہر نکلا تو وہ سر تک کمبل لپیٹے سو رہی تھی اس پہ نظر پڑتے ہی دھیان کے پردے پہ چند گھنٹے پہلے اس کے رونے کا منظر آن بسا تھا ساتھ ہی اس کے اندر ایک اشتعال نے سر اٹھایا تھا جس پہ بڑی مشکل سے قابو پاتا وہ آگے بڑھا تھا اور لائٹ آف کر کے بیڈ پہ آ لیٹا۔

''شادی...... بیوی...... ہونہہ، میں کسی بھی ایسی لڑکی کو اپنی بیوی نہیں مان سکتا ہوں جس کے دل و دماغ میں کوئی اور بسا ہو اور جو میرے پہلو میں بیٹھ کر کسی اور کے لئے آنسو بہائے، ہرگز ہر

گز نہیں۔" غصے سے کھولتے دماغ سے اس نے سوچا تھا اور زونیہ کی طرف بیک کر کے سونے کی کوشش کرنے لگا لیکن نیند اب کسے آنی تھی۔

☆☆☆

زعائشہ آپی شادی کے ایک ہفتے بعد اپنے ہزبینڈ کے ساتھ واپس جوہانسبرگ روانہ ہو گئی ان کے جانے کے اگلے دن زونیہ نے بھی یونیورسٹی جانا شروع کر دیا تھا شانی لالہ چاہتے تھے کہ وہ اپنی تعلیم مکمل کرے، وہ پہلے ہی انہیں بہت ناراض کر چکی تھی اور اب تعلیم ادھوری چھوڑ کر ان کی مزید ناراضگی افورڈ نہیں کر سکتی تھی، جاذل کی وہی روٹین تھی صبح گھر سے نکلتا تو واپسی زونیہ کے سونے کے بعد ہی ہوتی تھی وہ زونیہ کو مخاطب نہیں کرتا تھا تو زونیہ کی بھی ہمت نہ پڑتی تھی کہ اس سے کوئی بات کرے اس دن سنڈے تھا اسمارہ بھابھی کے ابو کی طبیعت ٹھیک نہ تھی اس لئے وہ میکے گئی ہوئی تھیں، رومیلہ اور ذوہیب، رومیلہ کی پھپھو کے ہاں دعوت پہ لاہور گئے ہوئے تھے زونیہ تاجی کے ساتھ مل کر رات کا کھانا بنا رہی تھی جب جاذل کچن میں داخل ہوا تھا، زونیہ اس ٹائم اسے گھر پہ دیکھ کے کافی حیران ہوئی تھی۔

"تاجی میرے کپڑے پریس کر دو، استری اسٹینڈ پہ پڑے ہیں اور سنو ذرا جلدی کرنا۔" وہ اپنی بات مکمل کر کے کچن سے نکلنے لگا تھا جب تاجی تیزی سے بولی تھی۔

"پر صاحب جی ابھی تو میں آٹا گوندھ رہی ہوں جی آٹا گوندھ کے کر دوں گی۔" تاجی کی بات پہ اس نے غصے سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"وہاٹ ڈو یو مین، آٹا گوندھ کے کر دوں گی مجھے دیر ہو رہی ہے یہ بعد میں کرتی رہنا۔" اس نے کافی بگڑتے ہوئے کہا تھا اور باہر نکل گیا تو تاجی زونیہ کی شکل دیکھنے لگی تھی۔

"قسم سے زونی بی بی یہ صاحب بھی نا بس جب کوئی کام کہتے ہیں تو سر پہ سوار ہو جاتے ہیں، آٹا تھوڑا سا گوندھنے والا رہ گیا تھا اب بھلا اتنے میں کیا دیر ہو جاتی۔" تاجی آٹا چھوڑ کر ہاتھ دھونے لگی تھی تو زونیہ نے منع کر دیا۔

"تم آٹا گوندھو کپڑے میں پریس کر دیتی ہوں۔" چاولوں کو دم پہ لگا کر وہ تاجی سے کہتے ہوئے کچن سے نکل آئی استری اسٹینڈ پہ جاذل کا شلوار سوٹ پڑا تھا قمیض استری کرنے کے بعد اس نے ابھی شلوار پکڑی ہی تھی کہ جاذل نے پیچھے سے آ کر اس کے ہاتھ سے شلوار کھینچ لی تھی اور غصے سے بولا تھا۔

"ایکسیوزمی میں نے تاجی سے کہا تھا۔" زونیہ نے ایک نظر اس کے غصے سے سجے چہرے کو دیکھا تھا اور بہت آہستہ آواز میں بولی تھی۔

"تاجی فارغ نہیں ہے اس لئے میں نے سوچا کہ میں کر دیتی ہوں۔" زونیہ کی بات پہ وہ دانت پیس کر بولا تھا۔

"تمہارا بہت بہت شکریہ کہ تم نے میرے بارے میں سوچا بٹ اب تم جا سکتی ہو یہ میں خود کر لوں گا۔" غصے سے کہتے ہوئے وہ شلوار استری کرنے لگا تھا تو زونیہ چند پل بھیگی پلکوں سے اسے دیکھتی رہی پھر آنسو صاف کرتی وہاں سے ہٹ گئی وہ جب بھی اس کا کوئی کام کرنے لگتی وہ اسی طرح اس کی بے عزتی کر دیا کرتا تھا وہ کچن میں آ کر سلاد بنانے لگی اس نے سوچ لیا تھا کہ آج کے بعد وہ اس کا کوئی بھی کام نہیں کرے گی اس کی کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگائے گی کیونکہ اپنی اتنی بے عزتی اسے بھی گوارا نہ تھی اور اس کے بعد وہ واقعی اپنی بات پہ قائم بھی رہی تھی، صبح کا ناشتہ اور دوپہر کا کھانا بھابھی تاجی کے ساتھ مل کر بناتی تھیں رات کے کھانے کی ذمہ داری اس نے لے لی بھابھی نے کتنی بار کہا تھا کہ وہ اپنی سٹڈی پہ توجہ دے کیونکہ اس کے ایگزامز قریب تھے، اس وقت بھی اسے کچن میں دیکھ کر انہوں نے اسے ڈانٹ دیا تھا۔

"اوہو بھابھی اس میں کون سا ٹائم لگتا ہے اور پھر میں اکیلی تھوڑی ہوتی ہوں تاجی بھی تو میرے ساتھ ہوتی ہے اتنی جلدی سارا کام ہو جاتا ہے۔" اس نے بھابھی کے گرد بازو حمائل کرتے ہوئے مسکرا کر کہا تھا۔

وہ جانتی تھی کہ بھابھی ایسا صرف اس کی محبت میں کہتی ہیں ورنہ تھک تو وہ بھی جاتی ہوں گی اتنا کام ہوتا تھا صبح ناشتہ بنانا، بچوں کو تیار کر کے سکول بھیجنا، اپنی نگرانی میں رجو سے سارے گھر کی صفائی کروانا، دوپہر کا کھانا بنانا، اتنے ڈھیر سارے کام ہوتے تھے، رومیلہ تو مرضی کی مالک تھی کبھی موڈ میں ہوتی تو ہیلپ کروا دیتی ورنہ ہفتوں کچن کا رخ نہ کرتی، اسمارہ بھابھی اور زونیہ کے ساتھ اس کی کم ہی بنتی تھی، خاص کر زونیہ کے ساتھ تو اس کا رویہ بہت ہی خراب ہوتا تھا، کبھی کبھی وہ ذوہیب کے حوالے سے زونیہ کو ایسی ایسی بات لگا جاتی تھی کہ وہ اس کا منہ دیکھتی رہتی اور ایسا وہ تب کرتی تھی جب اردگرد کوئی اور موجود نہ ہوتا تھا زونیہ کو سمجھ نہ آتی تھی کہ وہ اس کے اس شک کو کیسے دور کرے یہ سچ تھا کہ کبھی وہ ذوہیب عمر خان سے بہت محبت کرتی تھی اور اسے اس بات پہ مان بھی تھا کہ ذوہیب بھی اسے چاہتا ہے لیکن اس کا یہ مان بہت بری طرح ٹوٹا تھا، کہ اب وہ ذوہیب سے محبت تو کیا اسے نفرت کے لائق بھی نہ سمجھتی تھی، اس نے اس سے ہر تعلق ختم کر لیا تھا، وہ کبھی اسے مخاطب نہ کرتی تھی۔

☆☆☆

وہ لاؤنج میں سب کے ساتھ ٹی وی دیکھ رہی ہوتی تو ذوہیب کے آ جانے پہ غیر محسوس طریقے سے اٹھ جاتی اور یہ جان کر کہ رومیلہ اس پہ شک کرتی ہے وہ اور بھی محتاط ہو گئی تھی لیکن رومیلہ تھی کہ پھر بھی کوئی نہ کوئی بات نکال ہی لیا کرتی تھی اس کی باتوں نے زونیہ کا جینا دوبھر کر دیا تھا۔

اس کے ایگزامز قریب تھے اس لئے وہ رات کو دیر تک پڑھتی تھی اور دیر تک جاگنے کے لئے اب وہ ہر روز رات کو دودھ کے بجائے چائے پیتی تھی اس وقت بھی وہ کچن میں کھڑی اپنے لئے چائے بنا رہی تھی جب رومیلہ کچن میں داخل ہوئی تھی۔

"چائے بنا رہی ہو تو ایک کپ میرے لئے بھی بنا لینا۔" اس کی بات پہ زونیہ نے چائے میں دودھ اور پانی کا تھوڑا سا اور اضافہ کر لیا وہ چائے بنا کر کپوں میں ڈال رہی تھی جب ذوہیب چلا آیا تھا۔

ابن انشاء کی کتابیں
طنز و مزاح سفرنامے
○ اردو کی آخری کتاب،
○ آوارہ گرد کی ڈائری،
○ دنیا گول ہے،
○ ابن بطوطہ کے تعاقب میں،
○ چلتے ہو تو چین کو چلئے،
○ نگری نگری پھرا مسافر،
لاہور اکیڈمی ۲۰۵ سرکلر روڈ لاہور۔

[illegible]

صبا جاوید

"بھابھی بہت بھوک لگ رہی ہے بھئی جلدی سے کھانا نکال دیں۔" اس نے آج لنچ کافی لیٹ کیا تھا تبھی ڈنر پہ بھوک نہ لگی تھی تو چند نوالے ہی لئے تھے لیکن اب پیٹ میں چوہے دوڑ رہے تھے، اس کے خیال میں اتنی رات کو کچن میں اسمارہ بھابھی ہی موجود ہو سکتی تھیں تبھی کچن میں آتے ساتھ ہی بولا تھا لیکن جب نظر سامنے کپوں میں چائے ڈالتی زونیہ پر پڑی تو ایک پل کو چپ سا رہ گیا۔

"سوری وہ میں سمجھا بھابھی ہیں۔" وہ یہ کہتا پلٹ گیا تو اس کے جانے کے بعد رومیلہ نے مسکرا کر زونیہ کو دیکھا تھا۔

"خیریت اس میں سوری کرنے والی کون سی بات تھی، تم بھی تو بھابھی ہی ہو نا، لگتا ہے کہ ابھی تک بے چارے کے دل نے اس حقیقت کو تسلیم نہیں کیا۔" اس کی بات پہ زونیہ کے دل نے کہا تھا کہ اس کا منہ توڑ دے لیکن رات کے اس پہر وہ کوئی تماشا نہیں چاہتی تھی اس لئے خود پہ کنٹرول کرتی اپنا کپ اٹھا کر کمرے میں آ گئی۔

☆☆☆

وہ آخری پیپر دے کر باہر نکلی تو ڈرائیور کے بجائے ذوہیب کو دیکھ کر اس کے ماتھے پہ بل پڑ گئے تھے وہ کچھ بھی بولے بغیر فرنٹ ڈور کھول کر بیٹھ گئی تو اس کے بیٹھتے ہی ذوہیب نے گاڑی آگے بڑھا دی، وہ جو ذوہیب کی طرف سے رخ موڑے باہر دیکھ رہی تھی یہ احساس ہوتے ہی کہ گاڑی گھر کے راستے پہ نہیں جا رہی تھی جھٹکے سے رخ پھیر کر ذوہیب کو دیکھا تھا۔

"یہ آپ کہاں جا رہے ہیں۔" اس نے ماتھے پہ تیوری چڑھا کر قدرے سخت لہجے میں ذوہیب سے استفسار کیا تھا لیکن اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتا اس کا فون بجنے لگا تھا۔

"پاپا ہم پانچ منٹ میں پہنچ رہے ہیں بس تھوڑی ہی دور ہیں، شابی لالہ کیسے ہیں اب؟" فون کان سے لگاتے ہی وہ تیز تیز بولا تھا دوسری طرف پتہ نہیں کیا کہا گیا تھا کہ اس نے گاڑی کی سپیڈ بڑھا دی تھی زونیہ تو شابی لالہ کا نام سنتے ہی تڑپ اٹھی تھی۔

"کیا ہوا ہے میرے لالہ کو اور یہ ہم کہاں جا رہے ہیں۔" اس کا تو جیسے دل بیٹھنے لگا تھا۔

"آپ بتا کیوں نہیں رہے ہیں مجھے، کیا ہوا ہے شابی لالہ کو۔" ذوہیب کو خاموش دیکھ کر اس کا دل ڈوبنے لگا تھا تو وہ چیخ پڑی۔

"بہرے ہو گئے ہیں آپ سنائی نہیں دے رہا ہے آپ کو میں کچھ پوچھ رہی ہوں آپ سے؟" ذوہیب نے اس کے زرد ہوتے چہرے کو دیکھا تھا۔

"زونی پلیز خود کو سنبھالو کچھ نہیں ہوا ہے لالہ کو بس معمولی سا ہارٹ اٹیک ہوا ہے اب وہ ٹھیک ہیں ابھی پاپا کا فون تھا وہ بتا رہے تھے کہ شابی لالہ اب بالکل ٹھیک ہیں۔" ذوہیب کی بات پہ وہ بے یقینی سی اس کو دیکھے گئی پتا نہیں ٹھیک نہیں ہیں، اسے لگ رہا تھا کہ کچھ بہت برا ہونے والا ہے اس کا دل کچھ بہت غلط ہونے کی گواہی دے رہا تھا پھر اس کے دل کا کہا سچ ثابت ہو گیا تھا، جب وہ ہاسپٹل پہنچے تھے تب تک شابی لالہ اس دنیا سے جا چکے تھے وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے ان کے بے جان وجود کو دیکھ کر نفی میں سر ہلاتے ہوئے پیچھے ہٹنے لگی تھی اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا تھا، اسمارہ بھابھی اس کی سمت بڑھی تھیں لیکن وہ لہرا کر نیچے آ رہی تھی۔

(باقی آئندہ ماہ)

"اُف کیا مصیبت ہے۔" اریز حسان آفس جانے کے لئے بالکل تیار کھڑا تھا جب اس نے گیٹ سے امل بریر کی گاڑی داخل ہوتے ہوئی دیکھی اور اسے دیکھتے ہی اریز حسان کوفت میں مبتلا ہوتا جارہا تھا وہ نیچے لاؤنج میں جانے کا ارادہ ترک کرکے وہیں کمپیوٹر ٹیبل کے سامنے براجمان ہوگیا، گو کہ یہ سب بے سود تھا۔

"ہائے...... ہیلو ہینڈسم۔" دروازے کو ایک بار ناک کرنے کی فارمیلٹی پوری کرنے کے بعد وہ طوفان کی طرح اندر داخل ہوئی تھی اور اریز حسان پر عجیب بے زردی طاری ہونے لگی تھی۔

"فنٹاسٹک، یو آر للکنگ کول، کہیں جانے کا ارادہ ہے؟" اس کی پیشانی پر پھیلے شکنوں کے جال کی پرواہ کیے بغیر وہ توصیفی انداز میں بولی۔

"ہاں آج آفس میں ایک ارجنٹ میٹنگ کال کی ہے، وہی اٹینڈ کرنی ہے۔" کھردرے لہجے میں جواب دیتا وہ اسے مکمل نظر انداز کرگیا، بریف کیس اٹھایا اور باہر نکل گیا، ایک پل کے لئے اس انسلٹ پر امل بریر کی سونے کی طرح دمکتی رنگت متغیر ہوئی تھی مگر اگلے ہی لمحے وہ خود کو سنبھالتی اس کی معیت میں لاؤنج میں چلی آئی، ملازمہ ڈائننگ ٹیبل پر ناشتہ سرو کرچکی تھی۔

"یہ کیا بات ہوئی اریز، ایک ہفتہ اسلام آباد لگا کر آئے ہو، خود سے تو شکل دکھانے کی زحمت نہیں کی اب جو میں اپنی نیند قربان کرکے خود ہی یہ فریضہ انجام دینے آئی ہوں تو موصوف کے مزاج ہی نہیں ملتے۔" وہ مصنوعی خفگی آنکھوں میں بھر کر بولی۔

بلیک لانگ شرٹ اور ٹراؤزرز میں ملبوس بلاشبہ وہ مجسمہ حسن لگ رہی تھی شولڈر کٹ سیاہ بالوں کی لچک نے جیسے چاند کو بادلوں کے ہالے میں مقید کردیا تھا، سنہری موتیوں کی طرح چمکتی شفاف اور غلافی آنکھیں اس کے اندر کی سچائی کی ترجمان تھیں، وہ بے حد حسین تھی، اریز حسان نے طائرانہ نگاہوں سے اس کا جائزہ لیا، مگر حسن کبھی بھی اریز حسان کی ضرورت نہیں رہا تھا۔

"میں واقعی بہت بزی ہوں امل، میرے پاس ناشتے کے لئے بھی ٹائم نہیں ہے اور جب تمہیں معلوم ہے کہ مما اور پاپا دونوں آؤٹ آف کنٹری ہیں اور میں تنہا ہوں گھر پر، پھر تم اتنی بے باکی سے مجھ سے ملنے کیوں چلی آئی؟" نا چاہتے ہوئے بھی اس کا لہجہ اور نگاہیں مرتعش ہو چلی تھیں، ایک لمحے کے لئے امل بریر بری طرح گڑبڑائی تھی۔

"مجھے نہیں پتہ تھا کہ آنٹی گھر نہیں ہیں ورنہ میں کبھی نہیں آتی۔" وہ نظریں جھکا کر بولی جیسے اپنی غلطی کا اعتراف کررہی ہو۔

"اوہ پلیز ڈونٹ بی فیک (منافق مت بنو)۔"

"تمہیں سب پتہ رہتا ہے۔" وہ ہتک آمیز انداز میں بولا۔

"گاڑی لو اور واپس چلی جاؤ میں تم سے بات کرنے کے موڈ میں بالکل نہیں ہوں۔" اسے حق دق چھوڑ کر وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا گلاس ڈور دھکیل کر باہر نکل گیا، امل بریر حیرت و غصے کی عملی تفسیر بنی کھڑی تھی، اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ اس ایک ہفتے میں ایسا کیا ہوگیا کہ اریز حسان اس سے اس قدر بے زار نظر آرہا ہے، اس کی نظریں ہی نہیں، زبان بھی شعلے اگل رہی تھی، اس کی شفاف آنکھوں میں آنسو بڑی تیزی سے جمع ہونے تھے، جنہیں بہت بے دردی سے اس نے رگڑ ڈالا، وہ تقریباً بھاگتی ہوئی گاڑی تک آئی اور اریز ہاؤس سے گاڑی نکال کر فل اسپیڈ پر چھوڑ دی۔

☆☆☆

حسان کمال اور بریر علی کے برسوں پرانے فیملی ٹرمز تھے، گزرتے وقت کے ساتھ امل بریر اور اریز حسان نے اس روایت کو برقرار رکھا تھا اریز حسان جدید دور کے تقاضوں کو پورا کرتا ایک وجیہہ و شکیل اور بھرپور جوان تھا جس کی ذہانت کی چمک اس کی نگاہوں میں صاف دکھائی دیتی تھی، امل بریر بھی نازک سی چھوٹی موٹی سی بہت خوبصورت لڑکی تھی مگر امل بریر کے لئے اس نے کبھی کوئی خاص جذبہ محسوس نہیں کیا تھا اور اس کے عادات و خصائل پر بھی توجہ نہ کی تھی۔

بچپن سے اب تک زوباریہ (اریز کی مما) کی اپنی زندگی اور مصروفیات تھیں اریز حسان کو پیدا کرکے انہوں نے گویا احسان عظیم کیا تھا، اسے گورنس کے حوالے کرکے وہ اپنے ہر فرض سے سبکدوش ہو بیٹھی تھیں، سالانہ امتحان کی رپورٹ پر دستخط کرکے اور اریز حسان کے اکاؤنٹ میں مخصوص رقم جمع کرواکے وہ سمجھتی تھیں کہ انہوں نے اس کی ہر ضرورت پوری کردی تھی، دھن دولت سے اس کی مادی ضروریات تو بلاشبہ پوری ہورہی تھیں مگر ممتا کی توجہ اور فکر کا جو خلا اس کے اندر نمو پارہا تھا اس کا کوئی نعم البدل نہیں تھا، تشنگی کا یہ احساس جو اس کے وجود میں سمایا تو لڑکپن سے سفر کرتا شباب کی دہلیز پر قدم رکھنے تک اس کے اندر بہت مضبوطی سے پنجے گاڑ چکا تھا، اسے ہائی سوسائٹی کی مصنوعی خول چہروں پر سجائے، گھر کی فکر سے آزاد، بے مقصد زندگی کی طرف بھاگتی، نمود و نمائش میں برتری کی جنگ لڑتی، مادیت پرستی کے خمیر سے گندھی عورتوں سے عجیب سی نفرت اور بے زاری محسوس ہونے لگی تھی۔

جب حسان کمال نے شریک سفر کے طور پر امل بریر کا نام اس کے سامنے رکھا تو اسے لگا ایک اور اریز حسان بے بسی اور تشنگی کے کسی ویران کونے میں جنم لینے جارہا ہے، جو خلا اس کے اندر بن گیا تھا وہ اسے اپنی اولاد کی وراثت بنتے نہیں دیکھنا چاہتا تھا اور امل بریر اسی ماحول کی پروردہ تھی اس سے شادی کا مطلب تھا کہانی ایک بار پھر دہرائی جانے والی تھی، امل بریر ایسی ہی تھی، لجاجت، شرم و حیا اور معصومیت جیسے لطیف جذبات سے بے بہرہ، دکھاوے اور پیسے کی دوڑ میں بھاگتا ایک کردار۔

وہ کسی طرح بھی اس کے ذہن کے پردے اور تخیل میں بنی تصویر پر پوری نہیں اترتی تھی، اس نے ہمیشہ لجائی شرمائی اور موم کی گڑیا جیسی لڑکی کو اپنے تخیل کے کینوس پر اتارا تھا، جو اس نمود و نمائش سے پاک تھی جو مادیت پرستی سے آزاد تھی، جس کی اولین توجہ بدلتے فیشن یا اسٹاک ایکسچینج کے ریٹس کی طرف نہیں تھی، ایسی عورت جو اپنے شوہر اور بچے کی فکر میں ہلکان رہتی ہے، ایسی عورت کا مجسمہ اسے پرسکون رہنے میں مدد دیتا تھا۔

تب ہی اس نے بلا سوچے سمجھے انکار کردیا، حسان کمال کی سرتوڑ کوشش کے باوجود اس کا انکار، اقرار میں نہیں بدلا، برسوں کی دوستی، بزنس ٹرمز اور امل بریر کے جذبات کچھ بھی اس کے لئے اہم نہیں تھا، دوستی کا اک احساس جو ان کے درمیان تھا، حسان کمال کے امل بریر کے لئے پرپوزل کے بعد وہ بھی بے حسی اور غلط فہمی کی مٹی تلے دفن ہوگیا، اسی لئے اس نے امل بریر سے ایک ہفتے کے لئے اسلام آباد جانے کا بہانہ کردیا تھا اور اب جب ایک بار پھر وہ اس کے سامنے تھی تو وہی ساعتیں اس کی سماعتوں میں گردش کرنے لگیں تھیں، اسے کچھ بھی سمجھنے کا موقع دیئے بغیر

اپنی ساری بے زاری اور الجھن اس پر الٹ کر اریز حسان جا چکا تھا۔

☆☆☆

کتنے ہی شب و روز بیت گئے، وہ اس کی طرف سے معذرت کی منتظر تھی کہ شاید وہ اپنے غیر اخلاقی رویے پر کچھ نادم ہو مگر انتظار، انتظار ہی رہا اور جب آج صبح بریر علی نے اریز حسان کے ساتھ اسے منسوب کرنے کا عندیہ سنایا تو وہ اس کی تلخی بے زاری اور غصہ سب فراموش کر گئی، مگر اب اریز حسان کا سامنا کرتے ہوئے اسے عجیب سی جھجک محسوس ہو رہی تھی، باب طفل سے پنپتی محبت، اب شدت کی شوریدہ سری اختیار کر کے لینے کو بے تاب تھی جن جذبات کو اس نے ہمیشہ دل کے نہاں خانوں میں پنہاں رکھا تھا انہیں عیاں کرنے کو دل مچل اٹھا تھا، امل بریر کے ہونٹوں پر مسکان قیام کر گئی تھی لبوں پر لطیف سے نغمے گنگنا اٹھے تھے، اس کے روم روم سے خوشی پھوٹ رہی تھی، دل اس لئے احساس کے ساتھ اریز حسان کو دیکھنے کو بے چین تھا اور پھر شاید اس کی مراد بھر آئی تھی، ''ون یائٹ'' کی مخصوص ٹون موبائل پر بپ کرنے لگی تھی اور سکرین پر بلنک کرتا اریز حسان کا نام اس کی دھڑکنوں کو منتشر کرنے کا کافی تھا وہ سامنے نہیں تھا مگر امل بریر سے لیس کا بٹن پریس نہیں ہو رہا تھا، اس کی رنگت میں سرخیاں گھلنے لگی تھیں، اپنی بے ترتیب دھڑکنوں کو قابو میں لاتی وہ لیس کا بٹن پریس کر گئی۔

''ہیلو!'' اس کی پلکیں لرز رہی تھیں ایک ہاتھ سے موبائل تھامے دوسرا ہاتھ دل پر رکھے وہ کوئی خوبصورت نوید سننے کی منتظر تھی۔

''ہیلو امل! میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔'' دوسری طرف اس کی عجلت بھری آواز موصول ہوئی۔

''اوکے۔'' وہ بمشکل جواب دے پائی۔

''ٹھیک ہے میں تمہیں ایک گھنٹے تک پک کرتا ہوں۔'' اسی تیزی سے ہدایت جاری کرتا اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر اس نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

سورج مغرب کے کناروں میں ڈوب کر نارنجی کرنیں افق پر پھیلا کر الوداع کہہ چکا تھا۔

امل بریر کی آنکھوں میں سجے سپنے تعبیر حاصل کرنے جا رہے تھے، مارے خوشی کے اسکے پیر زمین پر نہیں لگ رہے تھے، بدلتے رشتے کے احساس نے دل کی دھڑکن کی لے بھی بدل دی، وہ بہت دل سے تیار ہوئی تھی۔

بلیک اور گرین کمبی نیشن کا ٹراؤزرز اور شرٹ زیب تن کیے نیچرل میک اپ اور لائٹ جیولری سمیت وہ بہت پرکشش اور خوب صورت لگ رہی تھی، ٹھیک ایک گھنٹے بعد ''گرے کرولا'' بریر پیلس کے گیٹ کے سامنے تھی، ہائی ہیل پر پھسلتے اپنے بانکپن سے لبریز قدموں کو سنبھالتی وہ جلدی سے گیٹ تک پہنچی، بلیک ٹو پیس میں ملبوس وہ ناقابل تسخیر شخص اس کی سانسیں منجمد کر گیا، وہ فرنٹ ڈور کھولے اس کا منتظر تھا، چور نگاہوں سے اسے دیکھتی وہ فرنٹ سیٹ پر ٹک گئی، مگر اریز حسان نے بھولے سے بھی ایک نگاہ اس پری پیکر لڑکی پر ڈالنا گوارا نہیں کی تھی، فرط جذبات میں ڈوبی امل بریر کو اس کی کج ادائیوں کی خبر ہی نہیں ہوئی، پلکوں کی لرزش سنبھالتی، تو ہونٹوں کی کپکپاہٹ پریشان کر دیتی، مگر گاڑی میں موجود دوسرا نفس اس معصوم سی لڑکی کے وجود میں ہلچل سے قطع بے خبر تھا۔

''اترو۔'' اس کی آواز نے اس کو چونکا دیا۔

وہ کچھ متذبذب سی گاڑی سے اتر آئی،

تاریکی نے ہر شے کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا، شام کے بڑھتے سائے شب سے ملن میں مگن تھے، پودے اور درخت یوں ساکت تھے جیسے زندگی سے ناطہ توڑ چکے ہوں کبھی کبھی ہوا کے پھریرے ان کی پرسکون شاخوں میں سرسراتے اور مسکرا کر آگے بڑھ جاتے، یہ ایک طویل تارکول کی سڑک تھی، جہاں ٹریفک نا ہونے کے برابر تھی، دونوں اطراف میں بلند و بالا درختوں کی راجدھانی تھی، وہ اس جگہ آنے کا مطلب سمجھ نہیں پائی تھی، مگر پھر بھی اس کے پیچھے ہولی۔

''تمہیں میرے ساتھ یہاں ڈر نہیں لگ رہا؟''

امل بریر ابھی اس کی جگہ کے انتخاب کی حیرت سے ہی نکل نہیں پائی تھی کہ اس کے سوال نے اسے مزید حیران کر دیا۔

''کیا مطلب؟ میں تم سے کیوں ڈروں؟'' اس کی بڑی بڑی آنکھیں پھیل گئیں جن میں یکے بعد دیگرے کئی سوال امڈ آئے تھے۔

''تمہاری جگہ اگر کوئی مڈل کلاس لڑکی ہوتی تو رات کو تو کیا دن میں بھی تنہا میرے ساتھ آنے پر راضی نہ ہوتی۔'' وہ عجیب لہجے میں بولا، ایک لمحے میں ذلت کے احساس نے اس لڑکی کو سرخ کر ڈالا تھا۔

''تم مجھے یہاں دوسرے لوگوں کے ساتھ کمپیئر کرنے کے لئے لائے ہو، تم مجھے کیا باور کروانا چاہتے ہو۔'' وہ الجھ کر بولی۔

''ہماری فیملیز میں آج کل کرنٹ ایشو کیا ہے، یقیناً تمہارے علم میں بھی ہو گا۔'' اس نے بات کا آغاز کیا، جواباً وہ گردن جھکا گئی، اس کے رخسار نجانے کیوں تپ اٹھے تھے، پلکیں انجانے بوجھ تلے جھکی جا رہی تھیں، مگر اریز حسان کے پاس شرم و حیا کے یہ نظارے دیکھنے کا وقت کہاں تھا۔

''میں یہ شادی نہیں چاہتا۔'' اس نے بڑے سکون سے اس کے نازک جذبوں کو اپنے لفظوں کی تختی سے کچلا۔

''واٹ، آر یو سیریس۔'' اسے چار سو وولٹ جیسے کرنٹ لگا تھا۔

''اس میں مذاق کی کوئی بات نہیں امل، میں نے جیون ساتھی کے روپ میں تمہیں کبھی نہیں دیکھا، کبھی نہیں سوچا، میرے ذہن میں میری شریک سفر کا جو مجسمہ ہے تم اس کے آس پاس بھی نہیں ہو۔''

''میں خود کو تمہارے مطابق ڈھال لوں گی۔'' نگاہوں میں امید و یاس کے جگنو چمک رہے تھے، امل بریر کی پلکوں کی لرزش میں اضافہ ہوا تھا، اس کے قدموں نے توازن برقرار رکھنے سے انکار کر دیا تھا، وہ خاموشی سے ایک طرف رکھے سنگی بینچ پر بیٹھ گئی۔

''پاپا نہیں مان رہے امل، وہ ہر صورت تمہیں ہی بہو بنانا چاہتے ہیں، مگر مجھے یہ منظور نہیں، تم انکار کر دو گی، تو پاپا کچھ بھی سٹریس مجھے نہیں دے پائیں گے۔''

''کیوں...... اریز...... انکار کس لئے۔'' آنسوؤں کا پھندا حلق میں اٹک کر چھید کرنے لگا تھا، شدت گریہ سے وہ جملہ بھی مکمل نہیں کر پائی تھی۔

''امل پلیز مجھے فورس مت کرنا، زبردستی کے رشتے بربادی اور ناآسودگی کے علاوہ کچھ نہیں دیتے، تم جیسی جدت کی دوڑ میں دوڑتی لڑکی کبھی میرا خواب نہیں رہی، مجھے ایسی لڑکی سے شادی نہیں کرنی جو مجھ سے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرتے ہوئے ہچکچائے نہیں، جسے میری ضرورت سے زیادہ اپنی مصروفیات سے پیار ہو،

جس کے لباس سے لے کر انداز و اطوار اور عادات تک مجھے ناپسند ہوں، جسے چھوٹی چھوٹی خواہشیں محسوس کرنی نہ آتی ہوں، جو ایسی نسل کو جنم دے جو لاپرواہی اور تشنگی کے سائے میں پروان چڑھے، مجھے احساسات، معصومیت، سادگی اور شرم و حیا کے خمیر سے گندھی لڑکی سے شادی کرنی ہے نا کہ تم سے، میں تمہارے ساتھ نہیں رہ سکتا، تمہیں دیکھ کر مجھے عجیب سی نفرت محسوس ہوتی ہے، مجھے اپنا مستقبل کسی ویران تاریک سائے سے منسوب ہوتا دکھائی دیتا ہے۔“

امل بریر کی نوخیز محبت بڑی تیزی سے چٹیل ویران صحرا میں تبدیل ہوئی تھی، یعنی امل بریر کی تفسیر اس نے لاپرواہی، بے حسی، جدت پسندی، بے حیائی اور بے باکی سے کی تھی، اس کا جی چاہا تھا کہ اریز حسان کا چہرہ طمانچوں سے سرخ کر ڈالے، مگر وہ ایسا نہیں کر سکی اس کی پست سوچ پر چار باتیں بھی سنا نہیں پائی تھی۔

”کون ہے وہ؟“ بہت دھیمی اور گلوگیر آواز میں اس نے استفسار کیا۔

”اسامہ کی کزن ہے۔“ اس نے اپنے ایمپلائی کا نام لیا۔

”میرے سپنوں اور خیالوں کے عین مطابق، ویسے تو لوئر مڈل کلاس کی پروردہ ہے لیکن ان خصوصیت سے بہرہ مند ہے جن کی مجھے پیاس ہے وہ میرے اندر بڑھتے خلا کو بانٹ لے گی، اس کی نگاہوں میں عجیب سا تقدس ہے، وہ مجھے دیکھتی ہے تو مجھے لگتا ہے میں اس میں ڈھل کر پاک ہو گیا ہوں۔“ نیزے کی کوئی انی تھی جو امل بریر کے دل میں لگی تھی، اس کا نازک سا دل اس کی باتوں کی سختی سے چھیدا جا رہا تھا۔

”یقیناً وہ بہت خاص ہے جسے اریز حسان نے منتخب کیا ہے، میری دعا ہے تمہیں وہ سب ملے جس کی تمہیں اس سے توقع ہے، زندگی میں جب جب تمہیں کامیابیاں نصیب ہوں تو یاد رکھنا دو ہاتھ ہمیشہ تمہاری خوشیوں کے لئے دعا میں اٹھیں گے۔“

اس پورے دورانیے میں اس نے پہلی بار نگاہ اٹھا کر دیکھا تھا اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کا سمندر موجزن تھا، ان میں عجیب سی بے بسی تھی، شکست کا رنگ بہت نمایاں تھے، درد کی شدت نے آنکھوں کے پردے سرخ کر ڈالے تھے دو شفاف قطرے اس لڑکی کے عارض بھگو گئے۔

”اوہ پلیز یہ رونا دھونا تمہیں سوٹ نہیں کرتا امل! اینڈ وٹ ڈو یو تھنک امل تمہارے ان سو کالڈ آنسوؤں سے میں پگھل جاؤں گا، امپاسبل۔“ وہ بے حسی کی ہر حد پھلانگ گیا، ایک جان لیوا کرب تھا جو امل بریر کے رگ و پے میں سرایت کر گیا، اس کے آنسوؤں میں کچھ اور شدت آ گئی تھی۔

”یقیناً وہ لڑکی بہت خاص ہے جس نے اریز حسان کو تسخیر کر لیا، اسے بہت خوش رکھنا۔“ وہ آنسوؤں کے درمیان مسکرائی تھی، اس کے پرکشش خدوخال پرسوز حسن میں جیسے چاند کو بھی گہنا رہے تھے، وہ چند لمحے اریز حسان کو شکوہ کناں نگاہوں سے دیکھتی رہی اور پھر اٹھ کر چل دی، ہتھیلی کی پشت سے آنکھوں کو رگڑا اریز حسان کا دل کہیں گہرائی میں ڈوب کر ابھرا تھا اس کی چال کی لڑکھڑاہٹ نے اسے لمحوں میں نادم کیا تھا۔

”چلو میں تمہیں چھوڑ دیتا ہوں۔“ وہ اس کے تعاقب میں چلا آیا۔

”تم مجھے چھوڑ چکے ہو اریز حسان۔“ وہ ذو معنی انداز سے مسکرائی اور پھر لب بھینچ لیے۔

”رات گہری ہو رہی ہے امل، تمہارا اکیلے جانا مناسب نہیں۔“

”میں ہائی سوسائٹی کی پروردہ ہوں مسٹر اریز حسان، جب آپ کو ان کے بارے میں اتنا پتہ ہے تو یہ بھی معلوم ہوگا کہ وہ کسی مرد سے ڈرتی ہیں نہ شب کی تاریکی سے ہراساں ہوتی ہیں، وہ بہت نڈر اور بے باک ہوتی ہیں۔“ وہ استہزائیہ مسکرائی، جیسے اپنا تمسخر اڑا رہی ہو، اریز حسان میں اس کے مقابل چلنے کی ہمت بھی نہ تھی، لمحہ بہ لمحہ اس کی شبیہ اریز حسان سے دور ہوتی جا رہی تھی، بہت دیر تک وہ یک ٹک اسے دیکھے گیا اور پھر گاڑی میں آ کر بیٹھ گیا، اچانک سرخ چمکتے ریپر میں لپٹے گفٹ نے اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کروائی، جو وہ یقیناً اریز حسان کے لئے لائی تھی۔

☆☆☆

”آج پیرنٹس ڈے ہے عشا، ٹائم سے پہنچ جانا، میں بھی جلد فارغ ہونے کی کوشش کروں گا۔“

ٹائی کی ناٹ کستے ہوئے اریز حسان نے ہدایت جاری کی، عشا ذرا سا کسمسا کر اٹھ بیٹھی، بکھرے بالوں کو سمیٹا اور بے زاری سے بولی۔

”میں آج فری نہیں ہوں آپ چلے جائیں۔“ اس کی بات سن کر اریز حسان کو شدید غصے نے اپنی لپیٹ میں لیا تھا۔

”تبریز کے سکول میں فنکشن ہے عشا جو تمہاری فضول ایکٹویٹیز سے کہیں زیادہ امپورٹنٹ ہے، مجھے توجہ مت دو مگر تبریز کے بارے میں تمہاری غفلت میری برداشت سے باہر ہے۔“

”میں نے آپ سے شادی آبادی بڑھانے کے لئے نہیں کی، میری بھی کچھ خواہشات ہیں جنہیں پورا کرنا میرا حق ہے، سوچا تھا اتنا امیر کبیر مرد ہے بہت براڈ مائنڈڈ ہوگا، مگر آپ کی ٹپیکل مردوں والی سوچ نے میری ہر خواہش میں روڑے اٹکائے ہیں، ایسی ہی خدمت گزار بیوی چاہیے تھی جو سانس بھی آپ کی مرضی سے لے تو کسی ملازمہ سے شادی کر لیتے جو دو درجن نوکروں کی فوج ہونے کے باوجود آپ کے آگے پیچھے گھومتی رہتی۔“

عشا کی زہر اگلتی زبان نے اریز حسان کو کچھ کہنے کے قابل نہیں چھوڑا تھا اور یہ تو روز کا معمہ تھا، لوئر مڈل کلاس سے تعلق رکھنے والی، خواہشات کی تکمیل کے لئے ترستی یہ لڑکی، جب تالاب سے نکل کر سمندر میں آئی تو ان کے رنگ ڈھنگ اپنانے کی خواہش اور شوق بڑی تقویت سے نمو پانے لگا، جس غلطی سے بچنے کے لئے اس نے ایک نازک دل لہولہان کیا تھا انجانے میں وہی غلطی اس سے سرزد ہو گئی تھی، وہ بھی اسی ماحول کا حصہ بن گئی تھی، وہ تشنگی اور بے بسی ویسے ہی اپنی جگہ موجود تھی بلکہ اس میں مزید اضافہ ہو گیا تھا اور اب تو ایک دل کی محبت کو ٹھکرانے کا بوجھ بھی سینے پر لدا تھا اور وہی اریز حسان اب تبریز حسان کی شکل اختیار کر کے اس تشنگی کے احساس کا خیر مقدم کرنے کے لئے کھڑا تھا۔

زندگی کی سب سے بڑی بازی اریز حسان بہت بری طرح ہارا تھا، اسے اپنا وجود ایک ایسے بچے کی طرح لگا تھا جس نے فتح پانے کے لئے شکست کے راستے کا انتخاب کیا تھا۔

”آج کی شام کو ایک دوست نے ڈنر پر انوائیٹ کیا ہے تیار رہنا۔“ مختصراً مطلع کرتے ہوئے وہ بریف کیس اٹھا کر باہر نکل گیا اور عشا دوبارہ سونے کے لئے لیٹ گئی۔

☆☆☆

”عشا بھابھی آپ یقیناً بور ہو رہی ہوں

گی، ایکچو یئلی امل، محسن کو سلا رہی ہے، یہ اس کے سونے کا ٹائم ہے اور وہ امل کے ساتھ ہی سوتا ہے۔''

سبط نے کچھ شرمندگی و ندامت کے ملے جلے تاثرات سے بتایا اور اپنے سات سال کے بیٹے کے بارے میں بتایا۔

''کوئی بات نہیں۔'' عشا نے شائستگی سے جواب دیا۔

سبط خان پہلی بار عشا سے ملا تھا، مگر اس کے لہجے میں احترام اور اپنائیت بہت نمایاں تھی، جبکہ امل کا نام سن کر کوئی بھولی بسری یاد یا داشت کے پتے پر سرسرانے لگی تھی مگر پھر اس نے خود کو بزنس کی باتوں میں مشغول کرلیا، سبط خان کی کمپنی کا کنٹریکٹ اریز حسان کی کمپنی کے ساتھ فائنل ہوا تھا اور کچھ ہی دنوں میں وہ اچھے دوست بن گئے تھے، پہلی ہی فرصت میں سبط خان نے اریز حسان کو دعوت دے ڈالی جسے کچھ پس و پیش کے بعد اریز حسان نے قبول کرلیا۔

''معذرت چاہتی ہوں آنے میں ذرا دیر ہو گئی۔'' ایک مانوس سی آواز اریز حسان کے کانوں کے پردوں سے ٹکرائی تو اس نے چونک کر نگاہیں اٹھائیں۔

بلیک اور لائٹ ییلو کنٹراسٹ کے شلوار سوٹ میں وہ نکھری نکھری سی یقیناً امل بریر ہی تھی، اس کی آنکھوں کی چمک آج بھی ویسی ہی تھی اس کے ہونٹوں کی مسکان ویسی ہی معصوم تھی یا شاید پہلے سے بھی زیادہ خالص ہو گئی تھی، ایک لمحے کے لئے امل بریر اور اریز حسان کی نگاہوں کا تصادم ہوا تھا اور دوسرے ہی لمحے خود کو کمپوز کرتی وہ سبط خان کے پہلو میں جا کھڑی ہوئی، اس کی آنکھوں میں جگہ بناتی نمی کو محض اریز حسان ہی سمجھ سکا تھا، وہ لاابالی اریز حسان جو روتی ہوئی لڑکی کے آنسو دیکھ کر کچھ سمجھ نہیں پایا تھا آج نگاہوں کے کناروں پر پانی کی چمک سمجھ گیا تھا، اس نمی کو سمجھنے کے لئے اس نے نو سال گنوائے تھے، کچھ پانے کی چاہ میں اس نے امل بریر کو کھویا تھا تو قدرت کیسے عشا کو اس کے لئے انمول بنا دیا، سبط خان کے پہلو میں کھڑی دھیرے دھیرے مسکرائی، اس کی گہری نگاہوں پر سرخ ہوتی اس کی تعریف پر جزبز ہوتی وہ بہت باوقار اور شاندار لگ رہی تھی۔

''میں سوچ رہا تھا اگر ہم وقت سے پہلے پراجیکٹ کمپلیٹ کرلیں تو ہمیں ذاتی طور پر اس کا کافی اچھا رزلٹ مل سکتا ہے۔'' سبط خان نے کہا۔

''اوہ پلیز سبط، اب آپ اس فیملی ڈنر میں بزنس کو مت گھسیٹ لایئے گا۔'' امل بریر نے جلدی سے موضوع شروع ہونے سے پہلے ختم کروا دیا تھا، جبکہ اریز اور سبط کا قہقہہ کافی جاندار تھا۔

''جو حکم جناب۔'' سبط فوراً فرمانبرداری سے بولا۔

''اریز ہماری بیگم صاحبہ آکسفورڈ سے ایم بی اے ہیں، مگر فیملی کے ٹائم کے دوران بزنس کی مداخلت ہرگز برداشت کرتی، محسن کی پیدائش سے پہلے میرے ساتھ آفس آتی تھی مگر محسن کی پیدائش کے بعد امل کی توجہ محض گھر اور محسن پر مرکوز ہو گئی، سچ پوچھو تو مجھے یہ سب بہت اچھا لگا، امل یقیناً ایک آئیڈیل پرسنالٹی ہے۔''

''اس کا مطلب ہے آپ تو بیوی کے غلام ہیں۔'' عشا نے مسکرا کر کہا۔

''بالکل ٹھیک کہا جناب۔'' سبط خان نے پھر امل بریر کو چڑایا جو اسے آنکھیں دکھا رہی تھی۔

''آپ بہت خوبصورت ہیں عشا، یقیناً

اریز حسان جیسے انسان کو آپ ہی سوٹ کرتی ہیں۔" کھانے کے دوران امل بریر نے اس کی تعریف کی، اریز حسان سے نوالہ نگلنا مشکل ہو گیا تھا، اسے لگا تھا وہ خفیف سی چوٹ کر رہی ہے مگر اس کے لہجے میں سادگی اور سچائی کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔

"کھانا بہت لذیز ہے سبط۔"

"کھانے کی تعریف مجھ سے نہیں امل سے کرو اریز، شادی کے بعد سے کچن انہی کے حوالے ہے، پہلے دن ہی امل کو بتایا تھا کہ مجھے تمہارے ہاتھ کے کھانے ہی کھانے ہیں، تب سے امل نے یہ ذمہ داری اٹھائی ہے، اس نے میری خواہش کا بہت احترام کیا ہے اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ امل کے ہاتھ میں بہت ذائقہ ہے۔"

سبط خان اس کی تعریف میں رطب اللسان تھا اور اپنے شوہر کی تعریف پر وہ خوامخواہ سرخ پڑتی جا رہی تھی، اریز حسان کو یاد آیا تھا جب آخری بار وہ اس سے ملی تھی تو اس کے دیکھنے پر یوں ہی گلابی پڑ گئی تھی اس کی نگاہیں یوں ہی جھکی تھیں اور جب اٹھیں تو......

"آپ کافی پئیں گے۔" اس نے اپنی تعریف سے گھبرا کر پوچھا۔

"یس شیور۔" اریز خان نے جواب دیا، وہ چاہتا تھا یہ لمحے طویل ہو جائیں، سبط خان اور امل بریر کے گھر میں عجیب سا سکون اور مکمل پن تھا جس کی ہمیشہ اریز حسان نے تمنا کی تھی۔

"آ جاؤ عشا، تم یہاں مرد حضرات کے درمیان بیٹھ کر یقیناً بور ہو جاؤ گی۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی تو عشا اس کے ساتھ کچن میں چلی گئی۔

☆☆☆

"اُف کتنا بور ڈنر تھا، یہ عورت کتنی خوبصورت ہے مگر حد سے زیادہ بے وقوف آپ کو پتہ ہے مجھے بتا رہی تھی کہ اپنے شوہر کے تمام کام وہ اپنے ہاتھوں سے کرتی ہے، کوکنگ بھی خود کرتی ہے، پارٹیز وغیرہ کا شوق نہیں، کوئی سوشل ورک کوئی ایکٹویٹی یا بزنس کی مصروفیت نہیں، زیادہ تر گھر پر ہی رہتی ہے، آکسفورڈ سے ایم بی اے کیا ہے مگر کہتی ہے بزنس سے زیادہ فیملی پر توجہ دینا اچھا لگتا ہے، ایلیٹ کلاس کی پہلی عورت ہے جو فیملی بنانے کے چکر میں ہلکان ہے۔"

بلا تھکان عشا بولتی جا رہی تھی، اس کے نزدیک امل بریر سب سے بے وقوف لڑکی تھی جو مڈل کلاس عورتوں کی طرح شوہر اور بچوں کے درمیان گھن چکر بنی ہوئی تھی، اریز حسان نے گھر پہنچتے ہی اسٹڈی کا رخ کیا تھا، جبکہ عشا تھکنے کا شور مچاتی ہوئی سونے جا چکی تھی۔

نو سال پرانا تحفہ جو اس نے یوں ہی کیبنٹ میں لا کر لاپرواہی سے پھینک دیا تھا آج اس نے کھول کر دیکھا، اسے اس تحفے سے امل بریر کو خوشبو آ رہی تھی۔

"میں خود کو تمہارے مطابق ڈھال لوں گی۔" اس کی سرگوشی اریز حسان کے آس پاس گونجی، اس کے دل میں درد کی شدید لہر اٹھی تھی، اس عورت کا مکمل پن نجانے کیوں اریز حسان کو اندر سے خالی کرتا جا رہا تھا، اسے قدرت نے اچھا آئینہ دکھایا تھا، جس کے پیچھے وہ بھاگتا رہا وہ دیوانے کا خواب تھا اور جسے ٹھکرا کر محرومیوں کا مقدر بنایا وہ حقیقت تھی۔

اس کے وجود میں ہولے ہولے فولادی ضربیں ٹکرا رہی تھیں، کسی نے اس کا دل مٹھی میں لے کر بھینچ ڈالا تھا، امل بریر کی نگاہوں کی چمک نے اس کے وجود کو تاریک کر ڈالا تھا، ندامت کی کوئی شدت تھی جو بڑھتی ہی جاتی تھی، درد کا کوئی سفر تھا جو طویل ہونے جا رہا تھا۔

اس نے لرزتے ہاتھوں سے سرخ ریپر کھولا، اندر اس کا مخصوص کلون تھا جو وہ استعمال کرتا تھا، جس میں بہت خوبصورت ہینڈ رائٹنگ میں کچھ تحریر تھا، اس کی آنکھوں کی نمی نے اس تحریر کے عکس کو دھندلا کر ڈالا تھا، پھر دھندلائی آنکھوں سے اس نے ان الفاظ کو پڑھنا شروع کیا۔

بے حس ہیں یہاں لوگ
وفا سوچ کے کرنا
ہم جیسے وفاداروں کو
خفا سوچ کر کرنا
گل شاخ سے بچھڑے تو
کہیں کا نہیں رہتا
تم ذات میری خود سے
جدا سوچ کے کرنا
اک بار جو روٹھے تو
منا تم نہ سکو گے
بے لوث فقیروں سے
جفا سوچ کے کرنا
روؤں گے بہت ہم سے
بچھڑ کر اے دوست!
یہ عشق کے سجدے ہیں
قضا سوچ کے کرنا

وہ آخری لمحہ پوری جزئیات سمیت اس کے ذہن کے پردے پر گھوم گیا، اریز حسان نے بہت کرب سے آنکھیں موند لیں، لیکن بند آنکھوں میں بھی تھیں تو وہ بھیگی آنکھیں اور گلابی چہرہ۔

☆☆☆

اچھی کتابیں پڑھنے کی عادت ڈالیئے

ابن انشاء

اردو کی آخری کتاب	1[illegible]5/-
خمار گندم	200/-
دنیا گول ہے	225/-
آوارہ گرد کی ڈائری	200/-
ابن بطوطہ کے تعاقب میں	200/-
چلتے ہو تو چین کو چلیے	130/-
نگری نگری پھرا مسافر	[illegible]5/-
خط انشاء جی کے	200/-
بستی کے اک کوچے میں	[illegible]/-
چاند نگر	165/-
دل وحشی	165/-
آپ سے کیا پردہ	250/-

ڈاکٹر مولوی عبدالحق

قواعد اردو	200/-
انتخاب کلام میر	60/-

ڈاکٹر سید عبداللہ

طیف نثر	160/-
طیف غزل	120/-
طیف اقبال	120/-

لاہور اکیڈمی، چوک اردو بازار، لاہور

فون نمبرز: 7321690-7310797

مختصر زندگی اک لمبا خواب

مبشرہ ناز

زندگی مختصر ہے اور خواب لمبے
یا پھر خواب مختصر ہے اور زندگی لمبی
یا پھر گلے شکوؤں کی ایسی دیوار
جو اٹھتی ہے تو اٹھتی چلی جاتی ہے
یا پھر رات کی تاریکی ہے
جو بڑھتی ہے تو بڑھتی چلی جاتی ہے
تنہائی و بد اعتمادی اور تنہائی
اور اتنی ہی دیر میں
زندگی ختم ہو جاتی ہے

ناولٹ

ہاسپٹل کے ٹھنڈے فرش پہ آئی سی یو کے پار نظریں جمائے عمر عباس نے نچلے ہونٹ کو دانتوں تلے اتنی زور سے دبایا تھا کہ خون کا ذائقہ منہ میں گھلنے لگا مگر وہ ہر چیز سے بے نیاز سی یو کے گلاس وال پہ نظریں جمائے کھڑا تھا یوں کہ اگر ذرا سی ہی نظر چوکی تو منظر بدل نہ جائے کیونکہ آج اس پہ منکشف ہوا تھا کہ دیوار کے اس پار لیٹا وجود اس کے لئے کتنی اہمیت کا حامل ہے، زندگی میں بعض لوگ بظاہر لاپروا اور معصوم نظر آتے ہیں مگر یہ لاپرواہی دراصل ان کی وہ محبت ہوتی ہے جسے وہ اپنے محبوب سے چھپانے کے لئے لاپرواہی کا لبادہ اوڑھتے ہیں، اس کے چہرے پہ پھیلی معصومیت بھی اس بات کی گواہ تھی کہ شیشے کے پار لیٹی وہ معصوم، سادہ، نازک اور بے پرواہ لڑکی عمر عباس کی محبت میں پور پور ڈوبی ہوئی تھی جسے عمر عباس کے رویوں نے نازک شیشے سے ذات پنہاں بنا دیا تھا اور قسمت کی ستم ظریفی یہ تھی وہ بھی عمر عباس کو اس بات سے آگاہ نہ کر سکی اور عمر عباس کو جب تک اس کی محبت سے آگاہی ہوئی وہ موت اور زندگی کے بیچ قدم رکھ چکی تھی موت اسے اپنی طرف بلا رہی تھی جبکہ عمر عباس اس کی زندگی کا خواہاں تھا وہ اس معصوم بولتی مینا کو بتانا چاہتا تھا کہ وہ عباس ہاؤس کی رونق ہے اس

کے بغیر عباس ہاؤس کل بھی ویران تھا اور آج بھی ویران ہے اور اس ویرانی کو صرف نیہا سلیمان ہی دور کر سکتی ہے، وہ اپنی سوچوں میں گم تھا جبھی اسے اپنے شانے پہ کسی ہاتھ کا لمس محسوس ہوا اس نے مڑ کر دیکھا وہ طاہر عباس تھا۔

”پلیز عمر بھائی آپ گھر چلے جائیں میں ان کے پاس ہوں۔“

”نہیں طاہر جب تک یہ مجھ سے بات نہیں کرے گی میں یہاں سے نہیں جاؤں گا۔“ عمر نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے انکار کیا۔

”پلیز عمر بھائی گھر میں بی جان اکیلی ہیں اور میرے بصد اصرار انہوں نے کچھ نہیں کھایا پلیز آئی ریکوسٹ یو آپ گھر چلے جائیں خود بھی کھانا کھالیں اور بی جان کو بھی کھلا دیں اور تھوڑی دیر آرام بھی کر لیجیے گا۔“ طاہر نے رسان سے سمجھاتے ہوئے اسے گھر جانے کی ہدایت کی تو عمر اسے تحیر سے دیکھتا رہ گیا وہ اس شخص کا بھی مجرم تھا لیکن اس کی آنکھوں میں شکوہ تک نہ تھا بلکہ محبت تھی اور عمر اپنے آپ کو اس محبت کے بوجھ تلے دبتا ہوا محسوس کر رہا تھا جبھی بے ساختہ اس کے گلے لگ گیا ایک دوسرے کے گلے لگ کر دونوں سسکنے لگے تھے، لیکن آنسو دونوں نے ایک دوسرے سے چھپا رکھے تھے، اگر ایک کی محبت تھی، تو دوسرے کی بہن تھی، دوست تھی، طاہر نے عمر کو زبردستی الگ کیا خود کو کمپوز کر کے وہ اسے تھام کر کاریڈور کے آخری سرے تک چھوڑ آیا تھا، عمر نے آخری بار مڑ کر گلاس وال کے پار دیکھا وہ ابھی تک محو خواب تھی، ایسا خواب جس کی تعبیر صرف دعاؤں سے ممکن تھی۔

وہ جس وقت گھر پہنچا عباس ہاؤس کی تمام لائٹیں آف تھیں، پورٹیکو میں گاڑی کھڑی کر کے سیدھا بی جان کے کمرے کی طرف گیا تھا، بی جان جائے نماز پر بیٹھی تھیں تسبیح کے دانے گر رہے تھے اور آنکھوں سے آنسو ان کے دوپٹے کو بھگو رہے تھے، بوڑھی دادی کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر اس کے قدم من من بھر کے ہو گئے وہ دادی جس نے کبھی اس کی آنکھوں کو بھیگنے نہیں دیا آج اسی کی ذات ان کی آنکھوں میں آنسو لانے کا سبب بن گئی تھی۔

”بی جان!“ عمر ان کے پاس دوزانو بیٹھ گیا، بی جان نے چونک کر سر اٹھایا۔

”عمر نیہا کیسی ہے اسے ہوش آ گیا۔“ بی جان نے سوال کیا اور ان کے سوال پر عمر کی گردن مزید جھک گئی وہ انہیں سونے اور کھانے کی ہدایت کیے بغیر انہیں جواب دیے ان کے کمرے سے نکل گیا، اس کے جواب نہ دینے پر بی جان کی آنکھوں سے دوبارہ آنسو گرنے لگے، راہداری کراس کر کے وہ یکدم اپنے کمرے سے پہلے بنے کمرے کے باہر رک گیا وہ نیہا کا کمرہ تھا عمر بے ساختہ کمرے کی طرف بڑھ گیا اس نے دروازے کی ناب گھمائی دروازہ کھلتا چلا گیا گلابی کلر اسکیم سے سجا وہ کمرہ سادہ ہونے کے باوجود بے حد خوبصورت تھا، گلابی کارپٹ، گلابی فرنیچر اور گلابی ہی پردے ڈالے گئے تھے عمر نے نگاہ گھمائی تو اس کی نظر بیڈ پہ چلی گئی بیڈ پہ اس وقت گلابی چادر بچھی ہوئی تھی ساتھ ہی گلابی رنگ کا ٹیڈی بیئر رکھا ہوا تھا، وہ دھیرے دھیرے چلتا ہوا بیڈ کے سائیڈ پہ آ کر بیٹھ گیا اس کے ہاتھ میکانکی انداز میں بیڈ کی سائیڈ دراز کی طرف بڑھ گئے، دراز کھلتے ہی اس کی نظر جس چیز پہ گئی وہ گلابی رنگ کی ڈائری تھی اس نے ٹرانس کی کیفیت میں وہ ڈائری اٹھائی اور کپکپاتے ہاتھوں سے اس نے ڈائری کھولی کیونکہ اسے یقین نہیں تھا کہ نیہا سلیمان جیسی نظر آنے والی لڑکی اتنی گہری ہو سکتی ہے کہ ڈائری کو راز داں بنا لے ڈائری میں لکھے شعر پہ وہ یکدم ساکت ہوا تھا۔

محبت دشت فرقت میں
بنا رخت سفر چلتے
کسی مجذوب کے دل سے نکلتا ایک نوحہ ہے
محبت راستوں کے جال میں بھٹکا ہوا راہی
کسی کے بام پہ ٹھہرا ہوا اک اجنبی چہرہ
محبت خواب بن جائے تو تعبیریں نہیں ملتیں

وہ محبت جو نیہا سلیمان کی آنکھوں میں خواب کی صورت چھپی تھی اب عمر عباس کو دعاؤں کی صورت میں ان خوابوں کی تعبیر نیہا کو دینی تھیں، عمر نے ڈائری واپس جگہ پہ رکھ کر بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کے پلکیں موند لیں، بند پلکوں کے پیچھے آوازوں اور تصویروں کا مسکن آباد تھا۔

☆☆☆

”عمر بھیا آپ مجھے کالج ڈراپ کر دیں گے۔“ وہ کمپیوٹر میں اپنی ای میلز چیک کر رہا تھا ساتھ ہی تیزی سے چلتے ہاتھ ٹائی باندھ رہے تھے، جبھی اس نے آواز پہ مڑ کر دیکھا سفید یونیفارم پہ پنک دوپٹہ اوڑھے موٹی سی چوٹی دائیں کاندھے پہ جھول رہی تھی جبکہ دوسرے کاندھے پہ شولڈر بیگ ڈالے وہ چہرے پہ ڈھیروں معصومیت اور پریشانی سمیٹے اس سے استفسار کر رہی تھی، عمر نے ایک لمحہ کو رک کر اسے دیکھا اور دوبارہ اپنے کام میں مگن ہوتے ہوئے بولا۔

”سوری آج میری کہیں اور اپائنٹمنٹ ہے پھر مجھے وہاں سے آفس بھی جانا ہے تم طاہر کے ساتھ چلی جاؤ۔“ ساتھ ہی مشورہ حاضر تھا۔

”مگر عمر بھیا وہ بی جان......“ اس نے دوبارہ کہنے کے لیے منہ کھولا تو عمر نے غصے میں ماؤس ٹیبل پہ پٹخ دیا اس کے غصے کو دیکھ کر وہ الٹے قدموں واپس چلی گئی، چہرے پہ پھیلتے آنسوؤں کو اس نے بے دردی سے پونچھا اور طاہر کو پورٹیکو میں کھڑا دیکھ کر وہ بھاگتی ہوئی اس کے پاس چلی گئی جہاں وہ اپنی موٹر بائیک صاف کرنے کے بعد اب اسے اسٹارٹ کر رہا تھا اور اسے ڈر تھا کہ کہیں وہ بھی نہ چلا جائے اور اگر وہ بھی یونیورسٹی چلا گیا تو وہ کالج کس کے ساتھ جائے گا۔

”طاری بھیا!“ اس نے دور سے اسے پکارا۔

”طاری بھیا!“ وہ پھولی سانسوں سے بھاگتی ہوئی اس کے پاس پہنچی تھی۔

”آپ مجھے کالج ڈراپ کر دیں گے۔“ اس نے آنسو بھری آنکھوں سے اس سے پوچھا اسے ڈر تھا کہ مبادا کہیں طاہر بھی انکار نہ کر دے۔

”ہنی تم رو رہی ہو۔“ طاہر نے اسے جواب دینے کی بجائے آنکھوں میں بھرے آنسو دیکھ کر سوال کر ڈالا۔

”نہیں تو بھیا وہ رات کو نیند صحیح سے نہیں آئی ناں تو آنکھوں سے پانی بہہ رہا ہے۔“ اس نے آنکھیں پونچھتے ہوئے بہانہ بنایا۔

”نہیں پہلے تم مجھے سچ بتاؤ ورنہ میں تمہیں کالج نہیں لے کر جاؤں گا۔“ طاہر نے اسے نہ لے جانے کی دھمکی دی تو وہ فوراً بول اٹھی۔

”میں عمر بھیا سے صرف یہ پوچھنے گئی تھی کہ آپ مجھے کالج ڈراپ کر دیں گے تو پہلے انہوں نے انکار کر دیا اور پھر ڈانٹ بھی دیا۔“ اصل بات بتاتے ہوئے اس کی آنکھوں سے دوبارہ آنسو نکل آئے۔

”بے وقوف ہو تم بس اتنی چھوٹی چھوٹی بات پر روتے نہیں ہیں ہو سکتا ہے عمر بھیا واقعی

مصروف ہوں چلو اب بیٹھو ایسا نہ ہو تمہارے ساتھ مجھے بھی یونیورسٹی سے دیر ہو جائے۔‘‘ طاہر نے اس کے گال تھپکتے ہوئے اسے ڈھیر ساری تسلی اور دلاسے دیتے ہوئے بیٹھنے کو کہا اور بائیک آگے بڑھا دی، عمر کی ڈانٹ، پھر طاہر کی تسلی دلاسے کے بعد ٹریفک کے اژدھام سے نمٹ کر اس نے جس وقت کالج گیٹ پہ قدم رکھا نو بجنے میں دس منٹ رہ گئے تھے، وہ بھاگم بھاگ دو دو سیڑھیاں پھلانگتی جس وقت سیکنڈ فلور پہ بنی اپنی کلاس میں پہنچی تو اسے دروازے میں رکنا پڑ گیا کیونکہ کلاس میں اس وقت روسٹرم کے پاس کھڑے پرنسپل کے کوئی اور تھا۔

‘‘مے آئی کم ان سر!’’ اس نے پرنسپل سے اجازت چاہی۔

‘‘یس کم ان۔’’ پرنسپل صاحب نے اسے اندر آنے کی اجازت دی تو وہ قدم بڑھتے ہی تو وارد کا چہرہ سامنے تھا۔

‘‘عمر بھیا!’’ اس کے لبوں سے بے آواز نکلا وہ حیرت سے کھڑی رہ گئی تو یہ تھی وہ اپائنٹمنٹ جس کا عمر عباس نے ذکر کیا تھا، اسے یکدم کم مائیگی کا احساس ہوا وہ سوچ رہی تھی اگر عمر نے کالج ہی آنا تھا تو اسے ساتھ لانے میں کیا قباحت تھی لیکن یہ سوال عمر عباس سے نیہا سلیمان ساری زندگی نہیں کر سکتی تھی، اس کے یکدم رکنے اور ساکت نظروں سے عمر کو دیکھنے پر پرنسپل نے ناگواری سے اس کی طرف دیکھا اور اس کی سیٹ کی طرف اشارہ کیا۔

‘‘پلیز مس نیہا ٹیک یور سیٹ۔’’ وہ یکدم ہوش میں آ کر تیزی سے اپنی سیٹ کی طرف بڑھ گئی عفرا اور عمر بھی پرنسپل صاحب کی ناگواری اور اس کی تحیر بھری نظروں کو محسوس کیا تھا۔

‘‘کہاں غائب تھیں اتنی دیر سے مسیج کر کے میری انگلیاں گھس گئیں۔’’ اس کے بیٹھتے ہی ساتھ بیٹھی عفرا نے اس کی پسلی میں کہنی ماری۔

‘‘آہ۔’’ اس کے منہ سے بے ساختہ آہ نکلی تھی۔

‘‘خیریت نیہا!’’ اس کی آہ کلاس کی خاموشی میں واضح سنائی دی تھی، جبھی پرنسپل نے فوراً پوچھ لیا۔

‘‘نو سر ناٹ ایٹ آل آئی ایم فائن۔’’ اس نے تکلیف نظر انداز کر کے مسکرا کر باقاعدہ کھڑے ہو کر انہیں وضاحت دی تھی۔

‘‘پلیز سٹ ڈاؤن۔’’ پرنسپل صاحب نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور بیٹھتے بیٹھتے اس نے عفرا کے پاؤں پہ جوتا مار کر بدلہ لے لیا بے چاری عفرا لب بھینچ کر رہ گئی لیکن اف تک نہ کر سکی، یہ سارا کھیل عمر عباس کی نگاہوں سے مخفی نہ رہ سکا تھا، ان دونوں کی سادگی اور شرارت پر اسے بے ساختہ ہنسی آئی جسے اس نے سرعت سے لبوں میں سمیٹ لیا، تھوڑی دیر بعد پرنسپل صاحب چلے گئے، تو روسٹرم پہ کھڑے عمر نے اک طائرانہ نگاہ ڈالی اور نیہا کو نظر انداز کر کے کہا۔

‘‘جی تو کلاس آج صرف تعارف ہو جائے کیونکہ آپ لوگ میرے لئے اجنبی ہیں اور میں آپ کے لئے تو کیوں نہ پہلے اجنبیت کی دیوار گرا دی جائے۔

‘‘میرا نام عمر عباس ہے میرا اپنا مارکیٹنگ کا بزنس ہے، میں نے ایم بی اے پنجاب یونیورسٹی سے کیا ہے پرنسپل صاحب میرے بابا کے بہت اچھے دوست ہیں سو انہی کے اصرار پہ آج میں آپ لوگوں کے سامنے ہوں۔’’ سحر انگیز انداز میں بولتا پوری کلاس پہ وہ حقیقتاً سحر طاری کر گیا تھا، لڑکیاں اس کی سحر انگیز شخصیت کے ساتھ اس کے لب و لہجے سے متاثر لگ رہی تھیں۔

‘‘جی جناب یہ تو تھا میرا تعارف کلاس اب آپ کا تعارف ہو جائے، کیا خیال ہے۔’’ اس نے گہری سانس بھر کر کلاس کی طرف اشارہ کیا تو تمام لڑکیاں جی جان سے اپنا تعارف کروانے لگیں یوں آج کی کلاس صرف تعارف کی نظر ہو گئی تھی۔

☆☆☆

وہ جس وقت گھر پہنچی عباس ہاؤس سناٹے میں ڈوبا ہوا تھا، لان میں لگے آم کے درخت پہ بیٹھی کوئل کوک رہی تھی یا پھر سامنے بنے بادام کے درخت پہ بیٹھی چڑیاں چوں چوں کر رہی تھیں، شاہ خاور آسمان کے سینے پر اپنی کرنوں کا دربان سجائے بیٹھا تھا، وہ سیدھی بی جان کے کمرے میں چلی گئی بی جان حسب معمول نماز کے بعد اپنی تسبیحات پڑھ رہی تھیں۔

‘‘السلام علیکم بی جان!’’ ان کے گلے میں دونوں بانہیں ڈال کے انہیں زوردار سلام کیا تو بی جان جو وظیفے میں منہمک تھیں اس کی آواز اور گلے میں بانہیں ڈالنے پر یکدم ڈر گئیں، انہوں نے مصنوعی خفگی سے اسے دیکھا اور پیشانی چوم لی۔

‘‘بی جان کھانا کھا لیا آپ نے؟’’ اس نے محبت سے ان کے دونوں ہاتھ تھامتے ہوئے پوچھا۔

‘‘ہاں بیٹا کھا لیا شوگر کے مرض نے تو مجھ بڑھیا کو کچھ زیادہ ہی بھوک چمٹا دی۔’’ بی جان نے جھلاتے ہوئے اسے بتایا۔

‘‘ہوں ہوں ایسے نہیں کہتے لاڈو رانی ہر چیز خدا کی نعمت ہوتی ہے۔’’ نیہا نے بی جان کے انداز میں انہیں تنبیہ کرتے ہوئے انہی کے الفاظ دہرائے وہ جب موڈ میں ہوتیں تو نیہا کو لاڈو رانی کہہ کر پکارتی تھیں، بی جان یکدم مسکرا دیں۔

‘‘چل ہٹ شریر اب بڑھیا کو لاڈو رانی سجے گی۔’’

‘‘ہائیں بی جان آپ بوڑھی کب سے ہو گئیں۔’’

‘‘کیا مطلب؟’’ بی جان نے دائیں ابرو اچکاتے ہوئے خفگی سے دیکھا تو وہ گڑبڑا گئی۔

‘‘بھئی میرا مطلب ہے آپ عباس ہاؤس کو ملکہ الزبتھ ہیں تو کم از کم عباس بھیا اور طارق بھیا کے بیاہ تو آپ کو اپنے ہاتھ سے کرنے ہوں گے ناں آفٹر آل پرنس چارلس کے بیٹے کی شادی بھی تو ملکہ الزبتھ نے اپنے ہاتھ سے کی ہے تو پھر آپ کا بھی تو رائٹ بنتا ہے ناں۔’’

‘‘چل ہٹ یہاں سے۔’’ بی جان نے خفگی سے اسے دور دھکیلا۔

‘‘خدا بس مجھے میرے بچوں کی خوشیاں دکھا دے اور اپنے گھر کی زیارت کروا دے بس اور کچھ نہیں چاہیے مجھ گناہ گار کو اس رب سے۔’’ بی جان نے نہایت رقعت سے کہا تو نیہا خاموشی سے اٹھ گئی۔

‘‘بھئی کھانا کھا لینا بیٹا۔’’ اسے دروازے سے نکلتے دیکھ کر بی جان نے حسب معمول ہدایت دی تو وہ سر ہلاتی باہر نکل گئی، وہ جس وقت کمرے میں داخل ہوئی سائیڈ ٹیبل پہ بلنگ کرتے موبائل پہ اس کی نظر گئی عفرا کالنگ لکھا ہوا تھا اس نے یس کا بٹن دبایا۔

‘‘شکر ہے خدا کا ورنہ میں تو سمجھی تھی آج عمر بھیا کے خوف سے نیہا سلیمان وفات پا چکی ہیں۔’’

‘‘کیا مطلب۔’’ نیہا نے تپ کر کہا۔

‘‘آج کلاس میں اکاؤنٹس کے پروفیسر کی شکل میں عمر بھیا کو دیکھ کر تو مانو میری جان نکل گئی اور رہی سہی کسر تمہارے اڑے حواسوں نے پوری

کردی تھی۔" عفرا نے کھلکھلا کر کہا۔

"جبھی میں سوچ رہی تھی آج عفرا کے چہرے پہ پونے تین کے بجائے بارہ کیوں بج رہے ہیں۔" نیہا نے بدلہ چکایا۔

"اچھا پلیز سیز فائر یہ بتاؤ کیا واقعی عمر بھیا نے ہمیں اکاؤنٹس پڑھانے کا ٹھیکہ اٹھالیا ہے۔" عفرا کے لفظ ٹھیکے پہ نیہا کی ہنسی نکل گئی اور پھر تھوڑی دیر میں بھوک اور لاپرواہی سے شاور لینے کی خواہش کو بھول کر بیڈ پہ لیٹی عفرا سے باتوں میں مگن ہوگئی۔

آج چھٹی کا دن تھا، عمر کی موجودگی کی بدولت آج بی جان اپنے گھٹنوں کی تکلیف کو نظر انداز کر کے خود کچن میں کھڑی تھیں، صبح کالج اور پھر وہاں سے آفس جانے کی وجہ سے عمر کی مصروفیت بڑھ گئی تھی اس کی آمد گیارہ بارہ بجے تک ہوتی تھی اس لئے آج ناشتے میں بی جان نے خصوصی اہتمام کیا تھا اسی اہتمام میں انہوں نے نیہا کے علاوہ پڑوس میں رہتی عفرا کو بھی انوائیٹ کیا تھا، لیکن بقول عفرا کے بی جان کا یہ انوٹیشن کھانے سے زیادہ اپنی مدد کا تھا، عمر اپنے کمرے میں شاور لے رہا تھا اور طاہر باہر لان میں بیٹھا اپنے دوست سے موبائل پہ بات کررہا تھا، ساتھ ہی گود میں رکھے اخبارات پر بھی اس کی نظر تھی، مگر تیسرا کام جو وہ سب سے چوری چھپے کر رہا تھا، وہ تھا لان میں کھلنے والے دروازے سے عفرا کو دیکھنا، عفرا تندہی سے سوجی بھوننے میں مصروف تھی، سوجی بھون کر اس نے پلیٹ میں رکھے بادام اور پستے اٹھا کر دو چار منہ میں ڈالے اور باقی حلوے میں ڈال دیئے لیکن اپنی اس حرکت پر وہ بی جان کی طرف دیکھنا نہ بھولی تھی اس کی یہ حرکت دیکھ کر طاہر بے ساختہ مسکرا دیا، تھوڑی دیر میں ناشتہ تیار ہو چکا تھا، آلو کی بھجیا چھولے سالن، سوجی کا حلوہ اور خستہ گرم کچوریاں، بی جان عمر کا انتظار کررہی تھیں، تھوڑی دیر میں عمر شاور لے کر نیچے پہنچا تو سب ہی ڈائننگ ٹیبل پہ بی جان کے حکم کے مطابق عمر کے انتظار میں ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھے تھے۔

"گڈ مارننگ ایوری باڈی اینڈ السلام علیکم بی جان!" وہ نیہا طاہر اور عفرا کو گڈ مارننگ کہہ کر بی جان کے سامنے سلام کرتے ہوئے سر جھکا گیا، بی جان نے سلام کا جواب دینے کے ساتھ محبت سے اس کی پیشانی چوم لی، وہ بی جان کے ساتھ والی چیئر گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

"عمر بیٹا تم نے اپنے آپ کو کتنا مصروف کر لیا ہے کتنا کمزور ہو گیا ہے میرا لعل۔" بی جان نے محبت سے پیشانی پہ گرے اس کے بال سمیٹے اور پیار بھی، عفرا نے بیچ میں لقمہ دیا تو نیہا اور طاہر کے ساتھ عمر کے لبوں پر بھی مسکراہٹ آگئی، اس کے چہرے پہ پھیلتی مسکراہٹ دیکھ کر جہاں نیہا حیران تھی وہیں عفرا کی زبان میں پھر کھجلی ہونے لگی اس نے مصنوعی حیرت سے آنکھیں پٹپٹاتے ہوئے کہا۔

"عمر بھیا آپ نے ٹیکس بھر دیا۔" اس کے غیر متوقعہ سوال پہ جہاں عمر کا لقمہ بناتا ہاتھ رک گیا وہیں نیہا اور طاہر نے الجھن بھری نظروں سے عفرا کو دیکھا۔

"کیسا ٹیکس؟"

"سنا ہے گورنمنٹ نے ہر چیز پر ٹیکس لگا دیا ہے۔" اس نے ایک اور غیر متوقعہ سوال کیا۔

"تمہارا مطلب کیا ہے عفی؟" عمر کے عفی کہنے پر پانی پیتی عفرا کو اچھو لگ گیا، کیونکہ عمر اسے ہمیشہ عفرا کہتا تھا نیہا اور طاہر بے شک عمر میں زیادہ تفاوت نہ ہونے کی وجہ سے اسے عفی کہتے تھے، اس لئے آج جب عمر نے عفی کہا تو عفرا کو اچھو لگنا لازمی امر تھا، ساتھ بیٹھی نیہا نے اس کی کمر سہلانے کے بہانے اسے دھموکا کر چٹکی کاٹ کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا لیکن وہ عفرا ہی کیا جو مان جائے۔

"میرا مطلب ہے آج کتنے مہینوں بعد مسکراہٹ نے آپ کے چہرے پر جلوہ بکھیرا ہے ناں تو میں سمجھی تھی شاید گورنمنٹ نے آپ کی مسکراہٹ پر بھی ٹیکس لگا دیا ہے۔" اور عفرا کی وضاحت پر جہاں طاہر اور عمر کا چھت پھاڑتا قہقہہ گونجا تھا وہیں بی جان بھی اپنی ہنسی نہ چھپا سکی تھیں، ایک نیہا تھی جو خاموش تماشائی بنی بیٹھی تھی، وہ سوچ رہی تھی عمر عباس اس کی باتوں پر ہنسنا تو درکنار مسکراتا تک نہیں اور آج عفرا نے نہ صرف اسے مسکرانے بلکہ قہقہہ لگانے پر مجبور کر دیا ہے، عمر نے کن اکھیوں سے خاموش بیٹھی نیہا کو دیکھا اور دوبارہ عفرا کے ساتھ باتوں میں مگن ہو گیا جبکہ نیہا کا دل چاہ رہا تھا سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر بھاگ جائے نجانے کیوں وہ اپنے آپ کو اتنا اکیلا محسوس کررہی تھی۔

☆☆☆

الفاظ کے جھوٹے بندھن میں
راز کے گہرے
پردوں میں
ہر شخص محبت کرتا ہے
حالانکہ
محبت کچھ بھی نہیں
سب جھوٹے رشتے ناطے
ہیں
سب دل رکھنے کی
باتیں ہیں
سب، کون کسی کا ہوتا ہے
سب اصلی روپ
چھپاتے ہیں
احساس سے خالی لوگ یہاں
لفظوں کے تیر چلاتے ہیں
اک بار نظر میں
آ کر وہ پھر ساری عمر رلاتے ہیں
یہ عشق و محبت
مہر و وفا
سب رسمی رسمی باتیں ہیں
ہر شخص
خودی کی مستی میں
بس
اپنی خاطر جیتا ہے

وہ……وہ خود ترسی کا شکار ہو رہی تھی، آنسو پلکوں سے بغاوت کر کے چہرے پہ ٹھہر گئے تھے، کمرہ نیم تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا وہ اپنی رائٹنگ ٹیبل پہ ڈائری کھولے بیٹھی تھی، اس نے لبوں کو سختی سے بھینچ رکھا تھا، اس پل وہ خود اذیتی کی انتہا پہ تھی، احساس محرومی اس پل بہت شدت سے حاوی ہوا تھا، چڑیا کی طرح چہچہاتی اور پھول کی سی تر و تازگی رکھنے والی وہ معصوم لڑکی ماں باپ کی کمی کو محسوس کر کے اس پل کملایا ہوا گلاب لگ رہی تھی، بی جان اور طاہر عباس کے علاوہ عفرا کی محبت اپنی جگہ بے پایاں خالص اور بھرپور تھی مگر یہ حقیقت تھی کہ عمر کی بڑھتی منزلوں کے ساتھ نیہا عمر عباس کے رویے کو بہت شدت سے محسوس کرنے لگی تھی عمر کا لیا دیا انداز، اس کی ذات سے بے نیازی برتنا وہ جہاں موجود ہوتی اس جگہ سے کترا جانا نہ جانے کیوں اس پل بہت شدت کے ساتھ یاد آرہا تھا، وہ رونے کے شغل میں مصروف تھی جبھی کوئی دھاڑ سے دروازہ کھول کے اندر داخل ہوا تھا ساتھ ہی کمرے کی فینسی لائٹس کھٹا کھٹ کمرہ کو روشنیوں میں نہلا گئیں، نیہا نے

سرعت سے رخ موڑ کر آنسو چھپائے مگر عفرا دیکھ چکی تھی، اس نے دھیرے سے دروازہ بند کیا پھر دھیرے دھیرے چلتی ہوئی اس کے قریب آئی اور شانے سے پکڑ کر اس کا رخ اپنی طرف کر لیا، نیہا نے نگاہ اٹھا کر عفرا کو دیکھا اس کی آنکھوں میں کوئی سوال نہ تھا لیکن بہن جیسی دوست کا کاندھا پاتے ہی وہ بھربھری مٹی کی طرح ڈھے گئی اور اس سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی، اس کے رونے پر عفرا کی آنکھیں بھی نم ہونے لگی، مگر اس نے نیہا کو رونے دیا تھا، کافی دیر بعد جب وہ رو کر تھک گئی تو خاموش ہو گئی اور اسی خاموشی سے الگ ہو گئی، عفرا نے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پہ رکھے جگ میں سے پانی نکالا اور اس کی طرف بڑھا دیا، نیہا خاموشی سے گلاس تھام کر گھونٹ گھونٹ پینے لگی، پانی پی کر اس نے گلاس عفرا کی طرف بڑھایا تو عفرا نے ایک ہاتھ سے گلاس تھاما اور دوسرے ہاتھ سے اس کا ہاتھ تھام کر بیڈ پہ بٹھا دیا، خود وہ اس کے پاس نیچے بیٹھ گئی، یہ اس کی محبت کا خاص انداز تھا جب بھی اسے نیہا سے کوئی خاص بات یا کوئی دکھ تکلیف شیئر کرنا ہوتا تو وہ اسی طرح بیٹھتی تھی۔

"اب بتاؤ کیوں رو رہی تھی؟"

"کچھ نہیں۔" نیہا نے اسے ٹالا لیکن عفرا نے نظر انداز کر دیا۔

"ہنی میں نے کہا تم کیوں رو رہی تھیں؟"

"بس ایسے ہی۔"

"ایسے ہی تو کوئی نہیں روتا۔" عفرا نے ایک بار پھر اس کا بودا جواز ترک کر دیا۔

"ماما پاپا یاد آ رہے تھے۔" نیہا نے ایک اور بہانہ بنایا۔

"اوں ہوں میں یہ نہیں مان سکتی کہ انکل اور آنٹی کی یاد میں اس شدت سے رویا جا رہا تھا اب فٹافٹ سچ بتا دو ورنہ پھر میں رونا شروع کر دوں گی۔" اس نے ایک بار پھر نیہا کے اس جواز کو بھی خوبصورتی سے ٹال دیا، نیہا چپ ہو گئی۔

"عمر بھیا کے رویے کی وجہ سے رو رہی ہو ناں۔" اس کے قیاس پہ نیہا نے نچلا لب کچل ڈالا دو آنسو لڑھک کر اس کے گالوں پہ آ ٹھہرے۔

"وہ میرے ساتھ ہمیشہ ہی ایسے کرتے ہیں عفی بچپن سے آج تک میں نے ان کو اپنے ساتھ نہ کبھی ہنستے دیکھا ہے نہ مسکراتے بلکہ مجھے دیکھتے ہی ان کے لبوں کی مسکراہٹ تک سمٹ جاتی ہے، مبادا میری نظر ہی نہ لگ جائے ان کی مسکراہٹ کو۔" آخری جملہ اس نے تپ کر کہا تو عفرا ہنستی چلی گئی۔

"تم ہنس کیوں رہی ہو؟" نیہا نے کڑے تیوروں سے اسے دیکھا۔

"ہنسوں نہیں تو کیا روؤں ارے میری سوئیٹ فرینڈ، میری ہنی میرا ابٹر، میرا املیٹ عمر بھیا ہیں ہی اتنے ہینڈسم، ڈیسنٹ اور گریس فل کہ ان کو کسی کی بھی نظر لگ سکتی ہے خاص طور پر تمہاری۔"

"کیوں میری کیوں؟" نیہا نے تپ کر کہا۔

"کیونکہ تم ان کو اتنی حیرت بھری نظروں اور اگر مائنڈ نہ کرو تو ہونق بھری نظروں سے دیکھتی ہو کہ میری تو ہنسی نکل جاتی ہے البتہ عمر بھیا کی تیوریاں ضرور چڑھ جاتی ہیں۔" بے تحاشہ ہنستے ہوئے جو وجہ عفرا نے بتائی اس پر نیہا نے گھور کر اسے دیکھا اور پاس رکھا تکیہ اٹھا کر اس پہ دھنا دھن برسانا شروع کر دیا۔

☆☆☆

"I am a barbie girl۔" فل والیوم میں سونگ تھا، گلابی کلر اسکیم سے سجا کمرہ نفاست کے ساتھ اپنے مکین کے خوابوں کا منہ بولتا ثبوت تھا، نیہا نے نیٹ کی وائٹ میکسی پہنی ہوئی تھی جس کے گلے پہ موتیوں اور نگوں کا بہت خوبصورت کام بنا ہوا تھا، اس کی آستین چوڑی دار تھیں اس نے ڈریسنگ ٹیبل پہ جائزانہ نگاہ ڈال کر اپنی مخصوص لپ اسٹک اٹھائی اور فائنل ٹچ دیا، لپ اسٹک کا فائنل ٹچ کے بعد کمرہ Desiv کی خوشبو سے مہکنے لگا تھا، وہ بیڈ پہ رکھا دوپٹہ اٹھانے کے لئے جھکی تو سیاہ سلکی بالوں نے لہرا کر اس کے چاند چہرے کو اپنی اوٹ میں کر لیا، جبھی عمر جو اسے یہ بتانے آیا تھا کہ سب لوگ گاڑی میں بیٹھ چکے ہیں، صرف وہ اور عفرا ہی باقی رہ گئی تھیں، آج بی جان کے بھانجے کی بیٹی کی شادی تھی جس میں وہ سب مدعو تھے، شیشے کے سامنے کھڑی نیہا کو دیکھ کر اس کے قدم تھم گئے، وہ اس وقت اپنے معصوم حسن اور لباس سے بالکل باربی ڈول لگ رہی تھی نیہا نے اس کے تھمے قدم محسوس نہیں کیے تھے۔

"سوری عمر بھیا بس آ رہی ہوں۔" تیزی سے بیڈ پہ سے دوپٹہ اٹھا کر وہ عمر سے پہلے ہی کمرے سے نکل آئی مبادا عمر سے ڈانٹ نہ پڑ جائے، اس نے گھٹنوں کے پاس سے چٹکیوں کی مدد سے اپنی میکسی اٹھائی ہوئی تھی، جبھی سامنے سے اسی کے جیسی نیٹ کی پنک میکسی پہنے عفرا آتی نظر آئی، پورٹیکو میں کھڑی گاڑی میں بیٹھا طاہر جھنجلا کر اندر آیا تو دونوں کو ایک جیسا تیار دیکھ کر وہ یکدم ٹھٹک گیا، عمر جو اوپری سیڑھیوں سے نیچے آ رہا تھا، اس نے طاہر کا ٹھٹکنا صاف محسوس کیا تھا، اب یہ ٹھٹکنا عفرا کے لئے تھا یا نیہا کو دیکھ کر عمر عباس اس سے لاعلم تھا۔

"میں کیسی لگ رہی ہوں طاری بھیا؟" نیہا نے کھلکھلا کر پوچھا۔

"میری بہن بالکل پرنس، اوں نہیں بلکہ......" اس کے رکنے پر نیہا نے چونک کر اسے دیکھا۔

"باربی ڈول لگ رہی ہے۔" طاہر نے انتہائی محبت سے بھائیوں کی شفقت لیے اس کے سر پہ ہاتھ رکھا تو نہ جانے کیوں عمر کا رکا سانس یکدم بحال ہو گیا وہ اپنی کیفیت سے اس پل خود بھی انجان تھا۔

"اور میں؟" عفرا نے طاہر کی توجہ اپنی طرف دلائی طاہر نے اس کی طرف رخ موڑا عفرا کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں ستاروں جیسی چمک آ گئی لیکن وہ شرارت پہ آمادہ تھا۔

"عمر بھیا یہ کون ہیں بلیک بیوٹی یا بل بتوڑی۔" اس نے کن انکھیوں سے عفرا کو دیکھتے ہوئے عمر کو مخاطب کیا۔

"طاہر آئی ول کل یو۔" عفرا اس کی شرارت سمجھ گئی تھی دونوں مٹھیاں بھینچ کے اس نے اپنا غصہ دبایا۔

"طاری بھیا!" نیہا نے منہ بسورا وہ بھی اس کی شرارت سمجھ گئی تھی۔

"نیہا مجھے ڈر لگ رہا ہے ایسا نہ ہو رات کو سوتے میں ڈر جاؤں کیونکہ سنا ہے رات کے وقت اگر چھل پیری دیکھ لو تو ڈراؤنے خواب آتے ہیں۔" طاہر نے اسے دوبارہ چھیڑا تو عمر نیہا کو اشارہ کرتا پورٹیکو کی طرف بڑھ گیا، جہاں بی جان اور عفرا کے پیرنٹس ان کے باہر آنے کے منتظر تھے، عمر اور نیہا کو باہر جاتا دیکھ کر عفرا بھی باہر کی طرف بڑھی تو طاہر نے یکدم اس کی کلائی تھام لی۔

"چھوڑو میرا ہاتھ۔" عفرا نے خفگی سے کہتے ہوئے کلائی چھڑانا چاہی۔

"ناراض ہو گئیں۔"

"ہاں تو نہیں ہونا چاہیے کیا؟" عفرا نے منہ پھیرا۔

"یار میں تو مذاق کر رہا تھا۔" طاہر نے اس کا رخ اپنی طرف موڑا۔

"یو آر سو بیوٹی فل اینڈ ویری پریٹی بس۔" عفرا کی تسلی نہیں ہوئی تھی ان لفظوں سے سو اس نے بھی اسے تنگ کرنا چاہا۔

"میں سچ کہہ رہا ہوں یار کسی کا بھی ایمان لوٹ سکتی ہو تم اس وقت اور مجھے لگ رہا ہے کہ کہیں میں باہر جانے کے بجائے تمہیں......" معنی خیزی سے جملہ ادھورا چھوڑا تو عفرا کے صحیح معنوں میں چھکے چھوٹ گئے اس نے ہراساں نظروں سے باہر کی طرف دیکھا اور پھر طاہر کو جہاں شوق کا ایک جہاں آباد تھا، عمر کے تیز ہارن بجانے پر عفرا تیزی سے باہر لپکی اور ہائی ہیل سے ممکن تھا وہ زمین بوس ہو جاتی طاہر نے اسے یکدم تھام لیا، وہ کرنٹ کھا کر سیدھی ہوئی اور دھڑ دھڑ کرتے دل کو سنبھالتی تیزی سے باہر نکلتی چلی گئی اور طاہر عباس اس کی حیا و گھبراہٹ اور خوبصورتی کو محسوس کر کے دھیرے سے مسکرا دیا۔

☆☆☆

شام کی سنہری دھوپ یکدم سیاہ بادلوں میں چھپ گئی تھی، دھوپ اور بادلوں کی آنکھ مچولی نے شام کے خوبصورت منظر کو حسین تر بنا دیا تھا، نیہا کا دل بے اختیار سائیکلنگ کرنے کو چاہنے لگا اس نے ایک نظر اپنے لباس پہ ڈالی بلیک ڈھیلے ڈھالے ٹراؤزر پہ وائیٹ اپنے سے کئی گنا بڑی شرٹ پہنے وہ اس میں چھپ سی گئی تھی، گلے میں بلیک کلر کا اسکارف ڈالا ہوا تھا، عفرا کو میسج کر کے وہ باہر آ گئی، تھوڑی دیر میں سائیکل لے کر عفرا بھی باہر نکل آئی، اسے معلوم تھا عفرا سائیکل چلاتی نہیں بلکہ سائیکل کو ڈانس کرواتی ہے پھر بھی وہ اس کے بغیر کبھی سائیکلنگ نہیں کرتی تھی، عفرا کے ساتھ تیز تیز سائیکل چلاتی وہ عفرا سے آگے نکل گئی، بلاک کے اختتام پر اس نے سائیکل روک کر مڑ کے دیکھا تو عفرا اسے گالیوں سے نوازتی سائیکل کو بے نتھے بیل کی طرح چلاتی اس کی سمت آ رہی تھی نیہا کی بے ساختہ ہنسی نکل گئی مگر پھر اس کی ہنسی کو یکدم بریک لگ گیا، نجانے کس بنگلے سے باہر نکلتی وائٹ کرولا عفرا کی سائیکل سے ٹکرائی تھی بلکہ ٹکرائی تو کیا تھی صرف بچ ہوئی تھی مقابل نے تیزی سے بریک لگایا تھا، لیکن ڈولتی سائیکل کے ساتھ عفرا پھر بھی زمین بوس ہو گئی تھی، نیہا تیزی سے سائیکل دوڑاتی اس کے پاس پہنچی، کار میں موجود شخص اب عفرا سے معذرت کر رہا تھا باوجود اس کے کہ غلطی عفرا کی تھی مگر وہ عفرا ہی کیا جو مان جائے۔

"آپ کو نظر نہیں آ رہا تھا یہ اونٹ کے جتنی لمبی گاڑی نکال کر سڑک پہ آنے سے پہلے آپ کو یہ نازک اندام حسین دوشیزہ نظر نہیں آئی۔" غصے کے باوجود انتہائی گاڑھی اردو میں اپنی تعریف پہ جہاں نیہا کی ہنسی نکل گئی وہیں مقابل کے چہرے پہ پھیلی مسکراہٹ نے عفرا کو گویا پتنگے لگا دیئے تھے، بس پھر جو عفرا بی شروع ہوئی ہیں الامان الحفیظ، نیہا کو باقاعدہ ہاتھ جوڑ کر اسے خاموش کروانا پڑا تھا۔

"آئی ایم سوری سر اگین سوری سر آپ پلیز جا سکتے ہیں اس کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے اس لئے غصہ کر بیٹھی۔" نیہا نے مقابل سے معذرت کرتے ہوئے اس کی طبیعت کا بہانہ گھڑا تو عفرا اس شخص کے چھوڑ کر نیہا پہ چڑھ دوڑی۔

"کیسی معذرت کہاں کی معذرت۔" وہ شخص مسکراتے لبوں سے ان دونوں کی نوک جھونک انجوائے کرتا گاڑی میں بیٹھ کے یہ جا وہ جا اس کے جانے کے بعد عفرا نے دونوں ہاتھ جوڑے تو نیہا نے اچنبھے سے اسے ہاتھ جھاڑتے ہوئے دیکھا۔

"جب تک سامنے والا ہار نہ مان لے ہمیں بھی زوردار مقابلہ کرنا چاہیے ہے ناں ہنی۔" اس کے آفریں خیالات سن کر نیہا کا دل چاہا اپنا سر پیٹ لے۔

"اب چلیں۔" نیہا نے عفرا سے پوچھا۔

"کہاں؟" نیہا نے بے خیالی میں پوچھا۔

"سائیکلنگ کرنے مس نیہا سلیمان۔" عفرا نے غصے سے دانت پیستے ہوئے اس کا پورا نام لیا تو نیہا اثبات میں سر ہلاتی سڑک کے کنارے گری اپنی سائیکل اٹھانے بڑھ گئی بلاک ایک نمبر کراس کر کے وہ لوگ بلاک دو میں داخل ہو چکی تھیں، نیہا نے سائیکل کی رفتار قدرے ہلکی کر لی تھی کیونکہ عفرا کی رفتار سیدھی سائیکل چلانے میں نہایت کم تھی بلاک نمبر دو کے آخر میں مسجد کے پاس ڈھلان تھی، یکدم نیہا نے عفرا کو سپیڈ بڑھانے کا اشارہ کیا اور خود سائیکل کو بھگانا شروع کر دیا، نیہا کو سائیکل بھگاتے دیکھ کر عفرا کو بھی جنون چڑھ گیا اور اس نے پیڈل پہ تیز تیز پیر مارنے شروع کر دیئے نتیجتاً ڈھلان پہ اسے اترتے ہوئے سائیکل بے قابو ہوئی اور عفرا سائیکل سمیت ڈھلان پہ سے پھسلتی چلی گئی، فضا نسوانی چیخ سے گونج اٹھی تھی نیہا نے پلٹ کر دیکھا عفرا سائیکل سمیت ڈھلان پہ اوندھے منہ گری ہوئی تھی، وہ سائیکل کو چھوڑ کر بھاگتی ہوئی عفرا کے پاس آئی تھی۔

"عفی عفی آنکھیں کھولو۔" اس نے عفرا کے گال تھپتھپائے تو عفرا سر ہلا کر رہ گئی، اس نے شکر ادا کیا وہ بے ہوش نہیں ہوئی تھی، جبھی سامنے سے آتی بلیک کرولا کو اس نے ہاتھ دیا تو وہ یکدم رک گئی، اس نے کھڑکی سے جھانکا تو گاڑی میں موجود عمر عباس کو دیکھ کر اسے سو والٹ کا کرنٹ لگا تھا۔

"وہ عمر بھا......" عمر عباس کو دیکھ کر اس کے لفظ ساتھ چھوڑنے لگے اس نے ہکلاتے ہوئے بتانا چاہا اتنی دیر میں عمر دروازہ کھول کے نیچے اتر آیا اس نے سڑک پہ گری عفرا کو دونوں بازوؤں میں اٹھایا اور پچھلی سیٹ پہ لٹا دیا، خود ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھ کر اس نے برابر والی سیٹ کا دروازہ کھولا تو پتھر بنی نیہا لڑکھڑاتے قدموں سے گاڑی میں بیٹھ گئی قریبی کلینک سے وہ عفرا کے پٹی کروا کے جب وہ لوگ واپس لوٹے تو رات کے آٹھ بج رہے تھے، عفرا کو نیہا کے سہارے چلتے دیکھ کر لاؤنج میں بیٹھے بی جان اور طاہر ایک ساتھ اس کی طرف بڑھے تھے، نیہا نے اسے نہایت آہستگی سے اسے صوفے پر بیٹھا دیا۔

"یہ کیسے ہو گیا ہنی یہ کیا ہوا ہے عفرا کو۔" بی جان کے اوسان خطا ہونے لگے تھے کیونکہ عفی حیدر اور ان کی اہلیہ عفرا کو بی جان کے حوالے کر کے اپنے بھائی سلیمان حیدر کے پاس اسلام آباد گئے ہوئے تھے۔

"وہ بی جان!" اس نے انگلیاں مروڑتے ہوئے بتانا چاہا عمر کا غضبناک چہرہ اسے ہی دیکھ رہا تھا، عفرا نے صورتحال کو سمجھتے ہوئے نیہا کو اشارے سے اپنے پاس بلایا اور اسے سہارا دینے کا اشارہ کیا، نیہا کے سہارے سے بیٹھتے ہوئے اس نے کہا۔

"بی جان اصل میں میرا سائیکلنگ کا بہت دل چاہ رہا تھا، تو میرے کہنے پہ نیہا مجھے سائیکل چلانا سکھا رہی تھی، بس بلاک ٹو کے آخر میں بنی مسجد کے پاس ڈھلان مجھے نظر ہی نہ آ سکی اور یکدم مجھے چکر آ گیا تو میں اپنے آپ کو سنبھال ہی نہ سکی۔" عفرا نے ساری بات اپنے اوپر ڈال کر نیہا کو عمر اور بی جان کے عتاب سے بچایا تو نیہا

حیرت سے اسے دیکھنے لگی، اس نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولنا چاہا تو نیہا نے اس کا ارادہ جان کر اس کا ہاتھ دبا کے زوردار چیخ ماردی۔

''کیا ہوا بیٹا کیا زیادہ تکلیف ہو رہی ہے۔'' اس کے چیخنے پر بی جان گھبرا گئیں۔

''جی بی جان اگر آپ اجازت دیں تو میں اپنے کمرے میں جاؤں۔'' عفرا نے معصومیت سے پوچھا (اس کا آج کل قیام نیہا کے کمرے میں تھا)۔

''ہاں ہاں ہنی بیٹا اسے کمرے میں لے جاؤ تاکہ یہ آرام کر لے۔'' عفرا نے نیہا کے کاندھے پہ ہاتھ رکھا اور دھیرے دھیرے چلتی ہوئی اس کے ساتھ کمرے میں آ گئی، کمرے کا دروازہ بند کرتے ہی اس نے نیہا کو پیچھے کیا اور ناب گھما کر لاک کر دیا اور اس وقت نیہا کی آنکھیں کھلی رہ گئیں جب عفرا ایک لمبی جست لگا کر بیڈ پہ گری اور بیڈ پہ گرتے ہی اس نے بھنگڑا ڈالنا شروع کر دیا نیہا ساکت و جامد اس کی ایکٹنگ دیکھتی رہ گئی تھی یعنی وہ سب ایک ڈرامہ تھا جو اتنی دیر سے نیہا باہر کری ایٹ کر رہی تھی، نیہا کے دماغ میں یکدم سوچ لہرائی جبکہ حقیقت یہ تھی کہ عفرا سائیکل سے گری ضرور تھی لیکن چوٹ اس کے اتنی شدید نہیں لگی تھی جتنا وہ واویلا کر رہی تھی، نیہا کی آنکھوں میں حیرت دیکھ کر عفرا نے کھلکھلا کر کہا۔

''ویسے تمہیں میری ایکٹنگ اور خود کو عمر بھیا کے عتاب سے بچ جانے پر مجھے آسکر ایوارڈ تو ضرور دینا چاہیے، چلو آسکر ایوارڈ نہ سہی داد ہی دے دو۔'' عفرا نے اس کی حیرت دور کرنے کے لئے مزاحاً طنز کیا تو نیہا نے اپنے بے وقوف بن جانے پر عفرا حیدر کو بطور آسکر ایوارڈ تکیہ سے دھنا دھن پیٹنا شروع کر دیا، کمرہ تکیہ کی دھنا دھن اور ان دونوں کے قہقہوں سے گونج اٹھا تھا۔

☆☆☆

بی جان نسیمہ بیگم اور دادا جان یعنی خاور عباس کو خدا نے ایک بیٹا اور ایک بیٹی سے نوازا تھا، بیٹا احمد عباس اور بیٹی ملیحہ عباس، احمد بڑا تھا اور ملیحہ اس سے دس سال چھوٹی تھی، احمد کی شادی انہوں نے اپنی بھتیجی نبیلہ سے کی تھی شادی کے سال بھر بعد خدا نے عمر عباس سے نواز دیا یوں عباس ہاؤس کو ایک جیتا جاگتا کھلونا مل گیا عمر اس وقت چار سال کا تھا جب ملیحہ کی شادی خاور عباس کے بھتیجے سلیمان حیدر سے ہوئی شادی کے سال بھر بعد ملیحہ کو خدا نے نیہا سے نواز دیا مگر بدقسمتی سے بیٹی کی خوشی ملیحہ کے نصیب میں نہیں تھی وہ نیہا کے پیدا ہوتے ہی مالک حقیقی سے جا ملی، شریک سفر کی جدائی سلیمان حیدر کو برداشت نہ ہوئی۔

نیہا کی پیدائش کے ایک ماہ بعد خدا نے احمد عباس کو ایک بار پھر اپنی نعمت طاہر عباس کی شکل سے نوازا، یوں احمد عباس کو دو بیٹے اور بیٹی کی شکل میں نیہا میسر آ گئی، نیہا چار سال کی ہوئی تھی جب ماں باپ جیسے شفیق ماموں اور مامی پلین کریش میں چل بسے احمد اور نبیلہ کی وفات نے عمر عباس کو انتہائی چڑچڑا کر دیا تھا، پہلے جان چھڑکنے والی پھپھو چھوڑ کر گئیں پھر دادا بھی چل بسے اور ابھی وہ جب صرف دس سال کا تھا کہ ماں باپ کا سایہ بھی سر سے اٹھ گیا اسے نجانے کیوں چھوٹی نیہا سے چڑ ہونے لگی، ملیحہ کی شادی کے بعد اس نے بہت مشکل سے ایڈجسٹ کیا تھا، مگر نیہا کی پیدائش کے ساتھ ہی ملیحہ کی وفات نے اسے بری طرح جھنجھوڑ دیا، پھر جب چھوٹی نیہا دادا دادی کی آنکھ کا تارا بنی تو گویا عمر عباس پس منظر میں جانے لگا تھا لیکن اس پس منظر کا حصہ بننے سے پہلے ہی دادا بھی اسے چھوڑ گئے اسے وہ رات آج بھی یاد تھی جب انتقال سے ایک دن پہلے دادا نے اسے

اپنے پاس بلا کر پیار کیا اور پھر سینے سے لگا کر وہ کتنی دیر بے آواز روتے رہے، عمر نے کئی پل خاموشی سے گزار دیئے پھر اس نے ان کے سینے سے سر اٹھا کر اپنے ننھے ہاتھوں سے ان کے آنسو پونچھے تو انہوں نے صرف ایک ہی جملہ کہا۔

''عمر میری...... میری ہنی کا بہت خیال رکھنا بیٹا سارے رشتے چھوٹتے جا رہے ہیں اس سے تم اپنی ایک ذات میں ان سارے رشتوں کو سمیٹ کر بہت محبت دینا بیٹا، دو گے ناں محبت میری ہنی کو۔'' پہلی مرتبہ دادا نے ہی اسے ہنی کے نام سے پکارا تھا پھر تو گویا وہ گھر بھر کے لئے ہنی بن گئی گو کہ عمر اسے نیہا ہی کہا کرتا تھا مگر کبھی کبھی بے اختیاری میں اس کے منہ سے بھی ہنی نکل جاتا دادا کے انتقال کے ٹھیک چار سال بعد احمد عباس اور نبیلہ کا بھی جب انتقال ہوا تو نیہا سلیمان سے ہونے والی چڑ آہستہ آہستہ نفرت میں بدلنے لگی اور یوں ہر رشتہ اور محبت کے چھن جانے کا محرک نیہا کو سمجھنے لگا گو کہ رشتہ چھننے کے بعد نسیمہ بیگم نے انہیں متاع حیات کی طرح سمیٹ لیا تھا، سلیمان حیدر کی وفات کے بعد ان کے بھائی علی حیدر نے بی جان کی بیوگی و تنہائی اور معصوم بچوں کی وجہ سے عباس ہاؤس کے برابر والا پلاٹ خرید کے اس پہ کام کروانا شروع کر دیا، حیدر ولا تیار ہوتے وقت جس چیز کو پیش نظر رکھا گیا تھا وہ تھی درمیان کی دیوار دونوں گھروں کے درمیان صرف ایک باڑ تھی اور آنے جانے کے لئے لکڑی کا نفیس دروازہ تعمیر کیا گیا تھا، ہفتے کے چار دن وہ ان کے گھر کھانا کھاتے تو باقی کے تین دن بصد اصرار بی جان کو اپنے گھر بلا لیا جاتا عمر کے سمجھدار ہونے تک علی حیدر نے ان کے بزنس کی نہایت ایمانداری سے دیکھ بھال کی تھی اور ملنے والا منافع بی جان کے ہاتھ پہ رکھتے رہے تھے اور اب عمر کے سمجھدار ہونے اور تعلیم مکمل ہونے کے ساتھ انہوں نے اس کا بزنس عمر کے حوالے کر دیا تھا، علی حیدر کی ایک ہی بیٹی تھی عفرا حیدر جو نیہا اور طاہر سے چھوٹی تھی لیکن رعب اپنے بڑے ہونے کا جھاڑتی تھی جس کو وہ لوگ بہت انجوائے کرتے عمر عباس کو وہ بالکل اپنی چھوٹی بہن لگتی تھی جبکہ طاہر عباس سے لڑکپن میں قدم رکھتے ہی اسے بہن ماننے سے انکار کر دیا کیونکہ دل کی دھڑکنوں نے اپنی لے بدل لی تھی۔

☆☆☆

آج عباس ہاؤس میں خفیہ میٹنگ تھی، بی جان کے کمرے میں علی حیدر، اسماء حیدر اور عمر عباس موجود تھے، کمرے کا دروازہ بہت دیر سے بند تھا، نیہا طاہر اور عفرا کے اندر آنے پہ پابندی تھی، عفرا اس خفیہ میٹنگ پہ جلتی بھنتی لاؤنج میں مستقل پریڈ مارچ کر رہی تھی، اس کے برعکس نیہا اور طاہر پرسکون انداز میں صوفے پہ بیٹھے ہوئے تھے گویا انہیں اطمینان تھا کہ اس خفیہ میٹنگ کا عقدہ جلد ہی کھل جائے گا، عفرا کو ان کے پرسکون انداز پہ رہ رہ کے تاؤ آ رہا تھا، مستقل پریڈ مارچ کرتے ہوئے اس کی نظر یکدم لاؤنج میں کھلنے والے روشندان کی طرف گئی تو کسی خیال کے تحت اس کی آنکھیں چمک اٹھیں، اس نے لاؤنج میں رکھی سینٹرل ٹیبل گھسیٹ کر دیوار سے لگائی تو طاہر اور نیہا نے ایک دوسرے کو سوالیہ نظروں سے دیکھا گویا پوچھ رہے ہوں یہ کرنا کیا چاہتی ہے طاہر نے ہونٹوں پہ انگلی رکھ کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا، سینٹرل ٹیبل کو دیوار سے لگا کر عفرا بھاگتی ہوئی اسٹور کی طرف گئی تھوڑی دیر بعد وہ اسٹول کے ہمراہ باہر آئی تو طاہر کے لبوں پہ مسکراہٹ دوڑ گئی، وہ اس کا پلان سمجھ گیا تھا، عفرا نے سینٹرل ٹیبل پہ اسٹول رکھا اور خود اس پہ چڑھ گئی اس کے

چڑھنے سے اسٹول ڈگمگایا مگر وہاں پرواہ کسے تھی، ابھی اسے اسٹول پہ چڑھے چند پل ہوئے تھے کہ دروازہ کھلنے کی آواز آئی، دروازہ کھلنے کی آواز پہ عفرا کے دل کے ساتھ پیر بھی ڈگمگایا اور وہ بدحواس ہوتی اسٹول سے نیچے آ رہی، طاہر تیزی سے گرتی عفرا کو سنبھالنے کے لئے لپکا لیکن اس سے پہلے ہی دروازہ سے باہر نکلتے عمر نے اسے گرنے سے بچانے کے لئے سہارا دے دیا تھا۔

"خیریت یہ سینٹرل ٹیبل اور اسٹول یہاں کس لئے آیا تھا۔" عمر اس کی کاروائی سمجھ چکا تھا اور اس کی جیمز بانڈ والی حرکتوں سے بھی واقف تھا اس کے باوجود اس نے کڑے تیوروں سے پوچھا تو اس کے غصے سے عفرا یکدم ڈر گئی۔

"وہ عمر...... بھ...... بھ...... بھائی میں نیہا سے کہہ رہی تھی کہ ماسی سکینہ آج کل ٹھیک صفائی نہیں کر رہی اور روشندان پہ بہت مٹی اور جالے لگ گئے ہیں۔" اس نے ہکلاتے ہوئے بہانہ تراشا جسے عمر عباس نے چٹکیوں میں اڑاتے ہوئے طنز کیا۔

"پھر صاف کر لئے تم نے مٹی اور جالے۔"

"کہاں بھائی!" اس نے اپنی خفت مٹاتے اور خوف کو دور بھگاتے ناک پہ سی نادیدہ مکھی اڑائی۔

"ابھی تو میں جالے اور مٹی صاف ہی کر رہی تھی کہ طاری نے مجھے دھکا دے کر گرا دیا۔" اس نے معصومیت سے آنکھیں پٹپٹاتے ہوئے منہ بسورا تو اس قدر کھلی طوطا چشمی اور جھوٹ پر طاہر ہکا بکا رہ گیا۔

"نہیں بھائی یہ......" طاہر نے عمر کے سامنے اپنی پوزیشن کلیئر کرنی چاہی جسے عمر نے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا۔

"طاہر تم اندر جاؤ تمہیں بی جان بلا رہی ہیں اور نیہا تم جا کر چائے بناؤ سب کے لئے اور آپ عفرا بی بی یہ سارے جالے اور مٹی صاف کیجئے ابھی سمجھیں آپ میں خود چیک کروں گا آ کر۔"

"ج...... ج...... جی۔" اس کے اس قدر صاف حکم پہ عفرا لڑکھڑاتی ہوئی پاس پڑے اسٹول پہ گر گئی، اس کے ساتھ اس وقت آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا والی مثال ہو گئی تھی، طاہر اس کی حالت اور عمر کے حکم پر اپنی ہنسی چھپاتا تیزی سے بی جان کے کمرے میں چلا گیا تھا، مبادا کہیں عمر کی نظر اس کی مسکراہٹ پہ نہ پڑ جائے، نیہا کچن میں چلی گئی جبکہ عمر اس کی ایکٹنگ پہ نچلا لب دباتا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا، پیچھے اکیلی رہ جانے والی عفرا نیہا کی دغا بازی اور عمر کے حکم پر ان دونوں کو کوستی اسٹول دوبارہ سینٹرل ٹیبل پہ رکھنے لگی۔

☆☆☆

وہ دونوں اسائنمنٹس مکمل کرنے میں بری طرح منہمک تھیں کیونکہ بقول عمر عباس کے جو کلاس میں اسائنمنٹ جمع نہیں کروائے گا وہ نہ صرف اس کا نام نوٹس بورڈ پہ لکھ دے گا بلکہ آٹھ دن اس کی کلاس اٹینڈ کرنے پہ پابندی ہو گی اور اسی دھمکی کی بدولت نیہا اور عفرا پوری طرح مگن تھیں، نیہا کی تو آدھی اسائنمنٹ تیار ہو چکی تھی باقی آدھی وہ مکمل کرنے والی تھی جبکہ عفرا نے صرف اسائنمنٹ فائل تیار کر کے انتہائی دیدہ زیب رائٹنگ میں بس اپنا نام لکھا تھا باقی پوری فائل خالی تھی کیونکہ اسے معلوم تھا نیہا اس کی فائل بھی مکمل کر دے گی پھر فائل پرے دھکیل کر میسج کرنے میں مگن ہو گئی، نیہا نے اسے عمر کی دھمکی سے ڈرانا چاہا جسے اس نے لاپرواہی سے ہاتھ ہلا کر نظر انداز کر دیا، جبھی دروازے پہ ہونے والی کھٹکے کی آواز پہ نیہا نے مڑ کر دیکھا، اسماء حیدر اندر داخل ہو رہی تھیں، عفرا نے ماں کی شکل دیکھتے ہی موبائل تکیے کے نیچے چھپایا اور فائل اپنی طرف گھسیٹ لی بدحواسی میں اسے احساس ہی نہ ہوا کہ وہ نہ صرف فائل الٹی پکڑی ہوئی ہے بلکہ وہ فائل اس کی نہیں نیہا کی ہے۔

"کیا کر رہی ہو بیٹا تم لوگ؟" اسماء حیدر نے بیڈ پہ بیٹھتے ہوئے ان سے پوچھا۔

"وہ ماما ہم لوگ اسائنمنٹ بنا رہی تھیں۔" عفرا نے جھٹ کہا۔

"تو بنا لی بیٹا!" اسماء حیدر نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"جی ماما!" عفرا نے تابعداری کے ریکارڈ توڑے۔

"اچھا میری بیٹی اتنی جینئس ہے کہ فائل نہ صرف الٹی پکڑ کر تیار کر لیتی ہے بلکہ دوسروں کی فائل کو اپنے نام بھی کر لیتی ہے، لیکن بیٹا جانی اپنی چیز تو اپنی ہوتی ہے، دوسروں کی چیز پہ اپنے نام کا ٹیگ لگانے سے وہ چیز اپنی نہیں ہو جاتی۔" اسماء حیدر نے اس کی گود میں رکھی الٹی فائل کو اٹھایا اور نیہا کی طرف بڑھا دیا، نیہا کی جہاں ہنسی نکل گئی وہیں عفرا کا سر خفت سے جھک گیا۔

"سوری ماما!"

"اٹس او کے بٹ اب اپنی اسائنمنٹ بھی تیار کر لو تو زیادہ بہتر ہو گا ورنہ پھر تم نے بیچاری نیہا کا دماغ کھانا ہو گا، دیکھو ذرا اس لڑکی کے چکر میں پھنس کر اصل بات تو کرنا ہی بھول گئی۔" اسماء حیدر نے پیشانی پہ ہاتھ مارتے ہوئے خود کو سرزنش کی۔

"نیہا بیٹی!" انہوں نے نیہا کے ہاتھ محبت سے تھامے۔

"اگر میں بی جان اور تمہارے انکل تمہارے لئے کوئی فیصلہ کریں گے تو تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہو گا۔" اسماء حیدر نے تمہید باندھی۔

"نہیں چچی جان! آپ لوگ میرے بڑے ہیں ایسا کیسے ممکن ہے کہ آپ لوگ کہیں اور میں آپ کی بات نہ مانوں آپ لوگ جو میرے لئے کریں گے وہ غلط نہیں ہو گا۔" نیہا نے محبت سے ان کے ہاتھ تھام کے چومے تو اس کے مان و محبت پر اسماء حیدر نہال ہو گئیں۔

"بیٹا ہم نے تمہارا اور عمر کا رشتہ طے کر دیا ہے اور انشاء اللہ اگلے ماہ کے پہلے جمعے کو تم دونوں کا نکاح ہے رخصتی عمر کے انگلینڈ کے بزنس ٹرپ کے بعد ہو گی۔" ایک دھماکہ تھا جو نیہا سلیمان کے سر پہ ہوا تھا وہ بے یقینی سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

"ج...... ج...... جی۔" نیہا نے ہکلاتے ہوئے بے یقینی سے انہیں دیکھا پھر عفرا کو جو خود بھی بے یقین تھی لیکن اس کی حالت نیہا جیسی نہیں تھی۔

"چچی جان! کیا عمر بھیا اس رشتے پہ راضی ہیں۔" اس کے لبوں سے سرسراتے ہوئے جملہ جو نکلا وہ عفرا کے لئے ناقابل یقین تھا۔

"ہاں بیٹا کیوں نہیں بی جان نے عفرا کا اور تمہارا نام اس کے سامنے رکھا تھا لیکن عفرا کو تو اس نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ وہ اسے چھوٹی بہنوں کی طرح سمجھتا ہے ہاں بی جان کی خواہش پہ اس نے تمہارے لئے رضامندی دے دی تھی، اچھا بیٹی چلتی ہوں تمہارے انکل آ گئے ہوں گے انہیں چائے بھی دینی ہو گی۔" یہ کہہ کر وہ محبت سے اس کے سر پہ ہاتھ پھیر کر چل دیں مگر نیہا ان کے ایک جملے میں اٹک گئی تھی اور وہ تھی بی جان کی خواہش پہ عمر عباس کی رضامندی گویا وہ جبراً راضی ہوا تھا ان کے جانے کے بعد عفرا نے باقاعدہ بھنگڑا ڈالتے ہوئے گنگنانا شروع کر دیا تھا۔

"لے جائیں گے، لے جائیں گے دل والے دلہنیا لے جائیں گے، واہ عمر بھیا اتنے چھپے رستم ہیں یہ تو مجھے معلوم ہی نہ تھا۔" عفرا خوشی سے بے حال اپنے آپ میں مگن بولتے ہوئے مستقل گنگنا رہی تھی جبکہ نیہا کی سوچ عمر کی اپنی ذات سے نفرت کی آگاہی کے بعد بھی صرف بی جان کی خواہش پر راضی ہونے میں اٹکی ہوئی تھی۔

"عفرا پلیز لیو می الون۔" اس نے باقاعدہ چیخ کر مستقل گنگناتی اور بھنگڑا ڈالتی عفرا کو اپنی طرف متوجہ کیا۔

"کیا ہوا ہنی تم خوش نہیں ہو، اس فیصلے پر۔" اس نے نیہا کو خطرناک حد تک سنجیدہ دیکھا تو گنگناہٹیں چھوڑ کر فکرمندی سے اس کے پاس بیٹھ کر پوچھنے لگی۔

"آئی ڈونٹ نو بٹ آئی ریکویسٹ یو عفی پلیز لیو می الون۔"

"نیہا!" عفرا نے کچھ کہنا چاہا۔

"پلیز عفی!" تو عفرا اس کی کیفیت کچھ سمجھتے اور کچھ نہ سمجھتے ہوئے باہر نکل گئی اس کے جانے کے بعد نیہا نے میکانکی انداز میں اٹھ کر دروازہ بند کیا اور بیڈ پہ اوندھے منہ گر گئی سوچتے سوچتے نہ جانے کب اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے وہ ہچکیوں سے رو دی تھی آج نہ جانے کیوں شدت سے اسے ماں باپ کی یاد آئی تھی۔

"ماما آپ مجھے چھوڑ کر کیوں چلی گئیں پلیز ماما آ کے اپنی ہنی کو دیکھیے کتنی اکیلی ہو گئی ہے وہ آپ کے بغیر۔" بے تحاشا روتے ہوئے وہ ماں کو یاد کر کے سائیڈ ٹیبل پہ رکھی ان کی تصویر سے باتیں کرتے نہ جانے کب نیند کی وادیوں میں اتر گئی۔

☆☆☆

رات دھیرے دھیرے بیت چکی تھی، پو پھٹنے لگی تھی اذان کی آواز پہ اس کی آنکھ کھلی پہلے تو اسے سمجھ نہیں آیا کہ کیا ٹائم ہوا ہے رات بھر رونے سے سر اتنا بھاری ہو رہا تھا، آنکھیں سوج سی گئی تھیں، اس نے پاس رکھا موبائل اٹھا کے ٹائم دیکھا صبح کے پانچ بج رہے تھے، اس نے اٹھ کر پردے سرکائے اذان کی آواز واضح سنائی دینے لگی تھی، سر ڈھک کر اذان سننے کے لئے وہ احتراماً چیئر پہ بیٹھ گئی، اذان ختم ہوئی تو اس نے جا کر وضو کیا اور باہر آ کر جائے نماز بچھا کر نیت باندھ لی، نماز ختم کر کے اس نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے تو کب کے رکے آنسو ایک بار پھر اس کے گال پہ لڑھک گئے، ہچکیوں سے روتے ہوئے وہ سجدے میں گر گئی، نہ جانے کتنی دیر ہو گئی تھی اسے روتے ہوئے کچھ دیر بعد جب اس کے دل کو سکون محسوس ہوا تو وہ چہرے پہ ہاتھ پھیرتی جائے نماز تہہ کر کے اٹھ کھڑی ہوئی، الماری سے یونیفارم نکال کر پریس کیا، رائٹنگ ٹیبل پہ بکھری اپنی اسائنمنٹ سمیٹ کر اس نے فائل کلپ کی اور شاور لینے واش روم میں گھس گئی، انتہائی اطمینان سے شاور لینے کے بعد اس نے بال سلجھائے اور اونچی سی پونی ٹیل بنائی پھر نجانے کس احساس کے تحت ڈریسنگ ٹیبل پہ رکھا کاجل اٹھا کر آنکھوں میں لگایا، تو سیاہ چمکتی آنکھیں کاجل کی دھار سے جگمگانے لگیں، اس کا ذہن مختلف سوچوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا، جن میں سر فہرست کل شام عمر عباس کی کھلم کھلا نفرت تھی جو اس کی سوچوں سے راستہ بنا کر لفظوں کی شکل میں نیہا سلیمان نے سنی تھی اور اس کے بعد وہ سننے اور سمجھنے کی صلاحیت سے محروم ہو جاتی شاید اگر جو طاہر عباس اس کو اپنی بھرپور محبت سے نہ سنبھالتا، وہ شعوری اور لاشعوری طور پر وہ سب کچھ کر رہی تھی جو روٹین لائف میں ممکن نہ تھا، یکدم کسی

سوچ کو حتمی روپ دے کر اس نے نگاہ اٹھا کر ٹائم دیکھا سوا سات بج رہے تھے، اس نے وارڈ روب میں لٹکتی چادر کو دیکھا اور نظریں پھیر لیں پاس پڑے دوپٹہ کو اٹھا کر گلے میں ڈالا یوں کہ دوپٹے کا دوسرا سرا گلے میں پڑے مفلر کی طرح پیچھے جا پڑا تھا ایک سرا اس کے آگے ڈالا ہوا تھا، اونچی سی پونی ٹیل کاجل کی دھار اور مفلر نما لمبے سے دوپٹے نے ایک نئی نیہا سے متعارف کروایا تھا، اس روپ میں اگر عفرا اسے دیکھ لیتی تو یقیناً بے ہوش ہو جاتی اور عمر عباس سے تو کچھ بعید نہ تھا کہ وہ اسے قتل ہی کر ڈالتا اس نے شیشے میں آخری نگاہ ڈال کر اپنی تیاری دیکھی اور نجانے کس احساس کے تحت پنک لپ گلوز اٹھا کر لبوں پہ لگا لیا کرسی پہ رکھا شولڈر بیگ اٹھا کر اس نے کاندھے پہ ڈالا اور باہر نکل آئی اسے معلوم تھا بی جان اس وقت اپنے کمرے میں تھیں جبکہ عمر بھی کالج جانے اور طاہر یونیورسٹی جانے کے لئے تیار ہو رہا تھا، وہ سیدھی چلتی ہوئی مین گیٹ تک آئی اور چوکیدار کو بتا کر باہر نکل آئی، نگاہ اٹھا کر بھی اس نے حیدر ولا کی طرف نہیں دیکھا تھا وہ جلد از جلد پبلک ٹرانسپورٹ سے کالج پہنچنا چاہتی تھی، چوکیدار حیران سا اسے نئے روپ میں دیکھ رہا تھا جسے اس نے سرعت سے نظر انداز کر دیا، وہ جس وقت کالج میں داخل ہوئی پونے آٹھ بج رہے تھے، کالج کے لان میں کچھ لڑکیاں بیٹھی ہوئی تھیں جبکہ کچھ کاریڈور میں ٹہل رہی تھیں، وہ سب سے بے نیاز ناک کی سیدھ میں چلتی ہوئی اپنی کلاس میں چلی گئی، کلاس پوری خالی تھی وہ ہر سوچ اور احساس کو جھٹکتی اپنی سیٹ پہ بیٹھ گئی، سوچوں نے ایک بار پھر یلغار کی تو آنکھیں پھر برسنے کو بے تاب ہونے لگیں جسے اس نے سختی سے پیچھے دھکیل دیا، تھوڑی دیر میں لڑکیاں کلاس میں داخل ہونے لگیں۔

"ہائے نیہا کیسی ہو، ہیلو ہنی کیا حال ہے، امیزنگ آج اتنی جلدی کیسے آ گئیں۔" مختلف لڑکیاں مختلف انداز میں ہیلو ہائے کرتی کمنٹس دے رہی تھیں جسے نیہا چہرے پہ مصنوعی مسکراہٹ سجائے وصول کر رہی تھی جبھی کلاس میں عفرا داخل ہوئی وہ تیر کی طرح نیہا کے پاس آئی تھی۔

"ہنی تم اکیلی آئی ہو، تمہیں پتا ہے بی جان کتنی ناراض ہوں گی اور میری اسائنمنٹ کا کیا بنا ویسے امیزنگ نیوز بتاؤں آج میں عمر بھیا کے ساتھ آئی ہوں ہو سکتا ہے ساتھ آنے کی خوشی میں میری کچھ بچت ہو جائے اور وہ میری اسائنمنٹ نہ چیک کریں کیونکہ میں ان کی بہن کے ساتھ ہونے والی سالی بھی تو ہوں۔" عفرا جوش سے بولتی چلی گئی اور اس جوش و خوشی میں اسے نیہا کی بدلتی کیفیت نظر ہی نہ آئی، جبھی کلاس میں عمر داخل ہوا تو نان اسٹاپ بولتی عفرا کو نیہا نے ٹوکا۔

"نیہا سر کلاس میں آ گئے ہیں تم اپنی جگہ پہ جاؤ۔" اور نیہا کو ٹوکنے سے زیادہ حیرت اس کے سرد اور کھردرے انداز پہ ہوئی تھی وہ اسے حیرت سے دیکھتی اس کے برابر والی رو میں ہی اس سے چند قدم کے فاصلے پہ بیٹھ گئی، عمر نے روسٹرم پہ جا کر نیہا کو باقاعدہ غور سے دیکھا وہ اس ڈری سہمی نیہا سے بالکل مختلف لگ رہی تھی آج جو اس کے دل میں اس کے چہرے پہ نہ تھا ورنہ تو وہ ہمیشہ سے ہی عمر عباس کے لئے ایک کھلی کتاب کی مانند تھی، آنکھوں میں لگے کاجل نے سوجن تو چھپا لی تھی لیکن جھیل جیسی آنکھوں کا حزن اور نمایاں کر دیا تھا، یکدم کلاس میں موجودگی کے خیال سے اس نے نیہا سے نظریں ہٹا لیں کیونکہ کالج میں یہ بات کوئی نہیں جانتا تھا کہ نیہا اور عفرا سر عمر عباس

کی کزن ہیں اور یہ ہدایت بھی عمر عباس کی طرف سے تھی۔

''کلاس آپ لوگوں کی اسائنمنٹ کمپلیٹ ہو گئیں؟''

''یس سر!'' کچھ آوازیں جوش سے بھرپور تھیں تو کچھ انتہائی پست۔

''اوکے۔'' اس نے بائیں ہاتھ پہ بنی پہلی رو سے اسائنمنٹ چیک کرنا شروع کر دی اور اسائنمنٹ دیکھ کر اپنے ریمارکس لکھتا پھر اگلی سیٹ کی طرف بڑھ جاتا، دوسری رو میں بیٹھی عفرا کے ہاتھ پاؤں پھولنے لگے کیونکہ وہ بالکل خالی ہاتھ تھی اور عمر اس کی رو میں بیٹھی پچھلی لڑکیوں کی اسائنمنٹ چیک کر کے اس کے پاس آنے والا تھا، بے عزتی کے احساس سے آنکھیں بند کر کے وہ زیر لب دعائیں پڑھنے لگی جبھی ایک ہاتھ نے اس کی ٹیبل سے فائل اٹھا کر اپنی فائل کھول کر رکھ دی جو انتہائی نفاست سے تیار شدہ تھی عمر اس کے پاس آیا تو وہ جھٹ کھڑی ہو گئی عمر نے فائل اٹھائی ایک طائرانہ نظر ڈالی اور اپنے ریمارکس لکھ کر آگے بڑھ گیا، اس نے حیرت سے عمر کو دیکھا اور اپنی ٹیبل پہ رکھی فائل کو وہ بے یقینی سے نیہا کو دیکھنے لگی جو اطمینان سے اپنی باری کا انتظار کر رہی تھی، اس سے پہلے کہ عفرا عمر کو اصل حقیقت سے آگاہ کرتی عمر نیہا کے پاس پہنچ چکا تھا۔

''مس نیہا Give me assinement۔'' نیہا نے خالی نگاہوں سے اسے دیکھا اور خالی فائل اٹھا کر اسے تھما دی، اس کی خالی نظریں عمر پہ تھیں لاشعوری میں چھپا وہ احساس کہ نئے رشتے کی اینٹ رکھی جانے پر عمر اس کی غلطی نظر انداز کرتا ہے یا نہیں، عمر نے فائل اٹھا کر ٹیبل پہ پٹختی۔

''آپ کی اسائنمنٹ کہاں ہے مس نیہا؟'' اس نے کوئی جواب نہیں دیا وہ بے تاثر انداز میں خالی نگاہوں سے اسے دیکھتی رہی۔

''گیٹ آؤٹ فرام مائی کلاس۔'' عمر نے اس کی نظروں کے خالی پن کو نظر انداز کر کے انتہائی سختی سے کلاس سے باہر نکلنے کا اشارہ کیا، وہ ساکت سی عمر کو دیکھتی رہی اور پھر نظریں جھکا کر تھکی تھکی چال چلتی باہر نکل گئی، وہ اپنی آزمائش میں ہار گئی تھی عمر عباس کے لئے وہ وہی نیہا سلیمان تھی جسے وہ درخواعتنا نہیں سمجھتا تھا۔

''سر!'' عفرا نے عمر کو پکارا، لیکن عمر نے نظر انداز کر دیا، کیونکہ اسے معلوم تھا کہ وہ نیہا کی فیور میں ہی بولے گی وہ ان سنی کرتا باقی لڑکیوں کی فائل چیک کرتا رہا اور اپنے کام میں مگن اس نے یہ نوٹ ہی نہیں کیا کہ نیہا نے کلاس سے باہر نکلنے کے لئے داخلی دروازے کی بجائے پچھلے دروازے کا انتخاب کیا ہے، کلاس کے اس دروازے کی سیڑھیاں قدرے اونچی بنی ہوئی تھیں اور اس پر مستزاد سیڑھی کا آخری اسٹیپ کلاس میں نکلتا تھا یعنی آخری سیڑھی چڑھتے ہی بندہ ڈائریکٹ کلاس میں موجود یہی وجہ تھی کہ اس طرف کھلنے والے دروازے اور سیڑھیوں کا استعمال لڑکیاں کم کرتی تھیں کیونکہ ایک تو سیڑھیوں کے اسٹیپ بہت اونچے تھے دوسرے سیڑھیاں کالج لان کے پچھلے حصے کی طرف کھلتی تھیں جہاں آج کل کنسٹرکشن کا کام ہو رہا تھا، وہ لاشعوری طور پر غائب دماغی سے چلتی دروازے کی چوکھٹ پہ آ کر کھڑی ہو گئی، کلاس آف ہونے کے بعد عمر اس کے پاس آیا، اسے یقین تھا کہ وہ اسے کوئی نہ کوئی ریزن ضرور دے گی لیکن عمر کے قریب آنے پر بھی وہ کچھ نہ بولی اور خالی نظروں سے اسے دیکھنے لگی اس کے اس طرح دیکھنے پر عمر کو کچھ غلط ہونے کا احساس ہوا تھا لیکن کلاس رولز کے مدنظر رکھتے ہوئے اس نے کہا تو صرف اتنا آپ میری کلاس میں امتحانوں سے پہلے نہیں بیٹھیں گی اور یہی آپ کی سزا ہے۔

You dont come in my) class before exem and its (your punished

شہادت کی انگلی اٹھا کر اس کی خاموشی پہ انتہائی طیش میں آ کر عمر نے اسے وارن کیا اور ایک جھٹکے سے مڑ گیا، جھٹکے سے مڑنے پر اس کا کاندھا نیہا کے شانے سے مس ہوا اور دہلیز کے آخری سیڑھی پہ کھڑی نیہا سلیمان مٹی کی بے جان مورتی کی طرح سیڑھیوں سے نیچے لڑھکتی چلی گئی، فضا نسوانی چیخ سے گونج اٹھی تھی عمر بجلی کی تیزی سے مڑا لیکن اسے دیر ہو چکی تھی نیہا گیند کی طرح لڑھکتی زمین پہ پچھلے کنسٹرکشن کے کام کے لئے لائے گئے سریوں پہ گری تھی لان کے عقبی حصے میں کام کرتے مزدور نسوانی چیخ پہ چونک کر مڑے تھے، نیہا ٹوٹے بکھرے سریوں پہ گرتے ہی ہوش وحواس سے بیگانہ ہو چکی تھی، سریوں پہ گرنے سے ایک نوکیلا سریا اس کے پچھلے حصے میں گھس گیا، سرخ گاڑھا خون دیکھتے ہی دیکھتے فرش کو رنگنے لگا، عمر عباس کے ہوش اڑا دیئے وہ اندھا دھند نیچے اترا اور کسی بھی پروا کے بغیر اسے دونوں بازوؤں میں اٹھائے بھاگتا ہوا پارکنگ کی طرف گیا تھا، ساری لڑکیوں کی چیخیں نکل گئیں، عفرا بھی سارا سامان چھوڑ کر داخلی دروازے سے اندھا دھند پارکنگ کی طرف بھاگی لیکن اس کے پہنچنے سے پہلے عمر گاڑی نکال کر لے گیا، ساری لڑکیاں عمر کی ریزرو نیچر کو جانتے ہوئے اس کی تیز رفتاری اور بے تکلفی پہ حیران اب عفرا کے گرد جمع تھیں۔

''نیہا کو سر عمر نے ایسا کیا کہا تھا؟ سر عمر نیہا کو اتنی بے تابی سے اٹھا کر کیوں ہاسپٹل لے گئے ہیں؟ نیہا کو فسٹ ایڈ کالج سے بھی تو مل سکتی تھی؟'' سب کی آنکھوں اور لبوں پہ سوال تھے اور یہ سوال صرف سوال نہیں نیہا سلیمان کے کردار پہ اٹھنے والی وہ انگلیاں تھیں جو عمر عباس کے ردعمل نے اٹھا دی تھیں، عفرا نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کے دوبارہ نظر اٹھائی تو سامنے سے پرنسپل صاحب آتے ہوئے نظر آئے، پلک جھپکتے میں نیہا کے گرنے کی خبر پورے کالج میں پھیلی تھی، پرنسپل صاحب کی موجودگی اس بات کا ثبوت تھی اور اس سے پہلے کہ وہ قریب آ کر نیہا کے متعلق کوئی سوال کرتے عفرا خود ہی بول پڑی۔

''سر نیہا گھر میں کچھ فرسٹڈ تھی اس لئے اسائنمنٹ کمپلیٹ نہ ہونے پر سر نے اسے کلاس سے باہر نکال دیا تھا۔''

''سر! وہ یہ بے عزتی برداشت نہیں کر سکی اور......'' عفرا مزید کچھ کہتی پرنسپل صاحب نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔

''عفرا بات نیہا کی فرسٹریشن کی نہیں کالج کے رولز اور ریگولیشن کی ہے، عمر نیہا کو کہاں اور کیوں اس طرح اٹھا کر لے گئے ہیں اور؟'' اس سے پہلے کہ وہ مزید نیہا اور عمر کے کردار کو موضوع بناتے عفرا پھٹ پڑی یہ سب اس کی برداشت سے باہر تھا کیونکہ وہ نیہا اور عمر دونوں سے بے تحاشا محبت کرتی تھی اور محبت کا تقاضا تو یہ تھا کہ محبت کرنے والوں کو رسوائی اور تماشے سے بچایا جاتا نہ کہ خود ان کا تماشا بنایا جاتا۔

''بھاڑ میں جائیں آپ کے رولز اور ریگولیشن آپ کے نزدیک کسی کی زندگی سے زیادہ کالج کے رولز اور ریگولیشن اہم ہوں گے ہمارے لئے نہیں اور رہی بات عمر عباس کی۔'' اس نے

توقف کیا تو اس کے عمر عباس کہنے پر لڑکیاں حیرانی سے اسے دیکھنے لگیں جو دھڑلے سے عمر کو سر عمر کے بجائے عمر عباس کہہ رہی تھی۔

”عمر عباس اور نیہا سلیمان کے جانے کی بات تو وہ اس کو کہیں بھی لے کے جا سکتے ہیں کیونکہ وہ نیہا کے ٹیچر بعد میں اور شوہر پہلے ہیں۔“ ایک دھماکہ تھا جو اس وقت پارکنگ لاٹ میں کھڑی لڑکیوں اور پرنسپل پر ہوا تھا۔

”بیوی؟“ ایک لڑکی کے سرسراتے لبوں نے نکلا۔

”جی نیہا سلیمان دراصل حقیقت میں مسز نیہا عباس ہے اور میں عمر بھائی کی اکلوتی اور لاڈلی بہن ہوں اب تو تسلی و تشفی ہو گئی ہے ناں آپ کی سر!“ عفرا نے چبھتے ہوئے انداز میں پرنسپل پہ طنز کیا اور ایک جھٹکے سے مڑ کر کالج گیٹ سے نکلتی چلی گئی، اسے اپنے جھوٹ پر کوئی شرمندگی نہیں تھی کیا تھا اگر نیہا عمر کی بیوی نہیں تھی یہ خواب تو عباس ہاؤس کے ہر مکین کی آنکھوں کا تھا، آنکھوں میں چھپے خواب کو عفرا نے اس پل نیہا کے کردار پہ اٹھنے والی انگلیوں سے بچانے کے لئے حقیقت بنا دیا تھا۔

☆☆☆

بیتی رات کے ساتھ سفر کرتے عمر نے آنکھیں کھولیں تو کمرے کے گلابی پن نے گلاب کی سی رنگت اور نزاکت رکھنے والی لڑکی کی یاد اس شدت سے دلائی کہ گزری رات کا واقعہ اس کی آنسو بھری آنکھوں کے ساتھ پوری جزئیات سے اسے یاد آیا تھا، وہ طاہر کے بیڈ روم میں بیٹھا باتیں کر رہا تھا یہ ایک اتفاق تھا کہ وہ ایسے رخ سے بیٹھا تھا کہ کمرے کی کھلی کھڑکی سے ڈھلتی شام کی دھوپ یکدم اس کے چہرے پہ پڑنے لگی تھی، وہ باتیں کرتے کرتے یکدم کھڑکی بند کرنے کے ارادے سے اٹھا لیکن ڈھلتی شام اور ڈوبتے سورج کے حسین منظر نے اس کے منظر روک لئے جبھی کمرے میں نیہا کی آواز آئی۔

”طاری بھیا کہاں ہیں آپ؟“ طاہر جو عمر کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے شام میں اپنے دوست کے پاس جانے کے لئے وارڈ روب میں گھسا اپنی مطلوبہ شرٹ تلاش کر رہا تھا نیہا کی آواز پہ پلٹا۔

”ہاں بنی بولو۔“ عمر ان دونوں کی باتیں سننے کے لئے پردے کی اوٹ میں ہو گیا یوں کہ نیہا کو معلوم ہی نہ ہو سکا کہ عمر بھی کمرے میں موجود ہے، بلیک جینز پہ گلابی کرتا پہنے گردن کے گرد لپٹا گلابی دوپٹا اونچی سی پونی ٹیل بنائے ایک ہاتھ گلابی اور سلور چوڑیوں سے بھرا ہوا تھا جبکہ دوسرے ہاتھ کی کلائی خالی تھی، وہ طاہر سے اپنے دوست کے برتھ ڈے میں پہنچانے کا کہنے آئی تھی لیکن سب بھول بھال کر اس کی نظر ڈریسنگ ٹیبل پہ رکھی طاہر کی نئی ڈیجیٹل گھڑی اور ریپ ہوئے پرفیوم پر چلی گئی یکدم کسی خیال اور شرارت کے تحت نیہا کی آنکھیں چمکنے لگیں ڈریسنگ ٹیبل کے قریب جا کر اس نے بڑے دلار سے طاہر کو مخاطب کیا۔

”طاری بھیا!“ اس کے لاڈ پہ طاہر کے کان کھڑے ہوئے کیونکہ نیہا کو طاہر پہ زیادہ لاڈ اس وقت آتا تھا جب اسے طاہر کی کوئی چیز پسند آتی تھی، پردے کے اوٹ میں کھڑا عمر اس کے انداز پہ چونک گیا کیونکہ نیہا نے کبھی اسے اتنے لاڈ سے نہ کبھی بلایا تھا اور نہ کبھی فرمائش کی تھی ایک جھجک سی تھی یا پھر وہ خول تھا جو عمر نے صرف نیہا کے لئے اپنے اردگرد بنا رکھا تھا۔

”طاری بھیا! یہ گھڑی میں لے لوں۔“ نیہا نے کہنے کے ساتھ ہی سلور رنگ کی وہ ڈیجیٹل گھڑی اپنی دودھیا کلائی پہ باندھ لی، عمر نے اس کی کلائی کی طرف دیکھا بے شک وہ گھڑی اس کی کلائی میں سج گئی تھی۔

”بنی یہ گھڑی میں نے کل ہی خریدی ہے اپنے انیول فنکشن کے لئے۔“ طاہر نے دانت کچکچاتے ہوئے اسے بتایا گویا یہ اشارہ تھا کہ گھڑی شرافت سے واپس کر دی جائے۔

”میرے لئے خریدی ہے ناں۔“ نیہا نے معصومیت سے آنکھیں پٹپٹائیں تو اس کی شرارت اور آنکھیں پٹپٹانے پر جہاں طاہر کی ہنسی نکل گئی وہیں عمر بھی بے ساختہ مسکرا دیا اس کی ہنسی سے شہ پاتے ہوئے نیہا نے ٹیبل پہ رکھا پرفیوم اٹھایا اور شرارت سے دوبارہ طاہر کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

”اور یہ پرفیوم بھی لے لوں۔“

”ہرگز نہیں۔“ طاہر تیزی سے اس سے پرفیوم واپس لینے کے لئے اس کی طرف بڑھا لیکن نیہا نے سرعت سے پرفیوم والا ہاتھ اپنی پشت پہ کر لیا۔

”بنی یہ گفٹ ہے میرا مجھے کسی نے دیا ہے۔“ اس نے عفرا کا نام نہیں لیا مبادا عمر اس کو غلط نہ سمجھے۔

”کون ہے وہ؟“ نیہا نے اپنی آنکھیں گھمائیں۔

”ہے میرا ایک دوست۔“ طاہر نے جھنجھلا کر کہا۔

”میرا یا میری۔“ نیہا نے خفت سے ناک چڑھائی کیونکہ وہ جانتی تھی یہ پرفیوم اسے عفرا نے دیا ہے اور عفرا نے اسی کے ساتھ جا کر خریدا تھا لیکن اگر طاہر نے نہیں بتایا تو وہ بھی اس کا بھرم کھونا نہیں چاہتی تھی۔

طاہر نے مصنوعی غصے سے نیہا کو گھورا جسے نیہا نے چٹکیوں میں اڑا دیا اور دھونس بھرے انداز میں بولی۔

”بس میں نے کہہ دیا یہ پرفیوم بھی میں لے رہی ہوں اور یہ گھڑی بھی۔“ اس نے کلائی آگے کر کے طاہر کو یاد دلایا کہیں وہ واپس نہ مانگ لے نیہا کے مسکرانے اور طاہر کے تلملانے پر عمر نجانے کس احساس کے تحت پردے کی اوٹ سے باہر نکل آیا۔

”عمر بھیا آپ؟“ عمر کو طاہر کے کمرے میں دیکھ کر وہ یکدم شپٹائی۔

”دوسروں کی چیزیں اور رشتوں پر قبضہ کرنے کی عادت تو ویسے بھی آپ کو بہت پرانی ہے نیہا سلیمان۔“ عمر نے طنز کرتے ہوئے اسے دیکھا جہاں نیہا کا چہرہ عمر کی موجودگی اور پھر اس کے طنزیہ لفظوں پہ پیلا پڑنے لگا تھا۔

”کیا مطلب عمر بھیا!“ اس نے سوکھے لبوں پہ زبان پھیری۔

”مطلب یہ کہ اپنی پیدائش سے پہلے تم نے میری جان چھڑکنے والی پھپھو کو مجھ سے جدا کیا ماں باپ کے انتقال کے بعد تم نے دادا جان کی محبت مجھ سے ہتھیالی، ان کی وفات کے بعد میرے ماں باپ پہ قبضہ کر کے بیٹھ گئیں انہیں اس جہاں سے رخصت کر کے تم نے میری دادو پہ بھی قبضہ جما لیا تم مجھ سے آخر کتنے رشتے چھینو گی نیہا سلیمان۔“ عمر عباس کے دل میں نجانے کتنے سالوں کا لاوا پھٹ گیا اور ستم یہ تھا کہ اس کا شکار بھی صرف نیہا سلیمان ہی ہوئی تھی انجانے میں وہ اس کے کسی زخم کو چھیڑ بیٹھی تھی۔

”میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا عمر بھائی۔“ وہ کانپنے لگی تھی عمر کے انداز و لفظوں اور آنکھوں سے نکلتی نفرت پہ، اس کے لرزتے جسم اور ہاتھوں نے پرفیوم کی بوتل کا بوجھ اٹھانے سے انکار کر دیا

نتیجتاً بوتل اس کے ہاتھوں سے پھسل کر نیچے جا گری اور دبیز قالین پہ گرنے کے باوجود کانچ کی بوتل ٹوٹ گئی، نیہا سلیمان کے دل کی طرح فرق صرف یہ تھا کہ کانچ کے ٹکڑے قالین پہ گرنے کے باوجود نظر آ رہے تھے جبکہ اس کے دل کے ٹکڑے جسم کی سات تہوں میں ہونے کی وجہ سے نظر نہیں آ سکتے تھے، عمر شیشے کی کرچیوں کو نیہا کے عزت و پندار کے ساتھ روندتا ہوا کمرے سے نکلتا چلا گیا، طاہر نے لرزتی کانپتی نیہا کو سنبھالا، قریب تھا کہ وہ انہی شیشے کی کرچیوں پہ گر کر اپنے آپ کو لہولہان کر لیتی طاہر کے سنبھالنے پر وہ اس سے لپٹی زار و قطار روتی عمر کے لفظوں کا مفہوم جاننے کی کوشش کر رہی تھی۔

☆☆☆

صبح کا سورج دھند میں لپٹا اپنی دھیمی روشنی کا احساس کھڑکی کی جھروکوں سے دلا رہا تھا، عمر کو اپنے الفاظ اور نیہا کی شوخی و شرارت سے یاد آ رہی تھی، وہ اپنے آپ کو ان لفظوں پہ زمین میں دھنستا محسوس کر رہا تھا زندگی اور موت بے شک خدا کے ہاتھ میں ہے، اگر اس سے وابستہ رشتوں کی محبت نیہا حصے دار بن گئی تھی تو یہ اس کا قصور نہ تھا اور نہ ہی ان رشتوں کے اس دنیا سے چلے جانے میں نیہا سلیمان قصوروار تھی مگر اس پل عمر ان رشتوں کی محبت اور جدائی میں اس قدر اندھا ہو چکا تھا کہ ہر جائز و ناجائز بات کی معتوب وہی اس کی نظر میں ٹھہرتی تھی لیکن آج جب موت نے خود نیہا کے بڑھتے ہاتھوں کو تھاما تو اس پل نیہا کے بے جان وجود کو اٹھائے اسے ادراک ہو چکا تھا کہ وہ لاکھ بے نیازی کا اظہار کرے، لاکھ ہر بات کے نقصان کے لئے نیہا کو قصوروار ٹھہرائے لیکن یہ بھی ایک حقیقت تھی کہ وہ نیہا کے وجود کا، اس کی شرارتوں، معصومیت اور خوف میں چھپی محبت کا عادی ہو چکا ہے، اب وہ ان سب چیزوں کا صرف عادی ہوا ہے یا درحقیقت وہ خود نیہا کی محبت میں مبتلا ہو چکا ہے یہ قبول کرنا کم از کم عمر عباس کے لئے ایک مشکل امر تھا۔

آج تیسرا دن تھا اسے ہوش و حواس سے بیگانہ ہوئے ڈاکٹرز نے انہیں 72 گھنٹے کا ٹائم دیا تھا اگر وہ 72 گھنٹے میں ہوش میں آ جاتی ہے تو وہ ٹھیک ہے اگر اسے اب بھی ہوش نہ آیا تو وہ کوما میں جا سکتی ہے، ڈاکٹر کے اس جملے پہ وہ لوگ ساکت رہ گئے تھے طاہر نے شکوہ کناں نظروں سے عمر کو دیکھا تو اس نے شرمندگی سے آنکھیں جھکا لیں، آج تیسرا دن تھا طاہر اور عمر کے ساتھ بی جان اور عفرا بھی ضد کر کے آ گئی تھیں، عفرا اس سے پہلے بھی آ چکی تھی لیکن خون میں ڈوبی نیہا کو دیکھ کر وہ اپنے رونے اور چیخوں پہ قابو نہیں رکھ سکی تھی، جبھی عمر نے اسے زبردستی نہ صرف واپس بھجوا دیا تھا بلکہ طاہر کو بھی تاکید کر دی تھی جب تک نیہا کو ہوش نہیں آ جائے عفرا ہاسپٹل نہ آنے پائے، آج چونکہ ڈاکٹرز نے اس کے ہوش میں آنے کی امید دلائی تھی سو وہ بھی آ گئی تھی سب لوگ آئی سی یو کے باہر بیٹھے ہوئے تھے، ڈاکٹرز اندر کوشش کر رہے تھے، بی جان کے ہونٹ مستقل ہل رہے تھے جبکہ عفرا کانپتے لبوں سے روتے ہوئے اس کی زندگی کی دعا مانگ رہی تھی طاہر کی حالت کافی ناگفتہ تھی جبکہ عمر بس ساکت سا آئی سی یو کی گلاس وال کو دیکھ رہا تھا، ایک گھنٹے بعد آئی سی یو کا دروازہ کھلا طاہر اور عمر بیک وقت ڈاکٹرز کی طرف بڑھے تھے عفرا بھی کھڑی ہو گئی تھی۔

"مبارک ہو آپ لوگوں کی مریضہ کو ہوش آ گیا ہے She is perfect and fine آپ لوگ ان سے مل سکتے ہیں، لیکن ایک بات کا خیال رکھیے گا، مریضہ سے زیادہ بات نہ کیجیے گا

خاص طور پہ ایسی کوئی بات جو ان کی دماغی حالت پہ برے اثرات مرتب کرے اوکے۔" ڈاکٹر ان دونوں کو ہدایت دے کر طاہر کے کاندھے تھپتھپا کر آگے بڑھ گیا، وہ سب لوگ اندر کی طرف بڑھ گئے، مگر عمر قصداً ہی باہر رک گیا، ایک گلٹ تھا جو لاشعوری طور پر اسے روکے ہوئے تھا، عفرا نے رخ موڑ کر عمر کو دیکھا اور اندر کی طرف بڑھ گئی، نیہا آنکھیں موندے زردی مائل چہرہ لئے بیڈ پہ لیٹی ہوئی تھی، بی جان تڑپ کر اس کی طرف بڑھیں۔

"ہنی میری جان!" لیکن وہ ساکت ہی پڑی رہی یوں کہ اس میں زندگی کی رمق ہی نہ ہو بی جان نے اس کا چہرہ دیوانہ وار چومنا شروع کر دیا عفرا نے اس کی بے گانگی نظر انداز کر کے اس کے ہاتھ تھام لئے، طاہر اس کے سرہانے آ کر کھڑا ہو گیا تھا، ان سب کی محبت پہ اس کی آنکھوں میں آنسو آنے لگے جسے اس نے بے دردی سے پیچھے دھکیل دیا۔

"ہنی بیٹا اپنی بی جان سے ناراض ہو گیا۔" بی جان نے اس کی بے گانگی پر تڑپ کر کہا۔

"نہیں بی جان۔" وہ ان کی اکلوتی بیٹی کی اکلوتی نشانی تھی، وہ خاموشی سے ٹکر ٹکر ان سب کا چہرہ دیکھ رہی تھی، طاہر بغور اسے ہی دیکھ رہا تھا، وہ اسے اس نیہا سے بالکل مختلف لگ رہی تھی جسے وہ آج تک دیکھتا آیا تھا، تین دن مزید ہوسپٹل میں رہنے کے بعد ڈاکٹرز نے اسے رات تک ڈسچارج کرنے کی اجازت دے دی تھی، سو جیسے ہی عشاء کی اذانوں کا سلسلہ شروع ہوا، بی جان نے عفرا کو سامان سمیٹنے کی ہدایت شروع کر دی وہ شروع سے ہی ہسپتالوں سے گھبراتی تھیں اور پھر جب سے خاور عباس کو ہارٹ اٹیک کے بعد اسپتال سے مردہ حالت میں لایا گیا تھا وہ اسپتالوں سے اور خوف زدہ ہو گئی تھیں، جس وقت وہ لوگ عباس ہاؤس میں داخل ہوئے اس وقت رات کے دس بج رہے تھے، عمر عباس اسے کہیں بھی نظر نہیں آیا تھا اس کا دل بدگمان ہونے لگا۔

"سب سے زیادہ خوشی تو میرے ایکسیڈنٹ کی عمر بھیا آپ ہی کو ہوئی ہو گی آپ تو چاہتے ہی یہی تھے کہ عباس ہاؤس پہ آپ کا راج ہو اور اس کے مکینوں کی محبت آپ کا مقدر بنے تو بے فکر رہیے نیہا آپ کی یہ خواہش بہت جلد پوری کرے گی اور اس گھر میں صرف آپ کا راج اور نانو کی محبت کے حقدار صرف آپ ہوں گے۔" وہ دل میں عمر عباس کو مخاطب کیے آنکھیں بند کیے لیٹی تھی جبھی عفرا اس کے لئے سوپ بنا کر لے آئی۔

"چلو ہنی گرما گرم سوپ پیو اور دعائیں دو مجھے۔" سوپ کی ٹرے سائیڈ ٹیبل پہ رکھ کر اس نے دائیں ہاتھ سے نیہا کو سہارا دے کر اٹھایا تو ناچار اسے خاموشی سے اٹھنا پڑا اس کے خاموشی سے اٹھ کر سوپ لینے پر عفرا وہیں بیٹھ گئی اور پاس رکھا میگزین اٹھا کر ورق گردانی کرنے لگی۔

☆☆☆

آج وہ پورے پچیس دن بعد کالج آئی تھی اور کالج آنے کے بعد سے لے کر اب تک آدھا کالج اس کی خیریت دریافت کرنے آ چکا تھا اسے جہاں خوشگواریت کا احساس ہوا تھا وہیں عمر عباس سے متعلق سوالات پر وہ زچ ہو چکی تھی اور ان سوالوں سے بچنے اور بیماری کے دنوں میں طے کیے جانے والے لائحہ عمل پہ عمل کرنے کے لئے وہ بریک ٹائم میں پرنسپل سے اجازت لے کر عفرا کو بغیر بتائے کالج سے نکل آئی، اس نے بیگ میں رکھا والٹ اور مطلوبہ سامان چیک کیا اور سامنے سے آتے رکشے کو دیکھ کر اسے ہاتھ دے کر روک

لیا تھوڑی دیر بعد وہ سعودی ایمبیسی کے باہر کھڑی تھی، ایمبیسی سے اپنا پاسپورٹ ری نیو کروانے کے بعد وہ جس وقت ایمبیسی سے باہر نکلی تو بارہ بج رہے تھے، سورج آسمان کے سینے پہ پوری شان سے چمک رہا تھا، اس نے چلچلاتی دھوپ کو نظر انداز کیا اور سامنے سے آتی وین میں سوار ہو گئی وین میں بیٹھتے ہوئے اسے ایک لحظ کو خوف محسوس ہوا کیونکہ آج تک اس نے وین میں سفر نہیں کیا جہاں بھی جانا ہوتا طاہر یا عمر کے ساتھ جاتی یا پھر عفرا اور وہ ڈرائیور کے ساتھ جاتی تھیں اس نے خوف کو جھٹکنے کی کوشش کی کیونکہ اب زندگی کا سفر ایک نئے لائحہ عمل سے طے کرنا تھا تو یہ ڈر کیا معنی رکھتا تھا، وہ جس وقت عباس ہاؤس میں داخل ہوئی اس وقت ڈیڑھ بج رہا تھا اسے معلوم تھا کہ عفرا کالج سے واپس آ چکی ہو گی اور اسے کالج کے بعد اب گھر میں موجود نہ پا کر یقیناً پریشانی ہو گئی ہو گی لیکن وہ نہ صرف خود پریشان ہو گی بلکہ سب کو پریشان کر دے گی، اس بات کا نیہا کو اندازہ نہیں تھا، اس نے لان میں لگے آم کے درخت کو ٹھنڈی سانس بھر کر دیکھا اور پورچ کراس کرتی لاؤنج کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی لیکن اندر داخل ہوتے ہی وہ ٹھٹک کر رک گئی سامنے ہی بی جان بیٹھی تھیں جن کی آنکھوں سے آنسو گر رہے تھے اور لب کسی چیز کا ورد کر رہے تھے، ان کے پاس عفرا و عمر اور طاہر کے علاوہ علی حیدر اور اسماء حیدر بھی موجود تھے، اسے دیکھ کر سب سے پہلے طاہر لپک کر اس کے پاس آیا تھا، اس کی آنکھوں میں خوف کے ساتھ غصہ بھی تھا۔

”کہاں تھیں تم تمہیں پتا ہے ہم کتنا پریشان ہو گئے تھے۔“ طاہر نے اس کا بازو پکڑ کر جھنجھوڑا۔

”آئی ایم سوری۔“ اس نے کہہ کر نظریں جھکا لیں۔

”میں پوچھ رہا ہوں ہنی کہاں تھیں تم؟“ اس نے پھر بھی کوئی جواب نہیں دیا، تو عمر اٹھ کر اس کے پاس آ گیا۔

”ہٹو طاہر میں اس سے پوچھتا ہوں یہ کہاں گئی تھی۔“ عمر نے اسے ایک طرف ہٹاتے ہوئے کہا تو نیہا جو اب تک طاہر سے سر جھکا کر بات کر رہی تھی یکدم سر اٹھا کر بے لحاظی سے بولی۔

”آپ کون ہوتے ہیں یہ پوچھنے والے؟“ اور اس کے جواب سے زیادہ اس کے انداز نے سب کو حیران کر دیا، اس کی آنکھوں میں بے خوفی کے ساتھ جو ہلکا سا احساس ہلکورے لے رہا تھا اسے طاہر کوئی بھی نام دینے سے قاصر تھا، لیکن عمر جان چکا تھا سیاہ آنکھوں میں ہلکورے لیتا احساس کسی اور چیز کا نہیں بلکہ نفرت کا ہے، وہ ایک غلطی جو عمر عباس کے نزدیک صرف غلطی ہی تھی وہ نیہا سلیمان کو نئی زندگی دینے کا سبب بنی تھی جس میں عمر عباس کے لئے سوائے نفرت کے کوئی جگہ نہ تھی۔

”تم کہاں گئی تھیں بیٹا ہم سب کتنا پریشان تھے تمہارے لئے۔“ علی حیدر نے صوفے سے اٹھ کر اس کے پاس آ کے شفقت سے اس کے سر پہ ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا۔

”میں ایمبیسی گئی تھی چاچو۔“ اس نے دھیمے لہجے میں علی حیدر کو بتایا۔

”ایمبیسی۔“ سب کے منہ سے حیرت زدہ انداز میں نکلا۔

”میں چاچو کے پاس دوبئی جانا چاہتی ہوں۔“ اس نے علی حیدر کے بھائی کا نام لیا جو دوبئی میں مقیم تھے اور بارہا اس کو دوبئی آنے کی دعوت دے چکے تھے، اس نے نظر اٹھا کر پہلے سب کو دیکھا اور پھر اپنا ارادہ ظاہر کر دیا کیونکہ ایک نہ ایک دن یہ بات تو سب کو بتانی تھی۔

”مگر کیوں؟“

”ایسے ہی۔“ اس نے لاپرواہی سے کہا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ ان سب کو پتا چلے کہ وہ ایسے ہی نہیں بلکہ ہمیشہ کے لئے یہاں سے جانا چاہتی ہے۔

”یہ بیٹھے بٹھائے دوبئی جانے کی کیوں سوجھ گئی تمہیں۔“ بی جان کی پریشانی اس کا ارادہ سن کر جھنجھلاہٹ میں بدل گئی۔

”پلیز بی جان جانے دیں اب تو اگزام بھی ختم ہو گئے۔“ اس نے بی جان کی منت کی اور کوئی جواب نہ پا کر وہ علی حیدر اور اسماء حیدر کی طرف مڑ گئی۔

”پلیز چاچو بی جان سے کہیں ناں صرف چند دنوں کی تو بات ہے۔“ اس نے ان کو اپنا سپورٹر بنایا وہ کبھی بی جان کے پاس جاتی کبھی علی حیدر کے پاس اور اس پریڈ مارچ میں وہ عفرا، طاہر اور عمر کو مکمل طور پر بھول چکی تھی اور یہ بات جہاں طاہر اور عمر کے لئے حیرت کا باعث تھی وہیں اس کی بے گانگی پر عفرا کی آنکھوں میں آنسو آنے لگے جسے اس نے سرعت سے پیچھے دھکیل دیا، بالآخر اس کی ایک گھنٹے کی پریڈ اور علی حیدر کی سپورٹ کام آ گئی تھی بی جان اسے دوبئی بھیجنے پہ رضامند ہو گئیں لیکن صرف ایک ماہ کے لئے اور اس کے لئے تو ان کی اجازت ہی بہت تھی، وہ بھاگتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف گئی تھی یوں کہ اگر اس نے ابھی پیکنگ شروع نہ کی تو بی جان کا اقرار انکار میں نہ بدل جائے پیچھے بی جان اسے کھانے کی ہدایت کرتی رہ گئی لیکن وہ سب کچھ نظر انداز کر کے کمرے کی طرف بڑھتی چلی گئی تھی، کمرے میں آ کر اس نے بیڈ کے نیچے سے سوٹ کیس گھسیٹا اور وارڈ روب کھول کر کپڑے ہینگر سمیت سوٹ کیس میں بھرنے شروع کر دیئے، کپڑے رکھنے کے بعد اس نے تمام ڈاکومنٹس رکھے اور سائیڈ کارنر میں رکھی ماں باپ کی شادی کی تصویر سوٹ کیس میں رکھ دی وہ یوں تیاری کر رہی تھی گویا اس کی شام کی فلائٹ ہو اور یہی ہوا بھی اس نے اپنے کمرے میں آنے کے بعد علی حیدر اسے ضد کر کے اگلی شام کی فلائٹ کے ٹکٹ بھی منگوا لئے تھے عفرا جو کافی دیر سے دروازے میں کھڑی اس کی کاروائی دیکھ رہی تھی جب ضبط نہ ہو سکا تو پھٹ پڑی۔

”دس از ٹو مچ ہنی تم عمر بھائی کی غلطی کی سزا ہم سب کو کیوں دے رہی ہو کیا تم ان کی غلطی کو معاف نہیں کر سکتیں۔“

”نہیں۔“ اس نے لاپرواہی سے یک لفظی جواب دیا۔

”مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے ہنی تمہاری یہ پلاننگ ایک ماہ کی نہیں بلکہ اس سے کچھ زیادہ کی ہے۔“ عفرا نے اس کے کاندھے پہ ہاتھ رکھ کر اپنی طرف گھماتے ہوئے کہا تو نیہا ایک لمحے کے لئے اس کی صحیح قیاس آرائی پر ٹھٹک گئی پھر یکدم ہکلاتے ہوئے بولی۔

”نہ......نہ......نہ......نہیں تمہیں ایسا کیوں لگ رہا ہے اصل میں چاچو سے ملنے کی خوشی میں کچھ سمجھ نہیں آ رہا ناں تو بس جو ہاتھ میں آیا وہ رکھ لیا۔“ اس نے بے تکا جواب دیا عفرا مطمئن تو کیا ہوتی اس کے الفاظ سے زیادہ اس کے انداز پر بے چین ہو گئی۔

”ہنی تم کیا کرنا چاہتی ہو۔“ اس نے سرد انداز میں پوچھا۔

”پلیز عفرا لیو می الون میں ایسا ویسا جیسا کیسا کچھ نہیں کرنا چاہتی ہر بات کے پیچھے مت پڑ جایا کرو۔“ نیہا نے جھنجھلا کر نہایت

بدتمیزی سے اسے جواب دیا اور اس جواب کے پیچھے گویا اشارہ تھا کہ دفع ہو جاؤ یہاں سے عفرا کی آنکھوں میں تیزی سے پانی جمع ہونے لگا وہ اس کی اجنبیت اور اس کے لفظوں پہ لبوں پہ ہاتھ رکھتی بھاگتی ہوئی کمرے سے نکلی، کمرے سے باہر نکلتے ہوئے دہلیز پہ کھڑے عمر سے ٹکرا گئی، آنسو بھری آنکھوں سے اس نے اسے ایک پل رک کر دیکھا اور پھر وہاں سے نکلتی چلی گئی آنسو بھری نظریں اس بات کی گواہ تھیں کہ وہ جان چکی ہے کہ عمر بھی سب کچھ سن چکا ہے لیکن اس پل اپنی بے مائیگی اور بے عزتی کا احساس اتنا شدید تھا کہ وہ ایک پل کو بھی نہ رکی عمر نے ایک نظر اپنے پورشن کی طرف جاتی ہوئی عفرا کو دیکھا اور دوسری نظر نیہا پہ ڈالی جو اتنا کچھ کہنے کے بعد اب اردگرد سے انجان سر پکڑے بیڈ پہ پشیمان سی بیٹھی تھی۔

"ہنی!" عمر نے کمرے میں داخل ہو کر نیہا کو پکارا نیہا نے ایک جھٹکے سے گردن اٹھا کر عمر کو دیکھا اور کھڑی ہو گئی عمر عباس کی اس کے کمرے میں موجودگی ایک ناقابل یقین بات تھی اس نے چند لمحے کے لئے اسے دیکھا اور سوٹ کیس میں رکھے کپڑے الٹ پلٹ کرنے لگی، عمر نے اس کی بے گانگی اور سرد انداز کو بہت شدت سے محسوس کر کے ضبط کیا تھا، اس وقت وہ اگر اس کے کمرے میں آیا تھا تو وجہ بی جان تھیں یا پھر وہ محبت جسے بہت خاموشی سے عمر عباس نے قبول کر لیا تھا اب تو صرف اس محبت کا اعتبار اسے سونپنا تھا، اس کی بے ہوشی کے وہ تین دن اس کی جدائی میں بی جان کی بگڑتی حالت کے ساتھ اس پہ بہت سے آگہی کے در وا کر گئے تھے، اس لئے تمام انا کو بالائے طاق رکھ کر اس نے کہا۔

"نیہا مجھے معاف کر دو۔" عمر کے الفاظ پہ نیہا کو سو والٹ کا کرنٹ لگا تھا، عمر عباس وہ بھی معافی مانگ رہا تھا اور معافی بھی کس سے نیہا سے جو ہر غلطی اور ہر گناہ کی مرتکب ٹھہرتی تھی اس کی نظر میں عمر کے شکستہ انداز پہ قریب تھا کہ وہ پگھل جاتی لیکن اس نے رخ موڑ کر اپنے آپ کو مضبوط کرنے کی کوشش کی، نہ جانے کب کے رکے بے آواز اس کے گالوں پہ لڑھکنے لگے جسے اس نے بے دردی سے پونچھتے ہوئے کہا۔

"معافی کیسی عمر بھیا آپ نے تو کوئی غلطی کی ہی نہیں تو معافی کس بات کی غلطی تو میں کرتی ہوں اور مجرم بھی میں ہوں۔" اس کی آواز بھرا گئی جس کو اس نے ضبط کر لیا۔

"میری وجہ سے آپ کو آپ کی پھپھو کی محبت نہ مل سکی یہ جانے اور سمجھے بغیر کہ میں تو دنیا میں آنکھ کھولنے کے بعد سے ماں باپ کی محبت اور اس کے لمس سے محروم ہوں، اپنی ماں کی موت کی بھی میں ذمہ دار ہوں باپ کی ماں سے محبت میں جدائی اور پھر انتقال کی میں گناہ گار ہوں، دادا جان کی محبت اس وقت حاصل کرنے کی گناہ گار جب لفظ محبت کے معنی بھی مجھے نہیں آتے اور ان کے اس دنیا سے چلے جانے کی میں ذمہ دار ہوں، ماموں مامی جیسی شفیق ہستیاں ملیں تو ماموں نے باپ کی شفقت سے جہاں آشنائی کروائی وہی مامی نے بھی لفظ ماں سے آشنا کروا کے ماں کے محبت سے محرومی کو ختم کر دیا تھا لیکن آپ کا اور طاری بھیا کے حصے کی محبت وصول کرنے اور ماموں مامی کے دینا سے چلے جانے کی بھی میں گناہ گار ہوں۔"

عمر کا دل چاہ رہا تھا اس کی سسکیوں بھرے لفظوں کو سننے سے پہلے اپنے کانوں پہ ہاتھ رکھ لئے یا پھر اسے خاموش کروا دے، لیکن وہ بے بس کھڑا بس اسے سن رہا تھا یہی اس کی سزا تھی شاید۔

"تو اتنے سارے گناہوں کی تو مجھے معافی مانگنی چاہیے ناں اس لئے ہو سکے تو مجھے معاف کر دیجئے گا رشتوں کے چھن جانے اور محبتوں کے بٹ جانے پر۔" اس نے آنسوؤں کا گولہ حلق میں اتارتے ہوئے شدت سے ضبط کیا تھا لیکن دو آنسو لڑھک کر دوبارہ گالوں پہ آ گئے تھے جسے اس نے بے دردی سے پونچھتے ہوئے کہا۔

"بی جان کا بہت خیال رکھیے گا میں آپ کو، بی جان کی اور عباس ہاؤس کے ہر مکین کی محبت سونپ کر ہمیشہ کے لئے جا رہی ہوں بی جان آپ سے بہت محبت کرتی ہیں مجھے امید ہے آپ انہیں میری کمی اور غیر موجودگی کا احساس نہیں ہونے دیں گے۔" اس نے سوٹ کیس بند کیا اس کو لاک کر کے اسے نیچے اتار کے وہ مڑی تو اپنے بالکل پیچھے کھڑے عمر سے ٹکرا گئی وہ لمحوں میں پیچھے ہٹی تھی۔

"میں غلط تھا بنی مجھے اس بات کا شدت سے احساس ہے پلیز بی جان کی خاطر ہی مجھے معاف کر دو۔" اس نے اب سچ مچ نیہا کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے تھے اور اس کے ہاتھ باندھنے پہ نیہا ساکت ہو گئی تھی اور پھر اسی کے بندھے ہوئے ہاتھوں پہ پیشانی ٹکا کے پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے اس نے عمر کو معافی کا عندیہ دے دیا تھا، عمر نے اس کے ہچکیوں سے لرزتے جسم کو دیکھا تو اس پل محبتوں کی کمی کو اپنے اندر چھپائے سراپا محبت نظر آنے اور بانٹنے والی لڑکی پہ اسے بے تحاشا رشک آیا تھا، وہ محبتوں کی کمی کے باوجود سراپا محبت تھی اور وہ عمر عباس اتنی محبتیں اور رشتے کی مٹھاس سمیٹنے کے باوجود اپنے موجودہ رشتوں سے نالاں تھے اس نے اپنے بندھے ہاتھوں کو کھول کر اس کے کاندھوں پہ ہاتھ رکھا۔

"میری وجہ سے آج تک تمہاری ان آنکھوں میں آنسو آئے ہیں ناں لیکن میرا وعدہ ہے تم سے نیہا ان آنسوؤں کے بدلے تمہیں اتنی خوشیاں دوں گا کہ تم جانے والے رشتوں کو بھول جاؤ گی یہ میرا تم سے وعدہ ہے لیکن تم بھی وعدہ کرو، آئندہ عباس ہاؤس چھوڑنے کی بات نہیں کرو گی، وعدہ۔" اس کے ہاتھوں کو اپنے مضبوط ہاتھوں میں سمیٹتے ہوئے اس نے وعدہ لیا، نیہا نے اس کے چمکتے چہرے کو دیکھا اور رنگ بدلتی سیاہ آنکھوں میں محبت چمکتی دیکھ کر دھیرے سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"اور ایک وعدہ اور۔" عمر نے پر اسرار طریقے سے کہا۔

"پلیز مجھے بھیا کہنا چھوڑ دو اب۔" اور اس کی فرمائش پہ نیہا جھینپی جھینپی ہنسی ہنس دی اور ان دونوں کے مسکرانے پہ ڈھلتی شام نے مسکراتے ہوئے انہیں دیکھا اور انہیں دائمی خوشیوں کی دعا دیتی پردوں کی اوٹ میں چھپ گئی۔

☆ ☆ ☆

"انتقال پر ملال"

ہماری دیرینہ قاری اور مصنفہ گل عندلیب دو فروری کو قضائے الٰہی سے انتقال کر گئیں

انا للہ وانا الیہ راجعون

دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ مرحومہ کی مغفرت فرمائے اور ان کے اہل خانہ کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین۔

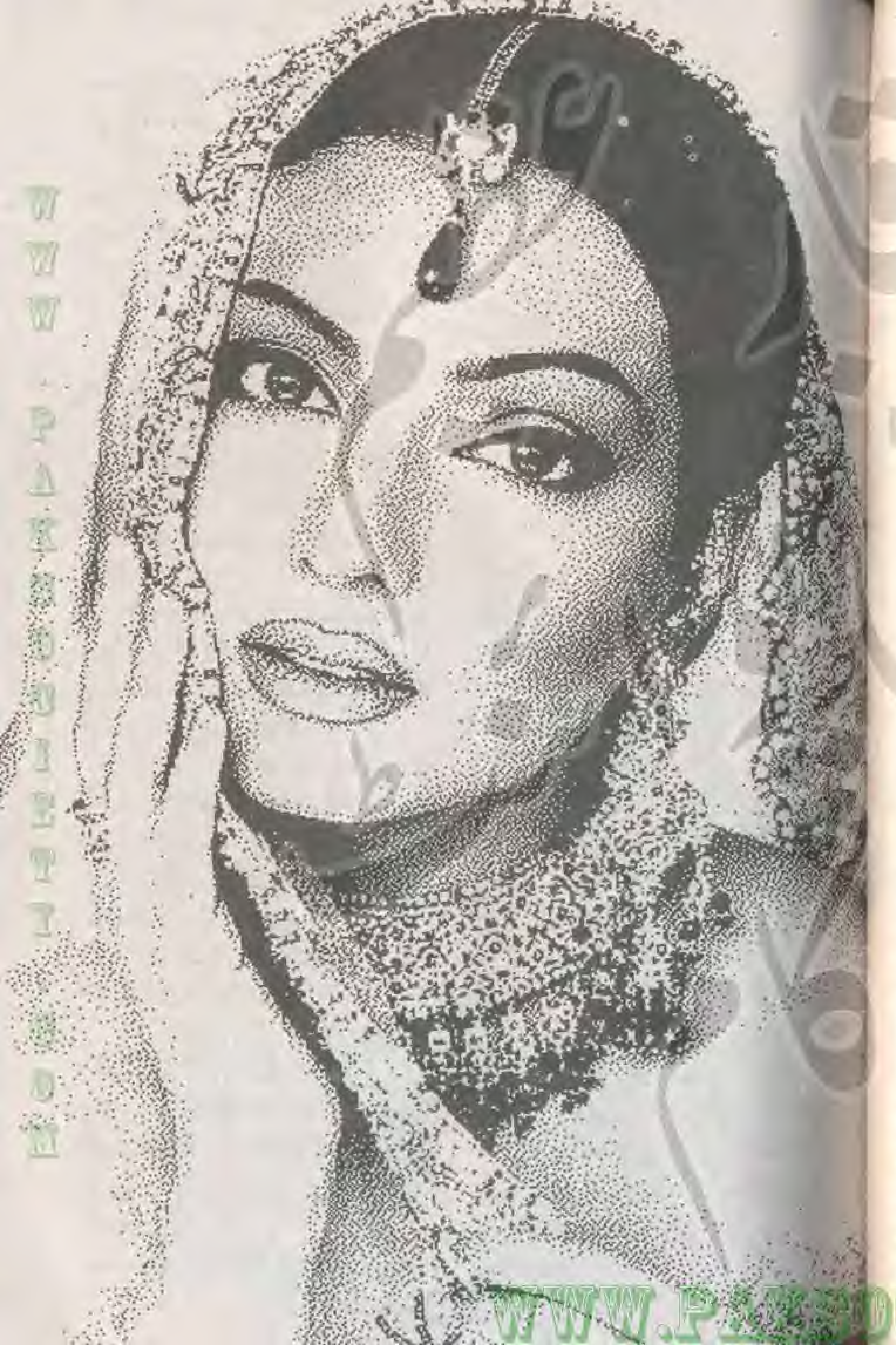

اک ستم دل

سندس جبیں

آٹھویں قسط

اس کی سوچ کا دائرہ مختلف سمتوں میں حرکت کر رہا تھا، پتا نہیں اسے وہاں کھڑے کتنی دیر گزر گئی، رات بتدریج بھیگتی جا رہی تھی، اس نے تھک کر سر جھٹکا اور قدم شاہ بخت کے کمرے کی طرف بڑھا دیے، وہ اپنے عزیز دوست نما بھائی سے سب کچھ شیئر کر کے اس سے مشورہ لینا چاہتا تھا اور اسے یقین واثق تھا کہ اس سے بات کر کے لازماً وہ کسی حتمی نتیجے پر پہنچ جائے گا، اس نے آہستگی سے بخت کے کمرے کا دروازہ کھولا اور اندر آ گیا، کمرہ خالی تھا، اس نے اِدھر اُدھر دیکھا، باتھ روم سے پانی گرنے کی آواز آ رہی تھی، وہ بیڈ پر لیٹ گیا، بڑی دھیمی سی مہک ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے تھی، یوں جیسے ابھی ابھی ائیر فریشنر چھڑکا گیا ہو، عباس نے اس خوشگوار خوشبو کو ایک طویل سانس لے کر محسوس کیا اور تکیہ اٹھا کر چہرے پر دھر لیا، اسے یکدم کسی سخت سی چیز کا احساس ہوا اس نے اپنے کندھے کے نیچے ہاتھ مارا تو ٹھٹک گیا، وہاں کچھ تھا، اس نے سیدھے ہوتے ہوئے دیکھا اور اس کی نگاہ ساکت رہ گئی، اس کے سامنے ایک برانڈڈ سگریٹ کیس اور سنہرا لائٹر پڑا تھا۔

ناولٹ

”شاہ بخت اور اسموکنگ؟“ اسے جھٹکا لگا تھا، اس نے تیزی سے سوچا کہ اسے کیا کرنا ہے پھر اس نے تیزی سے اٹھ کر کیس اور لائٹر اپنی پاکٹ میں گھسیڑا، تکیے کو واپس اس کی جگہ رکھا اور باہر نکل گیا۔

☆☆☆

نوفل کنچن بوری پہنچ چکا تھا مگر اس نے براہ راست ستارا کے پاس جانے کی بجائے اپنے کسی اور ہٹ پہ رہائش کا سوچا تھا، وہ ابھی اس سے ملنے کی کنڈیشن میں نہ تھا، وہ اسے خاصا بے وقوف بنا چکا تھا یہ کہہ کر کہ وہ ایک افریقی نیگرو تھا،

اب یوں ایکدم سے جانا شاید مناسب نہ ہوتا، اس دن وہ سارا دن کمرے میں ریسٹ کرتا رہا۔

شام کے وقت اس نے ستارا کے ہٹ پہ موجود اس میڈ مائے پونگ سے رابطہ کیا تھا اور اسے تارا سے بات کروانے کا کہا، کچھ دیر بعد وہ ستارا سے بات کر رہا تھا۔

“کیس ہو تارا؟” وہ بے تابی سے بولا تھا۔

“نوفل! تت...... تم؟” وہ حیرت سے سن ہوگئی۔

“تم ٹھیک ہو تارا؟”

“تم نے کیوں فون کیا نوفل؟ مہروز کو پتا چل جائے گا۔” وہ سہمی ہوئی تھی، وہ ابھی تک یہی سمجھ رہی تھی کہ اسے مہروز نے اس ہٹ میں رکھا ہوا تھا۔

نوفل کے ذہن نے تیزی سے آگے کا پلان سوچا، وہ فی الحال کسی صورت خود سامنے نہیں آنا چاہتا تھا اور نہ ہی اسے یہ بھنک پڑنے دینا چاہتا تھا کہ یہ سب اس نے کروایا تھا۔

“اس کی فکر مت کرو تارا! میں نے بڑی مشکل سے اس میڈ کو پیسوں کا لالچ دے کر اس بات پہ راضی کیا ہے کہ یہ میری تم سے بات کروا دے، اس لئے اب مجھے بتاؤ کہ تم کہاں ہو؟ اور کیسی ہو؟”

“میں ٹھیک نہیں ہوا، نوفل! بہت پریشان اور اداس ہوں اور کہاں ہوں؟”

“یہ تو میں نہیں جانتی نوفل! لیکن یہ کوئی ہل اسٹیشن لگتا ہے۔” وہ رونے لگی۔

“ہاں اتنا تو مجھے معلوم ہے میں جلد ہی اس میڈ سے سب اگلوا لوں گا تم مجھے یہ بتاؤ یہ باہر کس وقت جاتی ہے؟” وہ سوچے سمجھے منصوبے کے تحت بول رہا تھا۔

“یہ شام چار بجے گھر سے جاتی ہے اور روزمرہ کی اشیاء کی خریداری کر لاتی ہے۔”

“ٹھیک ہے تم فکر مت کرو، میں تمہیں یہاں سے نکالنے کی کوشش کروں گا۔” وہ کہہ رہا تھا۔

“مگر مہروز......؟” وہ ہچکچا گئی۔

“اس کو دفع کرو، اس کا بندوبست میں کر کے آیا ہوں۔”

“کیا مطلب؟” وہ حیران ہوئی۔

“وہ خبیث کہتا ہے تمہیں طلاق دے چکا ہے اور یہ اب کی نہیں تین مہینے پہلے کی بات ہے۔” نوفل نے روانی سے کہا۔

“کیا؟” تارا کی چیخ بڑی بلند تھی۔

“تم کیا کہہ رہے ہو نوفل؟” وہ شاکڈ تھی۔

“یہ سچ ہے اور وہ کہہ رہا تھا کہ وہ طلاق کے پیپرز تمہارے گھر پاکستان بھی بھجوا چکا ہے۔” وہ اسی روانی سے جھوٹ بولتا گیا۔

“نہیں تم جھوٹ بول رہے ہو، ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ پھر مجھے اس ہٹ میں کس نے قید کیا ہوا ہے؟” وہ حواس باختہ سی بول رہی تھی۔

“اس کا میں جلد پتا لگوا لوں گا مگر فی الحال تم یہ کرو کہ مجھے اپنے گھر کا نمبر لکھواؤ، میں رابطہ کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔”

“میں خود اس فون سے کوشش کروں؟”

“نہیں، وہ میڈ شاید تمہیں ایسا کرنے نہ دے، اب جلدی بولو نمبر، میں کل تک لازماً کوشش کروں گا کہ سب کچھ معلوم کروا سکوں، ٹھیک ہے۔” نوفل نے فون بند کر دیا۔

فون کو ہتھیلی پہ رکھے وہ پر سکون انداز میں چیئر پہ جھول رہا تھا اس کی آنکھوں میں لطف آمیز چمک تھی، سب کچھ اس کی توقع کے مطابق ہو رہا تھا یہ سب اس لئے کر رہا تھا کہ اس کہانی میں حقیقی رنگ بھر سکے۔

مگر اگلے دن واقعی اس نے ستارا کے گھر فون کیا تھا، اس کی بات ستارا کی بڑی بہن عائشہ سے ہوئی تھی، اس نے انہیں بتایا کہ وہ ستارا کو جانتا ہے اور وہ اسے ایک روڈ پر زخمی حالت میں ملی تھی، جس پر عائشہ بے قرار ہو کر رونے لگیں اور اس سے تقاضہ کرنے لگیں کہ وہ ان کی ستارا سے بات کروا دے، مگر نوفل نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ وہ گھر سے باہر ہے اور تارا اس کے پاس نہیں رہ رہی، وہ کسی خاتون کے ساتھ رہتی ہے، اس نے عائشہ کو کنوینس کیا کہ وہ فوراً سے پیشتر سنگاپور آنے کی کوشش کریں، انتظامات وہ خود کر لے گا، وہ تو اڑ کر آنا چاہتی تھیں، کافی دیر وہ دیگر تفصیلات پہ بات کرتا رہا، جب اس نے فون بند کیا تو تقریباً سب کچھ طے ہو چکا تھا، اس کا خیال بڑا سیدھا تھا، اسے یقین تھا کہ آئندہ بھی ویسا ہی ہوگا جیسا اس نے سوچا، اس کا ارادہ تھا کہ جیسے ہی عائشہ سنگاپور آتیں وہ ان سے ستارا سے شادی کی بات کر لیتا اور یوں خوش اسلوبی سے وہ اس کی اپنی بن جاتی جبکہ اس کی عدت بھی پوری ہو چکی تھی اور اس سب کا بڑا مقصد دراصل ستارا کی نظروں میں اپنی پوزیشن کلیئر رکھنا تھا۔

☆☆☆

بڑی نفیس سی سجاوٹ سے بھرا لان تقریباً تمام مہمانوں سے بھر چکا تھا، ہر طرف بڑی چہل پہل تھی، حبا نے آج خوبصورت سیاہ فراک پہنی تھی، مریشہ نے اسے خصوصی طور پر پارلر سے تیار کروایا تھا وہ نہیں چاہتی تھیں کہ حبا کسی طور بھی کم نظر آئے اور یوں وہ خوب بجی بنی ہوئی بڑی پیاری لگ رہی تھی، سفیر اور اس کی فیملی بھی آ چکی تھی، تیمور احمد نے اس کا تعارف سفیر سے کروایا تو سفیر کی آنکھوں میں اس کے لئے واضح پسندیدگی اتر آئی تھی جس نے حبا کے اندر ناگواری کا احساس بھر دیا تھا، وہ سوائے اسید کے اور کسی کو اچھا نہیں لگنا چاہتی تھی، کتنی بے وقوفانہ سی خواہش تھی اس کی۔

اس نے نظر دوڑا کر اسید کو ڈھونڈا جو گلاب کی باڑ کے پاس کھڑا اسد سے محو گفتگو تھا، اسد آج اتفاقاً ہی اسلام آباد آ گیا تھا، جس پہ اسید بے حد خوش تھا، اب بھی سفید شرٹ اور بلیک پینٹ میں مسکراتا ہوا بہت شاندار لگ رہا تھا، حبا کے اندر دہکتی آگ میں چند مزید انگارے سلگے تھے، اس کی آنکھوں میں نمی اترنے لگی، اس نے تیزی سے خود کو سنبھالا اور ایکسکیوز می کہتے ہوئے وہاں سے دور ہٹ گئی، اس کی نظر مسلسل اسید پہ تھی، کچھ دیر بعد جب اس نے اسد کو وہاں سے ہٹتے دیکھا تو وہ اسید کی سمت بڑھ گئی، وہ اسے دیکھ کر چونکا مگر نظر انداز کر گیا۔

“کافی موڈ خوشگوار لگ رہا ہے جناب کا۔” حبا نے خوشدلی سے کہا۔

“تو؟” وہ سپاٹ آواز میں بولا۔

“تو یہ کہ کافی ہینڈسم لگ رہے ہو۔” وہ گہری مسکراہٹ سے بولی تھی، اسید نے تیز نظروں سے اسے گھورا تھا۔

“شٹ اپ میں تمہارے منہ نہیں لگنا چاہتا۔” وہ سختی سے بولا تھا، حبا زہریلے انداز میں ہنس پڑی۔

“اچھا چلو دیکھ لیتے ہیں کون کیا نہیں کرنا چاہتا۔”

“یہ فنکشن تمہارے لئے آرگنائز کیا گیا ہے حبا! اس لئے تمہیں اسے انجوائے کرنا چاہیے، میرے ساتھ الجھنے کا فائدہ؟” اسید نے اس کو سمجھانا چاہا۔

“فائدہ؟ نقصان؟ محبت میں یہ سب تو نہیں دیکھا جاتا اسید؟” وہ عجیب سی نظروں سے

اسے دیکھ رہی تھی۔

”محبت؟ ہونہہ، تم کیا جانو حبا تیمور! محبت کیا ہوتی ہے؟“ وہ سرد مہری سے بولا تھا۔

”تمہیں لگتا ہے مجھے نہیں پتا محبت کیا ہوتی ہے؟ چلو کوئی بات نہیں میں ثبوت دے دیتی ہوں کہ مجھے واقعی پتا ہے کہ محبت کیا ہوتی ہے اور انسان سے کیا ”کروا“ لیتی ہے۔“ اس نے ”کروا“ پہ زور دے کر کہا۔

”تم کیا کرنا چاہتی ہو؟“ اسید نے الجھی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

”تم میرے ساتھ ایسا کیسے کر سکتے ہو اسید؟“ وہ ایک قدم پیچھے ہٹتے ہوئے بلند آواز میں بولی تھی، اس کی بلند آواز نے اردگرد موجود لوگوں کو فوراً متوجہ کیا تھا، اسید حیرانی سے اس کی ایکٹینگ دیکھ رہا تھا۔

”اسید! تم یہ نہیں کر سکتے، میں تمہیں ایسا نہیں کرنے دوں گی۔“ اس کی آواز مزید بلند ہوتی جا رہی تھی۔

”کیا بکواس کر رہی ہو تم، کیا کیا ہے میں نے؟“ وہ دھیمی آواز میں بولا۔

”تم مجھے اس راہ پہ لا کے تنہا نہیں چھوڑ سکتے اسید مصطفیٰ! تم مجھے دھوکہ نہیں دے سکتے، میں محبت کرتی ہوں تم سے۔“ اس نے ہذیانی انداز میں چیختے ہوئے اسید کی شرٹ کا کالر ہاتھوں میں دبوچ لیا تھا، اسید کا رنگ سفید پڑ گیا وہ ساکت اسے دیکھتا رہ گیا۔

”اور...... تم بھی تو محبت کرتے ہو مجھ سے، پھر اب پیچھے کیوں ہٹ رہے ہو، بولو، کیا ملے گا تمہیں میری زندگی برباد کر کے، کیا؟“ وہ اسے جھنجھوڑ رہی تھی اور ساتھ ساتھ رو رہی تھی، ہجوم سے اٹھتی آوازوں نے ایکدم سے اسید کا دماغ ری سٹارٹ کیا تھا۔

”دماغ درست ہے تمہارا؟ کیا فضول بکواس کر رہی ہو؟“ اس نے طیش سے کہتے ہوئے اپنا کالر چھڑوانا چاہا مگر ناکام رہا حبا کی گرفت بڑی مضبوط تھی اور اس کے لمبے ناخن جو خوبصورت سی نیل پالش سے سجے تھے اس کے سینے پر چبھ رہے تھے۔

”میرے ساتھ یہ مت کرو اسید! خدا کے لئے، میں مر جاؤں گی، سنا تم نے میں جان دے دوں گی کس بات کا ڈر ہے تمہیں؟ پاپا کا؟ مگر میں کیا کروں؟ میں کسی اور سے شادی کا سوچ بھی نہیں سکتی میں، میں تو صرف تم سے محبت کرتی ہوں، اللہ کے لئے مجھ پہ رحم کرو اسید! میرے ساتھ یہ نہ کرو، تم تو مجھ سے محبت کرتے ہو پھر ایکدم سے یوں راستہ کیوں بدل رہے ہو؟ کیا مل جائے گا تمہیں یہ سب کر کے۔“ وہ روتی ہوئی گھٹنوں کے بل زمین پر گر گئی، اسید تو یوں کھڑا تھا جیسے پتھر کا ہو چکا ہو وہ نہیں جانتا تھا کہ اردگرد کھڑے لوگ اسے کس طرح کی نظروں سے دیکھ رہے تھے، تیمور احمد کہاں تھے؟ مرینہ نے حبا کو روکا کیوں نہیں تھا اور اسد؟ اس کے دماغ کے فنکشنز جیسے فریز ہو گئے تھے، پھر اس نے مرینہ اور تیمور احمد کو اپنی طرف بڑھتے دیکھا اور تیمور احمد نے جن نظروں سے اسے دیکھا تھا اس کا دل چاہا کاش وہ مر جائے، وہ وہیں کھڑا کھڑا مر جائے۔

مرینہ اب جھک کر گری ہوئی حبا کو اٹھا رہی تھیں، مہمان واپس جا رہے تھے اس نے سفیر کے والدین کو غصے سے بھرے گاڑی کی سمت بڑھتے دیکھا اور سفیر کو زوردار طریقے سے کار کا دروازہ بند کرتے پھر وہ وہیں گر گیا، اس نے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں جکڑ لیا جس میں درد کی شدید لہریں اٹھ رہی تھیں کسی نے اس کے شانے پہ ہاتھ رکھا تھا اس نے سر اٹھا کر دیکھا تھا، وہ اسد تھا۔

”یہ سب کیا ہے اسید؟“ اس کے لہجے کی بے یقینی اسید کو مار گئی۔

”وہ جھوٹ بولتی ہے اسد! میں نے کچھ نہیں کیا۔“ وہ وحشت زدگی سے چلایا۔

”میں تو اسے ہمیشہ بہن سمجھا تھا۔“ وہ اپنی سرخ نم آنکھیں بند کرتا بڑبڑایا تھا۔

”پھر اس نے یہ سب کیوں کیا؟“ اسد نے حیرانی سے کہا۔

”میں نہیں جانتا...... مگر میں، میں...... پاپا کو ضرور بتاؤں گا، میں نے کچھ نہیں کیا، وہ جھوٹ بولتی ہے۔“ وہ بے ربطی سے کہتا اٹھ کر اندر کی طرف بڑھا تھا۔

لاؤنج میں صوفے پہ حبا بیٹھی رو رہی تھی اور مرینہ اسے ساتھ لگائے چپ کروا رہی تھی، تیمور احمد غصے اور طیش کے عالم میں ٹہل رہے تھے، اسید کو اندر آتا دیکھ کر ان کی آنکھوں میں گویا خون اتر آیا تھا۔

”پاپا میں......“ بات اسید کے منہ میں ہی رہ گئی، تیمور احمد کے زوردار تھپڑ نے اس کو تھرا دیا تھا۔

”بکواس بند کرو، کون سا باپ؟ میں تمہارا باپ نہیں ہوں، سمجھے اور وہی کیا نا تم نے، وہی کیا نا جس کا مجھے ڈر تھا، اسی دن سے ڈرتا تھا میں، اسی دن سے۔“ وہ دھاڑے تھے۔

”میں نے کچھ نہیں کیا یہ جھوٹ بولتی......“ اس بار تیمور احمد نے اس کے بائیں گال پہ تھپڑ مارا تھا۔

”ایک لفظ اور نہیں، میں تمہاری گندی زبان سے کوئی صفائی نہیں سننا نہیں چاہتا، تم نے ثابت کر دیا تم ایک غلیظ باپ کی اولاد ہو اور آستین کے سانپ بھی، اتنے سالوں تک میں نے تمہیں اس لئے دودھ پلایا کہ تم میرے ہی گھر میں نقب لگا دو۔“ وہ زہر اگل رہے تھے۔

اس بار اسید خاموشی سے انہیں دیکھتا رہا، ایک پل میں برباد ہونا کسے کہتے ہیں اسے پتا چل گیا تھا۔

”آپ گالی دے سکتے ہیں، حق رکھتے ہیں آپ جو کھلاتا ہے اس کا اتنا حق تو بنتا ہے۔“ وہ دھیمی آواز میں بڑبڑایا تھا۔

”بکواس بند کو اپنی، یہ تم تھے جس کی وجہ سے میری معصوم بیٹی نے یہ قدم اٹھایا۔“

”میں نے اسے ڈکٹیشن نہیں دی تھی کہ وہ یہ سب کر لے۔“ اس بار اسید بھی بلند آواز میں بولا تھا۔

”مگر اسے اس حد پر لانے والے تو تم ہی تھے، بولو کوئی جواب ہے تمہارے پاس؟“

”میں اسے بھلا کیوں مجبور کروں گا؟“ وہ حیرت سے چلایا تھا۔

”میری ساری پراپرٹی پر قبضہ جمانے کا اس سے اچھا ذریعہ اور کیا ہو سکتا تھا کہ میری بیٹی سے شادی کر لیجائے اور اس کے لئے تم نے اسے ورغلایا اور......“ اسید نے طیش سے ان کی بات کاٹ دی۔

”میں لعنت بھیجتا ہوں آپ کی پراپرٹی پر اور آپ کی بیٹی پر۔“ وہ نفرت سے دھاڑا تھا۔

”زبان سنبھال کر بات کرو۔“

”آپ بھی ذرا دھیان سے بات کریں ایک بیٹی کے باپ ہیں، میرا کیا ہے میں تو مرد ہوں میری خامی کوئی یاد نہیں رکھے گا مگر آپ کی بیٹی کی خامی کوئی بھولے گا نہیں اور جو یادگار تماشا آج اس نے لگایا ہے وہ تو بھلانے کے قابل ہے بھی نہیں۔“ اسید نے طنزیہ کہا تھا لیکن تھا تو سچ، تیمور احمد کا رنگ زرد پڑ گیا، اس پہلو پر تو انہوں

نے سوچا ہی نہ تھا۔

’’اوہ...... تو تم یہ چاہتے ہو، مگر تمہیں کیا لگتا ہے اسید مصطفیٰ میں تمہیں یوں چپ چاپ نکلنے دوں گا، میری بیٹی کو سارے زمانے میں ذلیل کروا کر تم خود سکون سے رہو، ناممکن، تم آج اور اسی وقت حبا سے نکاح کرو گے اور یہ میرا فیصلہ ہے۔‘‘ وہ سخت اور فیصلہ کن انداز میں بولے تھے۔

’’آپ کا فیصلہ؟ مائی فٹ، میں اس کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا۔‘‘ وہ پھنکار اٹھا تھا۔

’’بکواس بند کرو اپنی۔‘‘ مرینہ نے غصے سے چیخ کر کہا تھا، اسید چونک کر متوجہ ہوا۔

’’ماما! آپ کچھ نہیں جانتی ہیں۔‘‘

’’نہیں ہوں میں تمہاری ماں، کاش تم نے میری کوکھ سے جنم ہی نہ لیا ہوتا نہ آج مجھے یہ دن دیکھنا پڑتا، میری پوری زندگی کی ریاضت برباد کر دی ہے تم نے، تم انسان نہیں ہو، سانپ ہو، بچھو ہو، ظالم شخص۔‘‘ وہ بے بسی سے بولتی رونے لگ گئیں۔

اسید کے اعصاب تن گئے، ماں کو یوں روتے دیکھنا بے حد مشکل اور کٹھن کام تھا، وہ ان کی طرف بڑھا تھا۔

’’ماما! میرا یقین کریں میں نے ایسا کچھ نہیں کیا، یہ جھوٹ بولتی ہے۔‘‘ وہ زچ ہو گیا تھا۔

’’کیوں بولے گی وہ جھوٹ؟ کیا مفاد ہے اس میں اس کا؟‘‘

’’وہ بدلہ لینا چاہتی ہے مجھ سے۔‘‘ وہ پھٹ پڑا تھا۔

’’کیسا بدلہ؟ اور تم نے کون سا اس کے خزانے دبا لئے ہیں؟ مجھے چکر مت دو اسید، کوئی تو آس دلائی تھی نا تم نے اسے جو یوں اس نے ایک دم سے اتنا بڑا قدم اٹھایا ورنہ نہ وہ کسی مفروضے کی بنا پر کیوں اپنا تماشا بنا لیتی، جھوٹ مت بولو اسید۔‘‘ وہ افسوس سے بول رہی تھیں۔

’’آس؟‘‘ اسید نے دھندلی نگاہ حبا پہ ڈالی تھی جو سر گھٹنوں میں دیئے روئے جا رہی تھی، اس کا دل پھٹ جانے کو تھا۔

’’میرے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے جو آپ کو یقین دلا سکے کہ میں بے قصور ہوں، آپ کو میری زبان پہ بھروسہ کرنا پڑے گا۔‘‘ وہ آہستگی سے بولا تھا۔

’’ایک جھوٹے شخص کی زبان پہ ہم کیوں یقین کریں، مرینہ آپ نکاح کی تیاری کریں، میں ضروری انتظامات کر لوں اور حبا بیٹے آپ اپنے کمرے میں جائیں۔‘‘ تیمور احمد نے حتمی انداز میں کہا تھا، اسید ہتھے سے اکھڑ گیا۔

’’آپ سب کا دماغ خراب ہو چکا ہے مگر میرا درست ہے، آپ کی بیٹی سے نکاح کرنے سے بہتر میں مر جانا پسند کروں گا، سنا آپ نے، آپ کی پراپرٹی آپ کا گھر اور آپ کی بیٹی آپ کو مبارک ہو، میں یہاں سے جا رہا ہوں۔‘‘ اسید نے بگڑے ہوئے تاثرات کے ساتھ قدم باہر کی سمت بڑھا دیئے۔

’’ٹھہرو رک جاؤ۔‘‘ تیمور احمد نے کہا، وہ رک گیا۔

’’بڑے شوق سے جاؤ مگر اپنی ماں کو ساتھ لے جانا نہ بھولنا۔‘‘ انہوں نے سرد لہجے میں کہا، دھمکی بڑی روایتی سی تھی مگر اس کے سوا چارہ بھی تو نہ تھا۔

’’کیا مطلب؟‘‘ وہ الجھ گیا۔

’’میں ابھی اور اسی وقت اسے طلاق......‘‘

بات ان کے منہ میں تھی مگر مرینہ کی چیخ نے کاٹ دی۔

’’تیمور احمد خدا کے لئے میرا گھر برباد نہ کریں، اس عمر میں اجڑ کر میں کہاں جاؤں گی؟‘‘ وہ سسک کر تیمور کے قدموں میں گر گئیں تھیں۔

اس سے زیادہ اسید کے ضمیر نے اسے برداشت کرنے کی اجازت نہ دی تھی، وہ آگے بڑھا اور مرینہ کے بازوؤں پر ہاتھ رکھ دیئے۔

’’ماما! میں تیار ہوں۔‘‘ اس کی آواز بڑی اجنبی تھی۔

یوں بھی ہوتا ہے کہ اعتبار کی ٹوٹی دہلیز پر
جن سے سچ سیکھا ہو وہ بھی سچے نہیں رہتے

☆☆☆

’’علینہ!‘‘ حیدر نے اکیڈمی کے بینچ پہ بیٹھے علینہ کو پکارا۔

’’ہوں۔‘‘ وہ پتا نہیں کہاں گم تھی۔

’’پتا ہے شاہ بخت نے کیا کیا؟‘‘

’’کیا؟‘‘ وہ ٹھٹک گئی۔

’’اس نے میری ریکوئسٹ کو ریجکٹ کر دیا۔‘‘

’’تو اس میں اتنا افسردہ ہونے کی کیا بات ہے، وہ ایک خود پسند اور خود پرست شخص ہے۔‘‘ اس کا لہجہ کھردرا تھا۔

’’پتا نہیں مگر مجھے دکھ ہوا تھا۔‘‘

’’اوہ کم آن حیدر، ڈونٹ بی سلی، ایک قطعی غیر متعلق شخص کی ٹینشن لینا بالکل فضول بات ہے۔‘‘

’’وہ تمہارا کزن ہے لینا۔‘‘

’’سو واٹ مجھے فرق نہیں پڑتا۔‘‘ اس نے شانے جھٹکے۔

’’کیوں لینا، میں نے نوٹ کیا ہے کہ تم اس کے نام پر بہت ہائپر ہو جاتی ہو، تمہیں اس سے کیا پرابلم ہے؟ تمہارا رویہ بہت سے سوال پیدا کر رہا ہے۔‘‘ وہ کریدنے والے انداز میں بولا تھا۔

’’بس وہ مجھے اچھا نہیں لگتا، بہت عجیب سا ہے۔‘‘ وہ سنبھل کر بولی تھی، حیدر نے بغور اسے دیکھا تھا۔

’’اچھا چلو اٹھو کچھ کھاتے ہیں۔‘‘ اس نے بات بدلی۔

وہ دونوں ٹک شاپ کی سمت بڑھ گئے، انہوں نے کافی لی اور ڈسپوزایبل کپ پکڑے واپس باہر آ گئے۔

’’ایک بات کہوں لینا۔‘‘

’’ہوں۔‘‘

’’یہ پوری دنیا Cause and effect کے اصول کے تحت چلتی ہے، سائنس ہر چیز کے پیچھے لوجک ڈھونڈتی ہے، میں بھی نفسیات کا اسٹوڈنٹ ہوں، لیکن اس کے باوجود بھی میں یہ یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ محبت کی کوئی وجہ نہیں ہوتی، یہ تو بس مقدس صحیفے کی مانند کچھ منتخب لوگوں کے دلوں پہ نازل ہوتی ہے، سائنس میں اس کی کوئی لوجک نہیں ہے کہ کیوں ایکدم سے ایک انسان دوسرے کو اتنا عزیز ہو جاتا ہے کہ ساری دنیا بے مایا اور ثانوی لگنے لگتی ہے؟ میں محبت پہ یقین رکھتا ہوں کیوں کہ اب تک مجھے مادیت پرستی اور منطق نے اپنے جال میں نہیں الجھایا، میں جانتا ہوں کہ بعض دفعہ محبت بس دوسرے کی ہنسی سے مشروط ہو جاتی ہے، بعض دفعہ کسی کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر یہ دل چاہتا کہ اس کائنات کو آگ لگا دی جائے جیسے خیالات ہی محبت ہیں، میں مانتا ہوں مگر مجھے اس بات کی سمجھ نہیں آتی کہ نفرت بغیر وجہ کے کیسے کی جا سکتی ہے؟‘‘

’’نفرت ہاں یہی سچ ہے حیدر، نفرت واقعی بغیر وجہ کے نہیں ہوتی۔‘‘ اس نے سر ہلایا۔

’’تو پھر تم شاہ بخت سے نفرت کیوں کر رہی ہو، ایسی کون سی وجہ ہے تمہارے پاس؟‘‘ وہ فوراً

بولا تھا، علینہ پھیکے چہرے کے ساتھ اسے دیکھتی رہی۔

’’تم آخر اس بات کو چھوڑ کیوں نہیں دیتے حیدر، میرے ساتھ بار بار اس کے متعلق بات مت کرو پلیز، مجھے تکلیف ہوتی ہے۔‘‘ وہ التجائیہ انداز میں بولی تھی، حیدر کے چہرے پر ندامت ابھرائی۔

’’او کے۔‘‘

علینہ کچھ کہے بغیر مڑی اور بینچ پر پڑی اپنی کتابیں سمیٹنے لگی، حیدر کے لیکچرز ختم ہو چکے تھے اور اس کی اسائمنٹس کا کام بھی نمٹ چکا تھا۔

’’مجھے تمہیں کچھ بتانا تھا علینہ۔‘‘ وہ بھی وہیں آگیا۔

’’کیا؟‘‘ وہ بدستور مصروف تھی۔

’’میں پرسوں کی فلائٹ سے لندن جارہا ہوں، مزید پڑھنے کے لئے کچھ کورس کرنے ہیں۔‘‘ وہ آہستگی سے بولا۔

’’کیا؟‘‘ علینہ کے ہاتھ سے کافی کا مگ چھوٹ گیا وہ خالی نظروں سے حیدر کو دیکھے جارہی تھی۔

☆☆☆

سنگاپور کے ریلوے اسٹیشن پہ وہ خود عائشہ کو لینے کے لئے موجود تھا، جیسے ہی وہ باہر آئیں نوفل نے آگے بڑھ کر اپنا تعارف کروایا، عائشہ حیران سی اسے دیکھتی رہ گئیں، وہ ان کی حیرت کو انجوائے کرتا واپسی کا سارا راستہ ان سے نرم لہجے میں گفتگو کرتا آیا تھا جو زیادہ تر سنگاپور کے حوالے سے تھی، مقامات اور اہم تفریحی جگہوں سے متعلق تھی، وہ اس کی باتوں کو بظاہر دلچسپی سے سن رہی تھیں مگر درپردہ ان کا ذہن پاکستان میں تھا۔

ستارہ کی گمشدگی ہی کسی قیامت سے کم نہ تھی کجا اس کا ملنا اور وہ بھی ایک قطعی غیر متعلق شخص کی فراہم کردہ اطلاعات کے توسط سے کسی نعمت غیر متوقعہ سے کم نہ تھا، گھر میں ایک کہرام مچ گیا تھا، ابا جو قریب قریب زندہ لاش بن چکے تھے جیسے پھر سے جی اٹھے، عائشہ کے ہنگامی کاغذات روانگی انہوں نے کس طرح دن رات کی بھاگ دوڑ کے بعد بنوائے تھے، یہ وہی جانتے تھے۔

اور اب سب کی امیدوں کا مرکز نوفل صدیق تھا جس کے مطابق ستارہ کہاں تھی وہ جانتا تھا اور اب اس کے بلیک فام شناخت اور ہائی لیونگ اسٹینڈس کو دیکھتے ہوئے وہ کچھ اور سوچنے پہ مجبور ہوگئی تھیں۔

’’آخر اسے ستارہ کے بارے میں کیسے معلوم ہے؟ اور اسے ستارہ میں کیا دلچسپی ہے؟‘‘

☆☆☆

عباس اس وقت بابا کے سامنے بیٹھا تھا اور موضوع گفتگو ’’سبین‘‘ تھی، کافی تفصیلی بات کرنے کے بعد اس نے نبیلہ بیگم سے مشورہ کیا تھا۔

’’امی جان! میں چاہتا ہوں کہ آپ کے بات کرنے کے بعد میں خود ملوں سبین سے۔‘‘ اس نے کہا، رضامندی تو وہ ان کے دے ہی چکا تھا، مگر دل کی تسلی کے لئے اسے سبین سے ملنا ہی تھا۔

’’ہاں وہ تو کوئی مسئلہ نہیں، بات طے ہو جائے ایک بار، پھر تم مل آنا اور جو بات کرنا ہو گی کر لینا۔‘‘ احمر مغل نے اسے تسلی دی تھی۔

’’ہم لوگ نکاح کی بات فائنل کر رہے ہیں اور تمہیں کیا کرنا ہے ملاقات کر کے، وہ آجائے تب کر لینا باتیں۔‘‘ نبیلہ نے کسی قدر خفگی سے کہا تھا۔

’’امی جان! کچھ باتیں ہیں جو میں کرنا چاہتا ہوں پلیز۔‘‘ وہ کچھ التجائیہ انداز میں بولا تھا۔

’’ہاں تو ہم کب تمہاری بات ٹال رہے ہیں بیٹا، جو تم کہو گے وہی کر لیں گے۔‘‘ احمر نے اس کا ہاتھ دبایا اور اسے اشارہ کیا تھا۔

احمر کے تسلی آمیز انداز پہ اس نے اطمینان سے سر ہلایا اور اٹھ کھڑا ہوا، اپنے کمرے میں آ کر وہ بڑی دیر تک سوچتا رہا۔

’’سبین احتشام!‘‘ اس کے لبوں پہ ہلکی سی مسکراہٹ آگئی تھی، زندگی آسان ہو سکتی تھی اگر وہ تھوڑی محنت وجدوجہد سے کام لیتا تو......!

اگلے دن ’’مغل ہاؤس‘‘ کے بڑے اور سر کردہ افراد سبین کے گھر گئے تھے، عباس آفس میں ہی تھا جب اسے وقار کا فون آیا تھا۔

’’جی بھائی۔‘‘ اس نے کہا۔

’’کیا بات ہوئی؟‘‘

’’کچھ نہیں یار! بات تو تقریباً فائنل ہی سمجھو مگر سبین کی حالت بہت بری ہے وہ آمادہ نہیں اور اس کی والدہ نے اس کی رائے لینے سے سراسر انکار کر دیا ہے، بلکہ وہ کافی خوش ہیں کہ برباد شدہ بچی کو ہم دوبارہ سے اپنا رہے ہیں اور ایک بڑی عجیب بات ہوئی، مجھے اس کی والدہ کی باتوں سے لگا کہ وہ سبین کو ہی ذمہ دار سمجھتی ہیں اس طلاق کا، مجھے بہت دکھ ہوا مگر موقع ایسا تھا کہ ہم کسی قسم کی وضاحت نہیں کر سکتے تھے کہ غلطی سبین کی قطعاً نہ تھی بلکہ ہمارا بیٹا ہی......‘‘ وقار نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

’’بے غیرت تھا۔‘‘ عباس نے سرد مہری سے بات مکمل کی تھی، وقار چند لمحے خاموش رہے۔

’’یہ بتاؤ کب مل رہے ہو سبین سے؟ میرے خیال سے کل شام مل لو، بابا نیکسٹ فرائیڈے نکاح رکھ رہے ہیں، تو یہ ٹھیک رہے گا کہ تم اس سے پہلے بات کر لو، تاکہ اسے اپنا مائنڈ میک اپ کرنے میں آسانی ہو، ویسے میرے خیال سے وہ ایڈجسٹ کرنے میں زیادہ وقت نہیں لے گی، وہ لڑکی ہے یار! اور لڑکیوں میں بڑی لچک ہوتی ہے خود کو ماحول کے مطابق ڈھالنے کی۔‘‘ وہ اسے سمجھا رہے تھے، عباس نے بڑے دھیان سے ان کی باتیں ذہن نشین کر لی تھیں۔

فون بند کرنے کے بعد وہ چند لمحے چیئر پہ بیٹھا رہا پھر اٹھ کر شاہ بخت کے کمرے کی طرف بڑھ گیا اور جب اس کے آفس کا دروازہ کھول کر اس نے اندر جھانکا تو شاہ بخت کو کمپیوٹر پہ بری طرح مصروف دیکھ کر وہیں رک گیا۔

’’آجاؤں؟‘‘

’’پوچھنے کی کیا بات ہے، آجاؤ۔‘‘ بخت حیران ہوا، عباس آگے بڑھ آیا، اس کے سامنے چیئر پہ ٹک گیا۔

’’یقین نہیں آتا یہ تم ہو؟ اتنے سنجیدہ، اتنے ذمہ دار؟‘‘ عباس ہنسا بخت اسے گھورنے لگا۔

’’مجھے تم سے کچھ بات کرنا تھی۔‘‘ عباس سنجیدہ ہو گیا۔

’’سبین کے متعلق؟‘‘ بخت کا اندازہ درست تھا۔

’’ہاں۔‘‘ اس نے سر ہلایا۔

’’کیا بات رہ گئی ہے عباس؟ جو ہو رہا ہے ٹھیک ہی تو ہے، ہونے دو۔‘‘ اس نے کہا۔

’’ہاں، مگر کچھ خدشات ہیں میرے دل میں، کیا وہ مجھے قبول کر لیں گی؟‘‘ دل کا خون زبان پہ آہی گیا تھا۔

’’اسے کرنا پڑے گا۔‘‘ بخت کا لہجہ بے لچک تھا۔

’’میں اپنی ذات لاگو نہیں کرنا چاہتا ان پر؟‘‘

’’یہ کیا بے وقوفی ہے عباس! تم سیدھے اس

سے بات کیوں نہیں کرتے؟"

"نہیں کر سکتا ہمت نہیں ہے مجھ میں۔" وہ شکستگی سے بولا۔

"کیا ہو گیا عباس، تم نے تو لڑکیوں کو بھی مات دے دی ہے۔" بخت نے افسوس سے کہا، عباس نے اسے گھورا تھا۔

"جب تم میری جگہ آؤ گے تب تم سے پوچھوں گا۔"

"میں تمہاری طرح کنفیوز نہیں ہوں گا بلکہ سیدھے دوٹوک بات کروں گا۔" بخت نے مذاق اڑایا۔

"ٹھیک ہے مگر مجھے تو کچھ بتاؤ وہ کیا کہتے ہیں......"

مجھ کو بھی کوئی ترکیب سکھا دے یار اجڑائے

عباس کے انداز پہ بخت کھلکھلا کر ہنسا تھا۔

"ترکیب؟ سوری...... تجھے پتا ہے میں نے آج تک فلرٹ نہیں کیا۔" وہ شرارتا بولا۔

"بخت بے وفا، بدتمیز، دفع ہو جا۔" عباس بھنا کے اٹھا اور باہر نکل گیا، وہ اسے آوازیں دیتا رہ گیا مگر عباس ان سنی کر کے چلا گیا۔

اور یہ اگلی شام کا ذکر تھا جب کریم کلر کے کرتا شلوار میں ملبوس عباس ان کے گھر موجود تھا، آنٹی گھر نہیں تھیں، سبین نے چھوٹی نرمین نے اسے ڈرائنگ روم میں بٹھایا تھا۔

"نرمین گڑیا! میں آپ کی آپی سے ملنے آیا ہوں۔" اس نے شائستگی سے مدعا بیان کیا تھا۔

"جی بھائی! میں انہیں بلاتی ہوں۔" وہ کہتی باہر نکل گئی۔

عباس نے اضطرابی کیفیت میں دایاں پاؤں ہلانا شروع کر دیا، کچھ دیر بعد نرمین اندر آئی تو کچھ خجل سی تھی۔

"وہ بھائی آئم سوری، مگر آپی کہہ رہی ہیں کہ وہ آپ سے ملنا نہیں چاہتی ہیں۔" شرمندگی کے احساس سے عباس کا رنگ دہک اٹھا، وہ بے ساختہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"اٹس او کے میں چلتا ہوں۔"

"مگر بھائی آپ بیٹھیں تو سہی، چائے۔" وہ گڑبڑا کر بولی تھی۔

"پھر سہی۔" وہ پھیکے چہرے سے باہر نکلا اور تیز تیز سیڑھیاں اترتا گیا، مایوسی اور توہین کا غبار سا اس کے سینے میں بھر گیا تھا، سبین کا رویہ حیران کن ہی نہیں تذلیل آمیز بھی تھا، وہ اسے ملتی تو سہی بھلے برا ہی بولتی مگر کچھ کہتی تو سہی مگر اس نے تو سامنے آنے سے ہی صاف انکار کر دیا تھا، شادی کے لئے رضامندی دینے کے باوجود اس کا رویہ عباس کو یہ سمجھانے کے لئے کافی تھا کہ وہ اسے قبول نہیں کر رہی، وہ لب بھینچ کر ایک کے بعد ایک خیال سوچتا جا رہا تھا، جب مغل ہاؤس کی عمارت سامنے آ گئی، اس نے ہارن دیا اور گاڑی اندر لیتا گیا، لان میں ہی اسے وقار مل گئے۔

"مل آئے سبین سے؟" انہوں نے چھوٹتے ہی پوچھا۔

"جی۔" مختصراً کہا۔

"ہو گئی تسلی؟"

"ہوں ہو گئی بات۔" وہ بڑے سنجیدہ ایکسپریشن کا مظاہرہ کرتے ہوئے آگے بڑھ گیا، وقار نے کسی قدر الجھی ہوئی نظروں سے اس کی پشت کو دیکھا تھا۔

☆☆☆

یہ تیمور احمد کے گھر کا منظر تھا، جہاں انہوں نے اپنے بے حد قریبی چند دوستوں اور رشتہ داروں کو انوائٹ کیا تھا، اس ایمرجنسی کے نکاح پہ سب ہی حیران تھے مگر یہ موقع جواب طلبی کا نہ تھا، ڈیکوریشن تو پہلے ہی کی ہوئی تھی جبھی کام چل گیا، مرینہ نے حبا کو دوبارہ سے تیار کیا تھا، البتہ کپڑے انہوں نے اسے بدلنے کا نہیں کہا تھا، کہ لباس اس کا اسٹائلش اور بہترین تھا۔

دوسری طرف اسید بھی اسی پینٹ شرٹ میں ملبوس تھا، چہرے پر کئی پانی کے چھپاکے مار لینے کے باوجود بھی وہ شکستگی کے آثار نہیں مٹا پایا تھا، اس آنکھوں میں گہری سرخی پھیلی ہوئی تھی اور اسد اسے کافی دیر سمجھاتا رہا تو جواباً وہ کچھ نہ بولا تھا۔

"اسید! تمہیں سمجھ آ رہی ہے نا میں کیا کہہ رہا ہوں۔" وہ کچھ جھلا گیا۔

"نہیں۔" وہ غائب دماغی سے بولا۔

"کیا پاگل پن ہے؟" وہ اسے ڈانٹتے ہوئے بولا۔

"ایک بات بتاؤ اسد؟"

"کیا؟"

"تم نے میرا یقین نہیں کیا نا؟" اس کا لہجہ عجیب سا تھا، جواباً اسد نظر چرا گیا۔

"بات یہ نہیں ہے اسید، میرے یقین کرنے یا نہ کرنے سے کیا فرق پڑتا ہے۔" وہ آہستگی سے کہہ رہا تھا، اسید نے جیسے اس کی بات سنی ہی نہیں۔

"تمہیں لگتا ہے اس سب میں میرا ہاتھ ہے؟"

"تم اس کا اتنا خیال کرتے تھے، اس کے لئے فکر مند رہتے تھے، اس کا تمہاری زندگی میں اتنا اہم رول رہا ہے اور آخری بات یاد ہے تم نے خود ہی کہا تھا کہ تم نے اسے قدم قدم چلنا سکھایا تھا اور تم اسے تنہا کر کے کھائی میں دھکا نہیں دے سکتے، تو اب تمہیں کیا مسئلہ ہے، اچھا ہی تو ہو رہا ہے، تم دونوں ایک دوسرے کو بہتر طور پر سمجھتے ہو، زندگی آسان ہو جائے گی اور اب شکل کے زاویے درست کر لو، یوں لگ رہا ہے جیسے کلاک بارہ پہ سیٹ ہو گیا ہے۔" وہ تفصیلی کہتا آخر میں مزاحیہ انداز میں بولا تھا، اسید خاموشی سے اسے دیکھتا رہا، اسے مات کے معنی آج پتا چل گئے تھے، کوئی چیز جیسے آری کی مانند اس کے وجود کو کاٹ رہی تھی۔

"اس کا مطلب جو رہا ہے میرا پورا ہاتھ ہے اس میں اور مجھے اسے ایز اٹ قبول کر لینا چاہیے۔" وہ خود کلامی کے سے انداز میں بولا تھا۔

"خود کو سنبھالو اب یار، بہت ہو گیا ہے، کیوں ٹینس ہو رہے ہو؟"

"میری پوری زندگی برباد ہو گئی ہے اسد، اور تم کہہ رہے ہو ٹینشن نہ لوں؟" وہ چلا اٹھا تھا، ماتھے پہ کئی شکنیں ایکدم نمایاں ہوئیں تھیں۔

"وہ اتنی بری لڑکی نہیں ہے کہ تم زندگی برباد ہونے کا واویلا شروع کر دو۔" وہ تلخی سے بولا، اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتا مرینہ خانم اندر آ گئیں۔

"اسید اٹھ جاؤ باہر تقریب شروع ہو رہی ہے۔" وہ اس کے قریب آ کر بولی تھیں، دونوں اٹھ کھڑے ہوئے، چھم چھم چمکتے لان میں بنے اسٹیج پہ حبا اس کے پہلو میں بیٹھی ہوئی تھی، نکاح خواں نے ابتدائی کلمات ادا کرنے کے بعد اس سے سوال کیا تھا۔

"اسید مصطفیٰ ولد مصطفیٰ احمد کیا آپ کو حبا تیمور احمد بعوض حق مہر ایک لاکھ روپے سکہ رائج الوقت اپنے نکاح میں قبول ہے؟" اسید کی مٹھیاں بھینچ گئیں اور ضبط کی شدت سے انگلیاں مڑ گئیں۔

"یہ کون ہے اسید؟"

"میری بہن ہے حبا!" اسے یاد تھا کہ اس نے یہ جواب دیا تھا اپنے دوستوں کو۔

"قبول ہے۔" اس کی آواز صاف اور بلند

تھی، ساتھ بیٹھی حبا کا دل زور سے دھڑکا تھا اور پھر اس کا دل چاہا وہ کسی کی پرواہ کیے بغیر اسید کا منہ چوم لے یا پھر اٹھ کر دھمال ڈالنا شروع کر دے، اس نے سر جھکا کر اپنی گہری مسکراہٹ ضبط کی تھی ورنہ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ چلا چلا کر سب کو بتائے کہ۔

"میں جیت گئی، میں حبا تیمور نہیں، حبا اسید ہوں اور میں نے جو چاہا وہ پا لیا۔"

فتح کے احساس سے سرشار اس نے نکاح نامے پہ سگنیچر کیے تھے، ماحول میں ایک خوشگوار ہلچل تھی، سب انہیں مبارک باد دے رہے تھے۔

"تم نے بہت اچھا فیصلہ کیا تیمور، بیٹا بھی تمہارا اور بیٹی بھی، اچھا ہے گھر کی پراپرٹی گھر میں رہے گی۔" یہ تیمور احمد کے کزن تھے۔

فرط ضبط سے اسید نے سختی سے لب بھینچ لئے تھے ورنہ اس کا دل چاہ رہا تھا وہ ہر چیز ٹھوکروں میں اڑاتا چلا جائے، مگر رشتوں کے ریشم نے اسے اس بری طرح جکڑا تھا کہ وہ ہلنے کے قابل نہ رہا تھا۔

"تم نے ٹھیک کہا تھا اسد، وہ اتنی بری نہیں کہ میری زندگی برباد ہو جائے مگر میں اتنا برا ضرور ہوں کہ اس کی زندگی برباد کر دوں۔" اس نے زہر زہر سوچوں سمیت خود سے کہا اور اٹھ کر اندر کی طرف بڑھ گیا۔

لاؤنج خالی تھا، وہ رکے بغیر سیدھا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا، دروازہ کھولتے ہی وہ ٹھٹک کر رکا تھا۔

کمرے کے وسط میں حبا کھڑی تھی نہیں بلکہ اک عالم سرشاری میں جھوم رہی تھی، لہرا رہی تھی اور اس کا گھیر دار فراک اڑتے ہوئے ایک دلکش منظر پیش کر رہا تھا، اسے دیکھ کر وہ رک گئی، اسید نے اندر آ کر دروازہ اپنے پیچھے بند کر دیا۔

"تم پیکنگ کر لو، ہم آدھے گھنٹے تک لاہور کے لئے نکل رہے ہیں۔" اس نے بے تاثر لہجے میں کہا اور آگے بڑھ کر کپ بورڈ کے پٹ کھول لئے، اپنے ساری ڈاکومنٹس اور نوٹس ایک بیگ میں رکھنے کے بعد وہ واپس مڑا اور باہر نکل گیا، حبا جامد سی وہیں کھڑی تھی۔

زندگی کو بدلنے میں وقت نہیں لگتا مگر وقت کو بدلنے میں زندگی لگ جاتی ہے، وہ دروازہ ناک کر کے اندر آیا تھا۔

تیمور احمد اور مرینہ خانم نجانے کون سی بحث میں الجھے ہوئے تھے اسے دیکھ کر چونک کر خاموش ہوئے تھے۔

"تمہیں اس وقت اپنے کمرے میں ہونا چاہیے اسید؟" مرینہ خانم کے لہجے میں کیا نہیں تھا، سرد مہری، ناگواری اور تحکم، اس نے خالی آنکھوں سے ماں کو دیکھا تھا اور اس پل اس کی آنکھوں کی سرخی مزید بڑھ گئی۔

"میں آپ کا زیادہ وقت نہیں لوں گا، چند باتیں کرنے آیا ہوں۔" اس نے دونوں کا چہرہ دیکھا تھا۔

"میں نہیں جانتا کہ آپ کے دماغ میں یہ شک کس نے بھرا ہے کہ میں حبا کے ذریعے آپ کے بزنس اور پراپرٹی کو ہتھیانا چاہتا ہوں، مگر اس کے باوجود آپ نے حبا کو میرے نکاح میں دے دیا ہے کیا اب آپ کو ڈر نہیں کہ میں حبا کے ذریعے آپ پر دباؤ ڈالنے کی کوشش کروں گا اب آپ کے وہ سارے واہمے اور شکوک و خدشات کہاں گئے، میں نے ساری زندگی آپ کا Paracite (طفیلیا) بن کے گزاری ہے، حالانکہ اصولی طور پر مجھے فرق پڑنا تو نہیں چاہیے مگر میں......" وہ اتنا ہی بول پایا تھا کہ تیمور احمد نے ترش روی سے اس کی بات کاٹی تھی۔

"تو اب تم یہ کہنے آئے ہو کہ تمہاری غیرت جاگ گئی ہے اور تم اسے اپنے بل بوتے پر کما کر کھلاؤ گے۔" انہوں نے تمسخر اڑایا۔

"میں اسے لے کر لاہور جا رہا ہوں۔"

"کیا مطلب؟" مرینہ بے چینی سے کھڑی ہو گئیں۔

"تم وہاں عمر بھائی کے پاس جاؤ گے؟"

"نہیں اور میں کہاں جاؤں گا یہ میں آپ کو قطعی طور پر نہیں بتا سکتا، مجھے امید ہے کہ ہم دوبارہ نہیں ملیں گے۔" اس نے سانپ سے مشابہ پھنکارتی آواز میں کہا اور والٹ نکال لیا۔

"میں یہاں سے صرف اپنے ڈاکیومنٹس لے کر جا رہا ہوں۔" اس نے والٹ میں سے تمام کریڈٹ کارڈز نکال کر ٹیبل پر رکھ دیئے۔

"تمہارا دماغ خراب ہو چکا ہے اسید، کیسی باتیں کر رہے ہو اور یہ سب کیا تماشا ہے۔" مرینہ بے تابی سے اس کی طرف بڑھی تھی اور اس کا شانہ جھنجوڑتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

"نہیں میں تو مستقل تماشے سے جان چھڑا رہا ہوں آپ کی۔" وہ بہت سکون سے بولا تھا۔

"سن لیا مرینہ خانم، تمہارا بیٹا اب خود کمائے گا۔" وہ استہزائیہ ہنسے تھے۔

"اسید یہ کیا بے وقوفی کر رہے ہو، میری بات سنو تم کیسے جا سکتے ہو اور حبا کو لے کر، نا ممکن کہاں رہو گے تم لوگ اور وہ کیسے ایڈجسٹ کرے گی، تم ایسا کچھ نہیں کر رہے، سنا تم نے میں تمہیں یہ نہیں کرنے دوں گی۔" مرینہ خدشات سے کانپتی ہوئی اس کے بازو کو سختی سے تھامے کہہ رہی تھیں۔

اسید نے ایک لفظ بولے بغیر ان سے اپنا بازو چھڑایا اور باہر نکل گیا، تیمور احمد اور مرینہ اس کے پیچھے ہی نکلے تھے۔

"تم ہو کیا؟ تمہارے پاس کون سا بینک بیلنس ہے جو تم میری بیٹی کو علیحدہ رکھنے کا دعویٰ کر رہے ہو، حیثیت کیا ہے تمہاری؟" لاؤنج کے بیچوں بیچ کھڑے تیمور بلند آواز میں چلائے تھے۔

خون کے زبردست دباؤ سے اسید کا چہرہ تاریک ہو گیا تھا، اس نے مٹھیاں بھینچ لیا اور خاموشی سے انہیں گھورتا رہا اور اس خاموشی نے انہیں مزید بڑھاوا دیا تھا۔

"تم میری بیٹی کو کہیں نہیں لے جا سکتے، کان کھول کر سن لو۔" اس بار ان کا لہجہ پہلے سے زیادہ برا تھا۔

"ایک بات آپ بھی بھول رہے ہیں تیمور احمد، حبا تیمور اب میری بیوی ہے اور کوئی قانون اسے مجھ سے دور نہیں کر سکتا، میں جہاں چاہوں گا اسے رکھوں گا اور جو چاہوں گا اس کے ساتھ کروں گا۔" وہ بلند آواز میں بولا تھا اور یہ آواز کسی بھی لحاظ و مروت سے عاری تھی، مرینہ کا رنگ بدل گیا۔

"شرم کرو، کس طرح بات کر رہے ہو اپنے باپ سے۔" انہوں نے بلا دریغ جھڑکا تھا۔

"یہ شخص میرا باپ نہیں، یہ کبھی تھا ہی نہیں، یہ صرف آپ کا شوہر ہے، سنا آپ نے۔" اسید نے ماں کو لاجواب کر دیا۔

"حبا...... حبا نیچے آؤ۔" وہ اوپر چہرہ کر کے دھاڑا تھا، اگلے تین منٹ لاؤنج میں خاموشی رہی تھی، دفعتاً وال کلاک نے بارہ کا گھنٹہ بجایا تھا، خاموشی ایک لمحے کو ٹوٹی تھی، اسی دوران حبا دو بیگ گھسیٹتی ہوئی باہر نکلی تھی، اس نے اسید کا بیگ بھی اٹھایا ہوا تھا، جب وہ نیچے پہنچی تو اسید نے اس کے ہاتھ سے بیگ جھپٹا اور اسے باہر چلنے کا کہا۔

"مم...... مگر ہم جا کہاں رہے ہیں اور میں

ماما سے تو مل لوں۔" وہ رک گئی، اسید نے اسے تیز نظروں سے گھورا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے قریباً گھسیٹتا ہوا لے گیا، وہ دو نفوس اب بھی خاموش و ساکت کھڑے تھے، پل میں ہی بازی پلٹ گئی تھی بلکہ الٹ گئی تھی۔

اور جب فیض آباد کے بس اسٹینڈ سے نائٹ کوچ پہ سوار ہوئے اسید نے آخری بار اسلام آباد کو دیکھا تو اس کے اندر کچھ ہوا تھا۔

کیوں میری راہیں مجھ سے پوچھیں گھر کہاں ہے
کیوں مجھ سے آ کے دستک پوچھے در کہاں ہے
راہیں ایسی جن کو منزل ہی نہیں
ڈھونڈو مجھے اب میں رہتا ہوں وہیں
دل ہے کہیں اور دھڑکن ہے کہیں
سانسیں ہیں مگر کیوں زندہ میں نہیں

بس میں ٹیپ ریکارڈ بج رہا تھا، اسید کی بند آنکھوں کے پیچھے شدید درد و چبھن کی لہر اٹھی تھی، اس نے زور سے آنکھوں کا مسلا تھا۔

ریت بنی ہاتھوں سے یوں بہہ گئی
تقدیر میری بکھری ہر جگہ
کیسے لکھوں پھر سے نئی داستاں
غم کی سیاہی دکھتی ہے کہاں

اس کے سر درد میں کچھ مزید اضافہ ہوا تھا، اس نے سر زور سے سیٹ کی بیک سے ٹکرایا تھا اور لب چبانے لگا۔

درد کا دائرہ پھیلتا ہی جا رہا تھا، اذیت بڑھتی جا رہی تھی اور اس کے اندر جتنی کہر بھی بڑھ رہی تھی۔

ایسی بھی ہوئی تھی مجھ سے کیا خطا
تو نے جو مجھے دی جینے کی سزا

اس کے اندر رونے کی خواہش بڑھتی جا رہی تھی، اس نے اپنے ساتھ بیٹھی حبا کو دیکھا جو باہر کے نظاروں میں گم تھی اور لمحہ بھر میں ہی اس کے سارے احساسات بھک سے اڑ گئے تھے۔

زندگی کا رخ اب بدل چکا تھا اور بازی جیتنے کے شوق میں ہر حد سے گزر جانے والی حبا یہ نہیں جانتی تھی کہ اس نے کیا کھو دیا تھا، اس نے اسید مصطفیٰ کو کھو دیا تھا جسے پانے کے چکر میں اس نے سب کچھ تباہ کر دیا تھا

☆☆☆

آنسو قطار در قطار اس کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے، اس کا رنگ زرد اور آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں وہ اسے خاموش کروانے کی سب تدابیر اختیار کر چکا تھا مگر وہ بدستور روئے جا رہی تھی۔

"لینا، پلیز لیف، چلو چہرہ صاف کرو۔" وہ ذرا سختی سے بولا تھا۔

علینہ نے چہرہ شکوہ کناں نظروں سے اسے دیکھا اور آنکھیں پونچھ لیں۔

"تم نے میرے ساتھ ایسا کیوں کیا حیدر؟ کیوں کیوں مجھے ہنسنا سکھایا، کیوں مجھے بولنا سکھایا، کیوں اپنا عادی بنایا؟"

"بولو حیدر خدا کے لئے کیوں کیا میرے ساتھ ایسا، اب میں کیا کروں گی، میں کس سے باتیں کروں گی، اب مجھے کوئی بھی چپ بیٹھا دیکھ کر یہ نہیں پوچھے گا کہ میں بولتی کیوں نہیں، اب مجھے کوئی نہیں ہنسائے گا اور کوئی مجھے ہنسنے کو نہیں کہے گا، تم نے کیا کر دیا ہے میرے ساتھ، کیا تمہیں احساس ہے، کیوں آئے تم میری زندگی میں کیوں؟" وہ سوال کر رہی تھی اور حیدر کو خود پہ ضبط پانا مشکل ہونے لگا تھا، وہ اس کے پاس بیٹھ گیا۔

"تم میری دوست ہو علینہ، بہت خاص اور پیاری دوست اور ہمیشہ رہو گی، رشتے دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک وہ جو ہمیں گاڈ گفٹڈ ملتے ہیں جیسے ماں باپ بہن بھائی اور کزنز اور دوسرے وہ جو انسان خود بناتا ہے، جیسے دوست اور دشمن، میرے پاس پہلے قسم کے رشتوں کی خاصی کمی ہے علینہ، تم جانتی ہو میری ماں کا میں اکلوتا بیٹا ہوں اور ان کی سب امیدوں کا مرکز بھی اور دوسری قسم میں میں دشمنی افورڈ کر سکتا نہیں تو سب کو دوست بنا لیتا ہوں اور تم بھی میری بہت اچھی دوست ہو، بہت سے لوگ ہمیں ملتے ہیں اور بعض کے ساتھ ہمارا قلبی تعلق بھی بن جاتا ہے مگر ضروری نہیں وہ ہمیشہ ہمارے ساتھ رہیں اور اگر میں مزید یہاں رہتا بھی تو کتنی دیر؟ زیادہ سے زیادہ دو ماہ، اس کے بعد تو مجھے جانا ہی پڑتا نا تو پوزیٹولی سوچو علینہ ہم وقتی طور پر الگ ہو رہے ہیں، ہم ملتے رہیں گے۔" وہ اپنے مخصوص نرم و دل پذیر لہجے میں اسے سمجھا رہا تھا، علینہ نے اس پل آنکھیں کچھ اور شدت سے صاف کی تھیں۔

"ہم دوبارہ کبھی نہیں ملیں گے حیدر، تم اچھی طرح جانتے ہو میں ایک روایتی گھرانے سے تعلق رکھتی ہوں، جہاں میں کبھی بھی تمہیں Openly بلا نہیں سکتی اور نہ ہی یہ کسی کو بتا سکتی ہوں کہ تم میرے دوست ہو، اس اکیڈمی میں دوبارہ تم نہیں آؤ گے اور چند دنوں تک میں بھی اکیڈمی چھوڑ دوں گی تو ثابت ہوا کہ ہم کبھی نہیں ملیں گے۔" وہ سنجیدگی سے بولی تھی۔

"ہم فون پر رابطہ رکھیں گے۔" حیدر نے تجویز دی۔

"لینڈ لائن پہ میں تم سے بات کر نہیں سکتی اور سیل فون میرے پاس ہے نہیں۔" اس نے کہا۔

"سیل فون تمہیں میں گفٹ کر دیتا ہوں۔" اس نے فوراً کہا۔

"مجھے چور راستے مت دکھاؤ حیدر۔" وہ افسردگی سے ٹوک گئی، حیدر بے ساختہ شرمندہ ہو گیا۔

"سوری میرا یہ مطلب نہیں تھا۔"

"اٹس اوکے چلوں کافی دیر ہو گئی، بھائی کہہ رہے تھے آج آؤں گا لینے۔" وہ لاپرواہی کا تاثر دیتے ہوئے بولی، ہاتھ سے باہر نکلی لٹیں سمیٹی اور بیگ کندھے پہ ڈال کر باہر نکل گئی۔

حیدر کی نظر نے بہت دور تک اس کا پیچھا کیا تھا، وہ دونوں نہیں جانتے تھے کہ کون، کہاں اور کب کس سے ملے گا اس کا فیصلہ اوپر کیا جاتا ہے اور آئندہ وہ کب اور کن حالات میں ملنے والے تھے اس کا اندازہ دونوں کو نہیں تھا۔

☆☆☆

"مغل ہاؤس" میں عباس اور سبین کے نکاح کی تیاری تقریباً مکمل تھی، یہ ایک دن پہلے کی بات تھی جب لاؤنج میں آمنہ نے عباس کو پکڑ لیا۔

"ہاں بھئی دولہا صاحب کدھر؟" عباس نے سٹپٹا کر انہیں دیکھا کہ شاید وہ طنز کر رہی ہوں۔

"جی۔"

"بھئی اپنی شاپنگ کر لو، یا وہ بھی ہمیں ہی کرنا ہو گی۔" وہ چھیڑ رہی تھیں۔

"اس کی کیا ضرورت ہے بھابھی، سب کچھ تو ہے میرے پاس۔" وہ حقیقت پسندی سے بولا تھا۔

"کر لو بات، تم نے تو کام ہی ختم کر دیا ہے۔" وہ ہنس پڑیں۔

"دولہا کی شاپنگ ذرا اسپیشل ہوتی ہے عباس، تم سے اچھا تو بخت ہے کہے بغیر ہی اپنی شاپنگ کمپلیٹ کر چکا ہے۔"

"اس کی تو کیا بات ہے۔" وہ آہستگی سے ہنسا۔

"تو بس پھر اس کے ساتھ جاؤ اور کچھ خرید لو، ٹھیک ہے۔" انہوں نے کہا تو وہ سر ہلاتا ہوا سیڑھیاں چڑھ گیا۔

کچھ دیر بعد شاہ بخت خود ہی اسے ڈھونڈتا ہوا آیا تھا اور اسے ساتھ گھسیٹ لے گیا، زیادہ اپنی مرضی کی اور کچھ اس کی مرضی کی شاپنگ اسے کروانے کے بعد وہ اسے لے کر پزاہٹ آ گیا، دو لارج پزا آرڈر کرنے کے بعد بخت نے اسے فوکس کر لیا۔

"ہوں عباس کیا فیل ہو رہا ہے؟" وہ شرارت سے پوچھنے لگا، عباس ہنس دیا۔

"ابھی تو کچھ فیل نہیں ہو رہا۔"

"ارے وہ کیوں؟"

"اتنے مشکل سوال مت پوچھ یار۔"

"وہ کیوں اور اس میں مشکل کیا ہے اب تو تمہاری سبین سے بھی بات ہو گئی، اب کیا چیز پریشان کر رہی ہے تمہیں؟" بخت نے کریدا۔

"ایسی کوئی بات نہیں بخت، بس تم دعا کرنا کہ میں تم سب کی امیدوں پر پورا اتر پاؤں، بہت بھاری بوجھ ہے میرے اوپر، اللہ مجھے استقامت دے۔" وہ سنجیدہ ہو گیا۔

"توقعات کا بوجھ بہت بھاری ہوتا ہے عباس، میں جانتا ہوں بس تو تنگ مت کرنا اور ظرف کا پیالہ چھلکنے مت دینا یار، ورنہ وہ ٹوٹ جائے گی اور سن میں نے کل تیرے روم کی ڈیکوریشن کے لئے بات کر لی ہے ایونٹ آرگنائزرز سے، تجھے کوئی اعتراض؟ اور ہے بھی تو آئی ڈونٹ کیئر۔" وہ اپنے مخصوص لہجے میں بولتا اسے ہنسنے پر مجبور کر گیا۔

"ویسے بخت ایک بات تو بتاؤ۔"

"کیا؟" اس نے پزا کی بڑی سی بائٹ لی۔

"تم کب شادی کرو گے؟"

"تمہارا انجام دیکھنے کے بعد۔" وہ اطمینان سے بولا، عباس نے اسے گھوری ڈالی۔

"شرم کرو۔"

"کیوں جب ایسے سوال پوچھو گے تو ایسا جواب ہی ملے گا، ویسے آپس کی بات ہے، مجھے کوئی لڑکی پسند کرے گی؟" بخت نے معصومیت کے ریکارڈ توڑ دیئے، عباس کا قہقہہ چھوٹا تھا۔

"ہاں کیوں نہیں، ہر سیر کا سوا سیر ہے، تم جیسے گدھے کو کوئی بے وقوف اور عقل سے پیدل مل ہی جائے گی۔" عباس نے ایک لوہار کی کرتے ہوئے سارے بدلے چکا دیئے تھے، مگر وہ بھی بخت تھا اپنے نام کا ایک۔

"ہاں اب تو میں خوش امید ہوں جب تجھے جو ایک نمبر کا گھامڑ اور الو ہے کو سبین جیسا ہیرا مل سکتا ہے تو مجھے بھی کوئی نہ کوئی مل جائے گی۔" وہ جواباً چوٹ کرتے ہوئے بولا تھا۔

دونوں ہنس دیئے، اگلے دن صرف بزرگ ہی جانا چاہتے تھے مگر شاہ بخت نے احمد مغل کے سامنے ایسا شاندار مقدمہ لڑا کہ، انہیں مانتے ہی بنی اور یوں وہ سب خوش و خرم سبین کو لینے چل دیئے۔

نکاح کا بندوبست گھر میں ہی کیا گیا تھا، مغل ہاؤس کے مکین دونوں فلورز میں سما گئے، نکاح کے بعد ہلکی پھلکی ریفریشمنٹ تھی کیونکہ لمبے چوڑے مینو سے احمد مغل نے دانستہ سبیلہ بیگم کو منع کر دیا تھا۔

سبین آج ایک کامدار شلوار قمیض میں ملبوس تھی جبکہ عباس گرے ٹو پیس میں تھا جلد ہی یہ جوڑا اپنے آشیانے کی سمت روانہ ہو گیا۔

شاہ بخت کی شوخیاں عروج پر تھیں اور خلاف توقع آج رمشہ کا موڈ بھی اچھا تھا جبھی معمول کی نوک جھوک چل رہی تھی، گھر پہنچ کر انہوں نے دونوں کو لاؤنج میں بیٹھا کر اپنی محفل سجالی، تائی جان نے لاکھ سر پٹخا کہ رات گہری ہو رہی ہے مگر کوئی اٹھنے کے موڈ میں تھا ہی نہیں، جبھی وہ ہار مان کے اندر کی طرف بڑھ گئیں عباس تو خاصا محظوظ ہو رہا تھا مگر سبین سر جھکائے خاموش تھی اور اس نے کسی بات پر کوئی ردعمل نہ دیا تھا۔

عباس نے دو تین بار اچٹتی ہوئی نظر اس پہ ڈالی تھی پھر سیدھا ہو گیا، کچھ دیر مزید گزرنے کے بعد آمنہ اور رمشہ سبین کو اوپر عباس کے کمرے میں چھوڑ گئیں۔

سبین کو پہلا جھٹکا کمرے کی خوبصورت اور متاثر کن ڈیکوریشن نے دیا تھا، کیا اس کی آمد کسی کے لئے خوشی کا باعث تھی، اس کے اندر احساس حیرانی جاگا تھا، اس گھر نے اسے ہمیشہ حیران ہی کیا تھا۔

پتا نہیں جو ہوا تھا وہ ٹھیک تھا یا غلط مگر سبین کو غلط لگ رہا تھا، اتنا زیادہ کہ اپنی ذات ہی بے معنی لگ رہی تھی بھلا کیا زندگی تھی اس کی؟ ماں نے شادی کی، شوہر نے لو اسٹینڈرڈ کا طعنہ دے کر رد کیا اور پھر سارے خاندان کے آگے اسے ذلیل کر کے چھوڑ دیا تھا اور بات یہاں ہی ختم نہیں ہوئی تھی، اسی نام نہاد شوہر کا بھائی آ گیا ہمدرد بن کے تب جب وہ اس کی بھابھی نہ رہی بلکہ کبھی بنی ہی نہ تھی، تو پھر وہ آ گیا، رحم اور ہمدردی کا چغہ پہن کر ترس کا نقاب اوڑھے اور ماں ایک بار پھر خوش امید کہ مطلقہ بیٹی کا گھر بس جائے اس سے بڑی اور کیا خوشی ہو سکتی تھی بھلا؟ نوے فی صد دیگر ماؤں کی طرح ان کا بھی خیال یہی تھا کہ اس طلاق میں قصوروار سراسر ان کی بیٹی ہی تھی جسے گھر بسانے اور بتانے کا ڈھنگ نہ آیا تھا اور یہ تو مغل ہاؤس کی اعلیٰ ظرفی تھی کہ وہ اسے پھر سے اپنی بہو بنا رہے تھے ورنہ انہیں کیا پڑی تھی کہ وہ ایک مطلقہ کو لے جاتے، وہ ان کی اعلیٰ ظرفی پہ تہہ دل سے مشکور و ممنون تھیں اور شاد بھی، اس بات سے قطع نظر کہ سبین کی کیا کیفیت تھی، مجبور اور بے بس لڑکی۔

کتنا عام سا کردار ہے ہمارے معاشرے کا مگر کثرت میں بے پناہ ہر دوسرا گھر ایسی کہانیوں سے بھرا ہے ہر تیسری لڑکی ایسے ہی کسی ایموشنل بلیک میل کا شکار ہے۔

اب اسے اسی گھر میں رہنا ہے اپنی تمام تر گزشتہ تذلیل کو ذہن میں رکھتے ہوئے اپنے نئے شوہر کو جو کہ خطرناک حد تک پچھلے شوہر سے مشابہت رکھتا تھا، قبول کرنا تھا، اس کی فرماں برداری کرنا تھی اور اگر وہ اسے ماضی کا طعنہ دینے کی کوشش کرے تو برداشت کا سبق دہرانا تھا اور اگر وہ اس سے خوش نہیں ہوا تو اسے تن من کی بازی لگا کر اسے منانا تھا، اسے عزت نفس، وقار اور Self esteem کو بھول جانا چاہیے تھا اور یاد رکھنا تھا تو صرف اتنا کہ عباس مغل نے اس پر جو احسان کیا تھا وہ اتنا قیمتی اور بھاری تھا کہ وہ ساری زندگی کی خدمت گزاری کے بعد بھی یہ احسان چکا نہیں سکتی تھی، وہ تو اس عظیم شخص کے سامنے سر بھی نہیں اٹھا سکتی تھی، وہ اس قابل کب تھی بھلا؟

اسے عباس کے حوالے سے کسی قسم کی کوئی خوش فہمی لاحق نہیں تھی اور یہ سوال اور زیادہ خوفناک تھا کہ اگر اس سب میں عباس کی رضا مندی تھی تو کیوں تھی؟ وہ کس بنا پر یہ سب کر رہا تھا؟ وہ کیا چاہتا تھا؟

وہ سوچوں کی عمیق گہرائی سے کبھی نہ نکلتی مگر دروازہ آہستگی سے کھلا اور وہ سوچوں کے جال سے نکلی تو عباس کو روبرو پایا، سبین کی دھڑکن مدھم ہو گئی تھی۔

رشتے ناطے، محبت خلوص اور وفا...... یہ سب چیزیں اس کی زندگی میں اس قدر بے معنویت اختیار کر چکی تھیں کہ وہ ان کے بارے میں کچھ سوچنا بھی نہیں چاہتا تھا، مگر ان رشتوں نے اسے یوں جکڑا تھا کہ......!

اسید کی سوچ کا ارتکاز ٹوٹا، گاڑی کو بریک لگے اور وہ چند ثانیوں کے لئے اپنی سوچوں سے چونکا تھا۔

تیمور احمد نے اسے پچیس سال آسائشات سے بھرپور زندگی دی تھی مگر ان کی بیٹی نے اپنے ہاتھوں سے ایک گڑھا کھود دیا تھا جس میں وہ خود تو گری ہی تھی مگر ساتھ اسے بھی لے ڈوبی تھی، اب جو شخص اس کے ساتھ تھا وہ چوٹ کھایا اور بلبلایا انسان تھا اور ایسا شخص کسی دوسرے کو کیا دے سکتا ہے؟ سوائے نفرت اور اذیت کے؟؟؟

وہ رات...... وہ لمحے...... اس کی زندگی میں ایک بھیانک سچائی کی مانند موجود تھے اور ان سے نگاہ چرانے کا کوئی فائدہ نہ تھا وہ مٹنے والے نہیں تھے، جو آگ حبا تیمور نے اس کے اندر دہکائی تھی وہ اتنی آسانی سے بجھنے والی نہ تھی، اسے اس آگ سے اپنا وجود روشن کرنا تھا اور پھر اس میں حبا تیمور کو جلانا تھا۔

حبا تیمور نہیں جانتی تھی کہ اس رات اس نے اسید مصطفیٰ کے اندر سے انسانیت کا درد اس کے وجود سے اشرف المخلوق ہونے کا لبادہ بہت آسانی سے کھینچ لیا تھا اور اس نے اپنی عریاں روح کو ڈھانپنے کے لئے اب کے بار جو لباس پسند کیا تھا وہ ''حیوانیت'' کا لباس تھا، اس لباس کے اندر زہر تھا، اتنا تیز اتنا زہریلا کہ بڑی شدت سے کسی کو ڈسنے کی خواہش اس کے خون دوڑ رہی تھی۔

حبا تیمور نے اپنی خود غرضی میں اس بے غرض انسان کو ایک سرسراتا ہوا ناگ بنا دیا تھا جس کے اندر بہت سا زہر جمع ہو گیا تھا اور اسے بہرحال کسی کو ڈسنا تھا اپنا یہ زہر باہر انڈیلنا تھا اور وہ کسی...... حبا تیمور کے علاوہ اور کون ہو سکتا تھا، اسید مصطفیٰ اس بار بھی غلط تھا دھوکہ کھا گیا تھا، ہار گیا تھا۔

پھر یقین کی بساط پہ تجھ سے
میں بہت اعتماد سے ہارا !!!

☆☆☆

عباس کا ہر اٹھتا قدم سبین کے دماغ پہ ہتھوڑے کی طرح برس رہا تھا، اس کا دل چاہ رہا تھا وہ زور زور سے روئے اور اس سے پوچھے کہ ''عباس مغل! میں تو مجبور تھی، مگر تم تو مجبور نہیں تھے، مرد مجبور نہیں ہوتا پھر تم نے ایسا کیوں کیا؟''

وہ اس کے سامنے آ کر بیٹھ گیا، سبین کے اندر گھٹن ہونے لگی، اس کے ہاتھ ہولے ہولے لرز رہے تھے، اس نے یہ کپکپاہٹ چھپانے کی خاطر مٹھیاں بھینچ لیں تھیں۔

''سبین!'' عباس کی آواز پہ اس کا سر کچھ مزید جھک گیا، وہ چند لمحے بغور اسے دیکھتا رہا پھر ہاتھ بڑھا کر اس کا چہرہ اوپر اٹھا دیا، دونوں کی نظر ملی، سبین کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں اور ان میں کیا نہیں تھا؟ دکھ، غم، شکایت اور بے بسی! عباس نے ہاتھ پیچھے ہٹا لیا۔

''آپ ناراض ہیں؟'' وہ آہستگی سے بولا۔

''کس بات پر؟'' سبین نے تیزی سے کہا۔

''اس شادی میں آپ کی رضا مندی تھی؟'' اب کی مرتبہ اس کا سوال زیادہ واضح تھا۔

''اب اس بات کی اہمیت ہے؟'' سبین کا لہجہ دھیما مگر ترش تھا۔

''اہمیت ہے سبین!'' وہ زور دے کر بولا، چند لمحے ایک مہیب خاموشی طاری رہی، پھر سبین نے سر جھکا لیا۔

''ہوں شامل تھی۔'' جواب مختصر تھا اور لہجہ اتنا آہستہ تھا کہ وہ بمشکل سن پایا، مگر اس مختصر مگر جامع جواب نے عباس کے چہرے کی رونق بحال کر دی تھی۔

''اس دن جب میں آپ سے ملنے آیا تھا تو آپ ملی نہیں تھیں، کیوں؟'' عباس کو اس دن کی اہانت یاد آئی تو پوچھ بیٹھا۔

''وہ میری بے وقوفی تھی۔'' اس نے انتہائی سچائی سے اپنا تجزیہ کرتے ہوئے کہا۔

''اوہ جسٹ لیواٹ۔'' عباس نے سر جھٹکا اور اس کے ہاتھ تھام لئے، سبین کی ساری جان ہاتھوں میں سمٹ آئی تھی۔

''آپ کے ہاتھ بہت پیارے ہیں سبین۔'' اس نے سبین کے ہاتھ کی پشت سہلاتے ہوئے دھیمے سے کہا تو سبین نے جھٹکے سے سر اٹھا کر اسے دیکھا، عباس کی آنکھوں کا تاثر بہت مختلف تھا، یہ ایک طلب اور استحقاق سے معمور مرد کی آنکھیں تھیں، وہ نا سمجھ نہیں تھی، جبھی نظر جھکا گئی۔

''میں چینج کر لوں؟'' اسے اپنی آواز اجنبی سی لگی۔

''ضرور، بھابھی بتا رہی تھیں کہ آپ کے لباس اس کپ بورڈ میں پڑے ہیں۔'' عباس نے وارڈ روب کی طرف اشارہ کیا، وہ سر ہلاتی ہوئی اٹھ گئی، اس نے ایک آرام دہ شلوار قمیض منتخب کی اور باتھ روم کی سمت بڑھ گئی، کپڑے تبدیل کرنے کے بعد اس نے منہ ہاتھ دھویا، بالوں کو کھول کر ڈھیلی سی چٹیا بنائی اور اتارا ہوا کامدار سوٹ تہہ لگا کر باہر لے آئی، اسے لا کر وارڈ روب میں رکھ دیا، عباس بڑی سی سلائیڈنگ ونڈو کے پاس کھڑا تھا، پھر اس نے پردہ برابر کیا اور اس کی طرف مڑ آیا جو کہ گلوں سے خوش رنگ بیڈ کے نزدیک کھڑی تھی، اس کے چہرے پہ الجھن تھی۔

''کیا بات ہے؟''

''کچھ نہیں۔'' وہ بیڈ کی پٹی پہ ٹک گئی۔

''دودھ پی لیں، کومل نے بتایا تھا کہ آپ نے اپنی والدہ کے گھر بھی کچھ نہیں کھایا تھا۔'' عباس نے سائیڈ ٹیبل پہ رکھا دودھ کا گلاس اس کی طرف بڑھایا تھا۔

''دل نہیں چاہ رہا۔'' وہ بے زاری سے بولی۔

''دل کی مت سنیں، میری بات مانیں۔'' وہ دھونس سے بولا۔

''ہاں پہلے دن ہی اپنا آپ فراموش کر کے جی حضوری شروع کر دوں؟'' وہ اندر ہی اندر کڑھ کر سوچ رہی تھی، گلاس تھام لیا، دودھ نیم گرم اور خوش ذائقہ تھا، اس نے مجبوراً چند گھونٹ لے کر گلاس پرے ہٹا دیا، پھر اٹھ کر گلاس سائیڈ ٹیبل پہ رکھ دیا۔

''آپ تھکی ہوئی لگتی ہیں، لیٹ جائیں۔'' عباس نے کہا اب پتا نہیں یہ مشورہ تھا یا حکم وہ سمجھ نہیں سکی۔

''مجھے عشاء کی نماز ادا کرنی ہے۔'' وہ وضو کرنے کے لئے واش روم کی سمت بڑھ گئی، عباس وہیں کھڑا رہ گیا، مضطرب اور بے چین۔

کچھ دیر بعد وہ اندر آئی تو عباس نے اس کے بن کہے ہی اسے جائے نماز تھما دیا تھا۔

جسے وہ ایک طرف بچھا کر نماز میں مشغول ہو گئی، عباس خاموشی سے بستر پہ دراز ہو گیا، مگر جلد ہی بے چینی نے اسے احساس دلایا کہ وہ ایزی ڈریس میں نہیں تھا، وہ لباس تبدیل کرنے کے خیال سے اٹھ گیا، باتھ روم گیا تو چینج کرنے

کی بجائے شاور لینا شروع کر دیا، اچھی طرح اپنا دماغ ٹھنڈا کرنے کے بعد وہ واپس باہر آیا تو ایک حیران کن منظر اس کا منتظر تھا، لائٹس آف تھیں اور سبین بیڈ کے ایک کونے پہ دراز تھی، اس کے اندر ایک عجیب احساس نے سر اٹھایا، وہ آگے بڑھا اور بیڈ پہ بیٹھ گیا، چند لمحے وہ بے حس و حرکت رہا پھر اسے ٹھنڈک کا احساس ہوا اس نے کمبل کھولا اور اوڑھتے ہوئے اسے بھی اوڑھا دیا، اپنا تکیہ سبین کے قریب کیا اور لیٹ گیا، دوسری طرف فوراً اس کی موجودگی کو نوٹس کیا گیا تھا، وہ کچھ اور آگے سرک گئی، عباس نے اس کے شانے پہ ہاتھ رکھا تھا اور گویا غضب ہو گیا۔

''ہاتھ مت لگاؤ مجھے۔'' وہ تڑپ کر اس کا ہاتھ جھٹک چکی تھی، عباس کا رنگ غصے اور ذلت کے احساس سے دہک اٹھا۔

''آپ...... جانتی ہیں آپ کیا کہہ رہی ہیں؟'' وہ تلخی سے بولا۔

''بہت اچھی طرح سے جانتی ہوں۔'' وہ ذرا بھی نہیں جھجکی۔

''اور انجان بننے کا ڈھونگ رچانا بند کر دو۔'' وہ زہر زہر لہجے میں بولی تھی۔

''مجھے جھوٹ بولنے کی عادت نہیں ہے، میں آپ سے کہہ رہا ہوں نا کہ میں کچھ نہیں جانتا۔'' وہ تیزی سے بولا۔

''میں مان ہی نہیں سکتی عباس کہ اس گھر میں رہتے ہوئے تم بے خبر ہو گے بلکہ یوں کہو کہ میری ذلت کے تماشے کی روداد مجھ سے سننا چاہتے ہو، تو سن لو اس نے کہا تھا میں اس کے معیار پہ پوری نہیں اترتی، اس لئے وہ مجھ سے کوئی رشتہ نہیں بنائے گا، یہ شادی ایک کاغذی شادی تھی اور پھر اس نے سب کے سامنے اس بات کا اقرار کیا تھا کہ وہ مجھے اس قابل ہی نہیں سمجھتا تھا کہ......'' وہ ہذیانی انداز میں چیختے ہوئے سسک اٹھی۔

''اس کے نزدیک میری کوئی حیثیت کوئی اہمیت نہیں تھی اور اس کا ثبوت اس نے ہمیشہ دیا، میں کیسے مان لوں کہ تم وہ نہیں کرو گے جو اس نے کیا تھا، میں...... ایک ٹھکرائی ہوئی عورت ہوں عباس احمر مغل! اور تمہیں تو فخر کرنا چاہیے کہ تم نے مجھے اپنا کر دنیا میں ہی جنت خرید لی، عظمت کے مینار پر چڑھنے کا بہت شوق تھا نا تمہیں؟ بہت ہمدرد بنتے تھے نا تم میرے...... پتا چل گیا ہے مجھے۔'' وہ دکھی تھی، اس کے اندر کا درد لفظوں کی صورت باہر نکل رہا تھا، وہ اداس تھی اور آنے والے وقت کا خوف اس کے چہرے سے جھلک رہا تھا، وہ ایک کم ظرف مرد کے ہاتھوں ذلیل ہونے کے بعد دوسرے کے پاس آ تو گئی تھی مگر اسے اپنانے سے گریزاں تھی، وہ احساس کمتری میں مبتلا تھی، وہ دوبارہ رد ہونے کی ہمت نہیں رکھتی تھی اور یہ سب اس کے الفاظ سے عیاں تھا۔

عباس جیسے کسی خلا میں معلق ہو گیا تھا، وہ کئی ثانیے سبین کو نا سمجھی کی کیفیت میں دیکھتا رہا۔

''سبین آپ!'' اس نے بولنا چاہا مگر شدت جذبات سے اس کا گلا رندھ گیا اس نے بے ساختہ تسلی دینے کی خاطر دونوں ہاتھ سبین کے گرد لپیٹے تھے۔

''میں نے ہر ممکن کوشش کی اپنا گھر بچانے کی عباس! مگر پھر بھی امی نے مجھے ہی مورد الزام ٹھہرایا، میرا کیا قصور تھا اگر اس شخص نے مجھے پسند نہیں کیا تھا، میں کیوں......'' وہ روتے روتے اس کے ساتھ لگ گئی، عباس نے اسے مضبوطی سے اپنے ساتھ لگا لیا، اس نے عباس کی قمیض اپنے آنسوؤں سے بھگو دی تھی، وہ اسے تھپکتا رہا، بہلاتا رہا، تسلی دیتا رہا۔

پھر اس نے سبین کو لٹا دیا اور آہستہ آہستہ اس کی پشت تھپکتا رہا جیسے کسی روتے ہوئے شیر خوار بچے کو بہلایا جائے پھر وہ سو گئی، اس کے چہرے پہ آنسوؤں کی لکیریں تھیں، عباس نے اسے ٹھیک سے کمبل اوڑھایا اور خود بھی سیدھا لیٹ گیا اس کی نظریں چھت پہ معلق تھیں، وہ حیران تھا اور اس سے زیادہ خوش، اس کی وجہ کتنی مضبوط تھی، سبین جس شخص کے ساتھ رہی تھی وہ تو گھٹیا تھا مگر اپنی کم ظرفی کے باوجود اس نے سبین کو وقت گزاری کے لئے شکار نہیں بنایا تھا۔

وہ خوش قسمت تھا کہ اس کی قسمت میں ایک شفاف، اجلی اور خالص لڑکی تھی، جس کے دل و ذہن کی سلیٹ پہ اپنا نام لکھنا اس کے لئے کوئی بہت مشکل نہ تھا۔

ذرا سی توجہ، ڈھیر ساری محبت اور دل سے کی گئی عزت اس کے لئے وہ ہتھیار بن سکتے تھے جن سے وہ یہ معرکہ سر کر سکتا تھا، اس نے مسکرا کر سوئی ہوئی سبین کو دیکھا اور دل سے اپنے رب کا شکر گزار ہو گیا تھا اور اس کے بعد اپنے ماں باپ کا جنہوں نے اس سے ایک بروقت ایک صحیح فیصلہ کروایا تھا، رات نصف سے زیادہ بیت چکی تھی، وہ اپنی خوشی کی شدت بانٹنا چاہتا تھا مگر وہ سو رہی تھی، عباس چند لمحے خود پہ ضبط کرتا رہا پھر اس نے ہار مان کر سبین کی طرف کروٹ لے لی، ہلکی سی نیلگوں روشنی میں اس نے اس کی روشن پیشانی کو چوما اور پھر اسے خود میں چھپا لیا۔

''تجھے کیا پتا سبین؟ تو کتنی خاص ہے، تو...... تو سچا موتی ہے، جس کی چمک دمک بس میری آنکھوں کے لئے ہے، میں کتنا خوش نصیب ہوں، تو کیا جانے؟'' وہ ادب کے سارے قرینے بھول کر قربتوں کی طرف رواں دواں تھا، اس کے ہر ہر اعضاء سے سرشاری پھوٹ رہی تھی، اس کی لمس میں کسی گھڑی دلربائی اور اور گہرائی بڑھی تھی جب سبین کی آنکھ کھل گئی، اس نے خود کو اس دلکش حصار میں مقید پایا تو رنگت میں گلابیاں گھلتی چلی گئیں، وہ مزاحمت کرنا چاہتی بھی تو ناکام ٹھہرتی کہ مقابل کی پیش قدمی میں ایسی والہانہ وارفتگی اور بے خودی تھی کہ اس نے خود کو مکمل طور پر محصور محسوس کیا تھا مگر نہیں محصور محفوظ و مامون۔

عجب بجوگ ہے جاناں!
یہ کیسا روگ ہے جاناں؟
بڑے بوڑھے بتاتے تھے
کئی قصے سناتے تھے
مگر ہم مانتے کب تھے؟
یہ سب کچھ جانتے کب تھے؟
کہ بہت پختہ ارادے
کس طرح سے ٹوٹ جاتے ہیں؟
ہمیں ادراک ہی کب تھا؟
ہمیں کامل بھروسہ تھا
ہمارے ساتھ کسی صورت بھی
ایسا ہو نہیں سکتا
یہ دل کبھی قابو سے بے قابو
ہو نہیں سکتا
مگر!!!
پھر یوں ہوا جاناں!!!
نہ جانے کیوں ہوا جاناں
جگر کا خون ہوا ایسا
تیرے ابرو کی اک جنبش پر
تیرے قدموں کی آہٹ پر
گلابی مسکراہٹ پر
تیرے سر کے اشارے پر
صدائے دل ربانہ پر
چہرائے معصومانہ پر

نگاہ قاتلانہ پہ
جفائے مجرمانہ پہ
ادائے کافرانہ پہ
گھائل ہوگئے ہم بھی
بڑے بے باک پھرتے تھے
مائل ہوگئے ہم بھی
سخاوت کرنے آئے تھے اور
سائل ہوگئے ہم بھی
بڑے بوڑھوں کی ان
باتوں کے قائل ہوگئے ہم بھی!!!

☆☆☆

‘‘نوفل! تم مجھے ستارا کے پاس کب لے کر جاؤ گے؟’’ عائشہ نے صبح سے کوئی بیچا سیویں مرتبہ پوچھا تھا، نوفل نے فون پاکٹ میں ڈالا اور طویل سانس لے کر ان کی طرف متوجہ ہوگیا۔

‘‘میں کوشش کر رہا ہوں، اصل میں اسے جس جگہ پہ رکھا گیا ہے وہ پہاڑی علاقہ کچن بوری ہے جہاں سے اسے نکالنا اتنا آسان نہیں ہے، مجھے ڈر ہے کہ مہروز کے آدمی اسے کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کریں۔’’ اس نے پریشانی سے کہا۔

‘‘تو تم کوشش کرو نا کہ پولیس کی مدد سے......’’ انہوں نے فوراً مشورہ دینا چاہا مگر نوفل نے ان کی بات قطع کردی۔

‘‘نہیں یہ بالکل الگ معاملہ ہے اور پولیس کو انوالو کرنے سے ستارہ بھی زد میں آئے گی، جو کہ میں قطعاً نہیں چاہوں گا، آپ یہاں کے میڈیا کو جانتی نہیں ہیں، یہ معاملے کو اس قدر ہائی لائٹ کریں گے کہ جینا دوبھر ہو جائے گا۔’’ وہ دانستہ انہیں ڈرا رہا تھا۔

‘‘خیر میڈیا کی بات تو تم رہنے دو، ہمارے پاکستان کے میڈیا نے پوری دنیا کے میڈیا کو پیچھے چھوڑ دیا ہے۔’’ وہ جل کر بولی تھیں، نوفل سر جھٹک کر ایک نمبر ڈائل کرنے لگا۔

☆☆☆

یہ ناشتے کے بعد کا منظر تھا، بیڈ روم میں دونوں کی ایک بحث چھڑی ہوئی تھی۔

‘‘سبین! آخر اس میں پرابلم کیا ہے؟ ولیمہ کا ریسپشن تو دینا پڑتا ہے نا؟’’ وہ جھلا کر کہہ رہا تھا۔

‘‘مجھے نہیں پتا بس، تم کیوں سمجھنے پہ آمادہ نہیں ہو عباس؟ میں لوگوں کو فیس نہیں کرسکتی، وہ سب جانتے ہیں مجھے ایاز کی وائف کی حیثیت سے اور اب......’’ وہ بے چینی سے لب کچلنے لگی، عباس کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔

‘‘مجھے اس سے فرق نہیں پڑتا۔’’ عباس نے اسے باور کروا دیا تھا، وہ چند لمحے خاموش رہی۔

‘‘مگر مجھے پڑتا ہے، میں لوگوں کی گفتگو کا موضوع اور ہمدردیوں کا مرکز نہیں بن سکتی۔’’ وہ سسک کر بولی تو آنکھیں نمکین پانیوں سے بھرنے لگیں۔

‘‘آپ لوگوں کی اتنی فکر مت کریں۔’’ عباس نے ٹوکا۔

‘‘نہیں کروں گی مگر تم میری فکر کرو پلیز یہ سب ہونے سے روکو، میں اس سب کا حصہ نہیں بن سکتی۔’’ اس کا لہجہ دوٹوک تھا، عباس چند لمحے خاموش رہا پھر اٹھ کر باہر نکل گیا، سب آفس جا چکے تھے جبکہ شاہ بخت ابھی ادھر ہی تھا، وہ نیچے آیا تو لاؤنج میں شاہ بخت موجود تھا، وہ شاید دیر سے اٹھا تھا جبھی اب چائے پی رہا تھا، جبکہ پاس ہی رمشہ فون کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کر رہی تھی، وہ انہی کی طرف چلا آیا، شاہ بخت چائے کا مگ چھوڑ کر کھڑا ہوگیا۔

‘‘گڈ مارننگ جگر۔’’ اس نے عباس کو گلے لگا لیا۔

‘‘صبح بخیر۔’’ عباس کچھ جھینپ سا گیا، صبح سے اسے سب یونہی پروٹوکول دے رہے تھے۔

‘‘کیسے ہو؟’’ بخت نے اس کے شانوں پہ ہاتھ رکھ کر پوچھا۔

‘‘ٹھیک ہوں کچھ بات کرنا تھی۔’’ عباس نے فوراً اس کا دھیان خود سے ہٹایا۔

‘‘کون سی بات؟’’ وہ دونوں ساتھ ساتھ بیٹھ گئے۔

‘‘صبح بھائی اور بابا کہہ رہے تھے کہ ایک دو دن تک کوئی ٹائم سیٹ کریں، ولیمہ کے ریسپشن کا مگر سبین اس کے لئے ایگری نہیں ہیں۔’’ وہ آہستہ سے بتانے لگا۔

‘‘کیا مطلب؟ کیوں؟’’ وہ حیران ہوا۔

‘‘بس وہ ہی پیپل کونشس...... ڈرتی ہیں کہ لوگ کیا کہیں گے؟ کہہ رہی تھیں وہ فیس نہیں کر سکتیں۔’’ عباس کا لہجہ افسردہ تھا۔

‘‘تو تم انہیں سمجھاؤ نا۔’’

‘‘میں نے کوشش کی مگر......’’ وہ بات مکمل نہیں کر پایا۔

‘‘صاف کہو نا عباس کہ وہ ٹیپیکل مڈل کلاس لڑکی، کمپلیکسز کا شکار ہے۔’’ رمشہ نے نخوت سے مداخلت کی۔

‘‘مائنڈ یور لینگویج رمشہ۔’’ عباس کا رنگ بدل گیا۔

‘‘ارے۔’’ وہ طنزیہ ہنسی۔

‘‘اس میں برا ماننے کی کیا بات ہے؟ سچ ہی تو کہا میں نے، اگر اس نے یونیورسٹی کی شکل بھی دیکھی ہوتی تو ڈیفنیٹلی اس کی Thinking کچھ اور ہوتی۔’’

‘‘جسٹ شٹ اپ رمشہ۔’’ شاہ بخت سے برداشت نہ ہوا تھا، وہ غرا اٹھا تھا۔

‘‘یو شٹ اپ تم سے بات کون کر رہا ہے؟’’ وہ غصے سے بولی۔

‘‘تم جیسی بدتمیز لڑکی سے میں بات کرنا بھی پسند نہیں کرتا۔’’ وہ چیخ کر کہہ رہا تھا، رمشہ کو آگ لگ گئی۔

‘‘تم ہوتے کون ہو مجھ سے اس طرح بات کرنے والے، خود کیا ہو تم، فضول انسان۔’’ وہ حلق پھاڑ کر چلائی تھی، شاہ بخت کا جیسے دماغ ہی الٹ گیا اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا اس نے آگے بڑھ کر سیدھے ہاتھ کا ایک بھرپور تھپڑ رمشہ کے منہ پہ مارا تھا، وہ لڑکھڑا کر صوفے پر گری اور اس کی دلدوز چیخ پورے لاؤنج کو ہلا کر رکھ گئی۔

‘‘تمہاری اتنی جرأت کہ تم مجھے گالی دو، تمہیں تو میں......’’ وہ دھاڑ رہا تھا، عباس نے یکدم اسے سختی سے جکڑ کر پیچھے ہٹایا تھا۔

‘‘شاہ بخت کیا کر رہے ہو؟ پاگل ہوگئے ہو تم۔’’

‘‘چھوڑو مجھے، اسے میں گالی دینے کا مطلب سمجھاؤں ذرا، یہ سمجھتی کیا ہے اپنے آپ کو، جب چاہے جو چاہے بکواس کرتی پھرے اس کا تو میں دماغ ٹھکانے لگا دوں گا۔’’ وہ خود کو چھڑا کر آگے بڑھا، لہجہ انتہائی بگڑا ہوا تھا۔

‘‘ہاں ہاں میں دوں گی گالی، کیا کر لو گے؟ میرا منہ بند کروا لو گے؟’’ وہ حلق کے بل چلا رہی تھی۔

‘‘تم ہو گھٹیا بلکہ ذلیل، جاہل اور...... بے غیرت بھی ہو جبھی تو مجھ پہ ہاتھ......’’ اس بار وہ بات مکمل نہیں کرسکی تھی، شاہ بخت نے بے دریغ اسے دو تین طمانچے مارے اور شاید وہ مزید بھی لگا دیتا مگر عباس نے اسے دور کھینچ لیا۔

(باقی آئندہ ماہ)

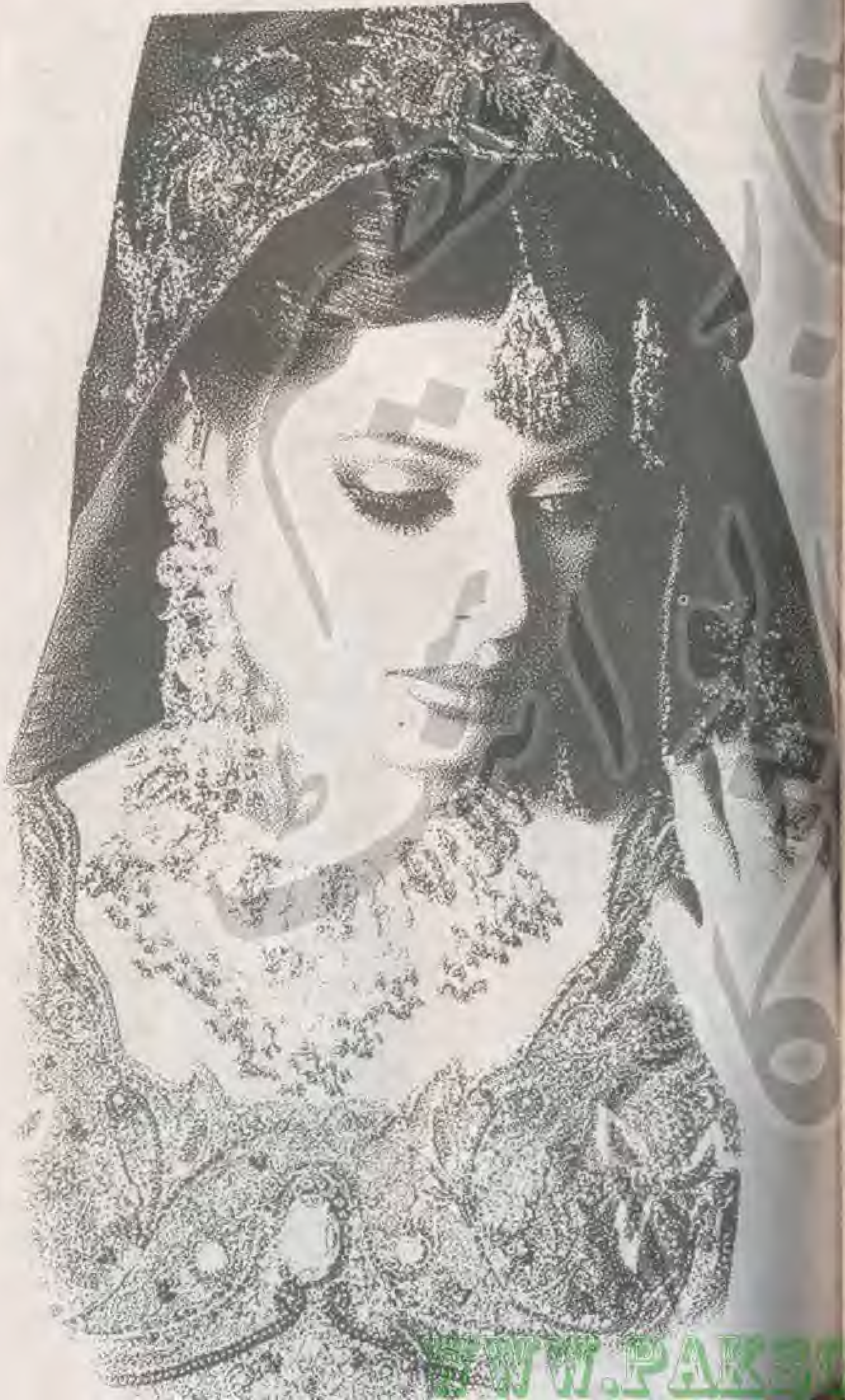

محبت فاتح عالم

مصباح نوشین

اس کے ہاتھوں پہ مہندی سج رہی تھی، لڑکیاں بالیاں کل کے دن کے حوالے سے جب کوئی شوخ جملہ کہتیں تو اس کی پکے ہوئے گندم کے خوشوں جیسی رنگت میں سندور کی سرخی سی گھل جاتی، وہ سر جھکا کر محض مسکرانے پہ اکتفا کرتی اس نے اپنی خمدار پلکوں کو جھکائے دونوں ہتھیلیوں میں لکھے اپنے ہم سفر کے نام کو کھوجا جو اس کی دوست نے مہندی لگاتے وقت ازراہ شرارت لکھ دیا تھا۔

''اسے اپنے ہم سفر کو دکھا کر کہنا کہ میں نے تمہیں قسمت کی لکیروں سے چھپا کر اپنی زندگی میں شامل کرلیا ہے، ہمیشہ میری قدر کرتے رہنا۔''

اس کی بات پہ ایک زوردار قہقہہ پڑا تھا، تبھی باہر لوگوں کی آوازوں کا غلغلہ سا اٹھا ساری لڑکیاں ''مہندی آگئی'' کا نعرہ لگاتیں ایک دوسرے کے پیچھے باہر کو بھاگی تھیں وہ کمرے میں اکیلی رہ گئی نگاہیں ابھی بھی حنا لگی ہتھیلیوں پہ جمی تھیں۔

''عباس کیانی۔'' اس کے دل نے ایک دھڑکن مس کی۔

''کتنا دور تھا مگر کتنا قریب لگتا تھا صرف چند دنوں میں اس کی ذات کو اپنی محبت کے قلعے میں محصور کرنے والے یہ شخص بہت عام تھا مگر درحقیقت بے حد خاص تھا، لڑکے والے مہندی لے کر آچکے تھے ابھی تھوڑی دیر میں اسے باہر اسٹیج پہ لے جایا جائے گا، جہاں اس کے ہاتھوں پہ ''عباس کیانی'' کے نام کی مہندی لگے گی؟''

وہ خود کو بے حد نروس محسوس کر رہی تھی، باہر گارڈن میں مہندی کا شاندار انتظام کیا گیا تھا فائق علی نے اپنی اکلوتی بیٹی کی شادی میں کسی بھی قسم کی کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی، حالانکہ وہ اس

مکمل ناول

موقع پہ اکیلے اور غمزدہ تھے مگر عمر بھائی نے ان کا خوب ساتھ دیا تھا تمام انتظامات فائق علی کے ساتھ مل کر کروائے تھے، اچانک باہر کی آوازوں میں اضافہ ہوا تو اس نے قدرے رخ موڑ لیا

"ارے آبرو...... غضب ہو گیا؟" اس کی ہمسائی اقصیٰ بھاگتی ہوئی کمرے میں آئی تھی اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا تھا۔

"کک...... کیا ہوا؟" اس نے سوکھے لبوں پہ زباں پھیری۔

"وہی جس بات کا ڈر تھا، تمہارے چچا وغیرہ بڑے ابا کے ساتھ مل کر یہ شادی رکوانے کے لئے آئے ہیں، باہر تمہارے امی ابو اور ان کا اسی بات پہ جھگڑا ہو رہا ہے؟" اسے لگا وہ اپنی ٹانگوں پہ کھڑی نہیں رہ سکے گی۔

"انہوں نے کہا ہے ہم یہ شادی ہرگز نہیں ہونے دیں گے، ہماری غیرت ہمیں اس بات کی اجازت ہرگز نہیں دیتی کہ ہمارے جیتے جی ہمارے خاندان کی کوئی لڑکی باہر بیاہی جائے، وہ تمہیں لینے آئے ہیں۔" آبرو نے اپنی روح جسم سے نکلتی محسوس کی۔

"ابا کہاں ہیں؟" سرسراتی آواز میں پوچھتے اس نے دیوار کا سہارا لیا تھا۔

اقصیٰ کے کچھ کہنے بتانے سے پہلے ہی وہ لوگ کمرے میں آ چکے تھے، اس نے بے ساختہ نگاہیں جھکا کر رخ موڑ لیا۔

"آبرو...... یہ لوگ تمہیں لینے آئے ہیں بیٹا، ان کے ساتھ چلی جاؤ۔" اسے اپنے ابا کی آواز آئی تھی، مجبور بے بس اور شکست خوردہ، اس نے ایک نظر اپنے مجبور و بے کس باپ کی طرف دیکھا ان کے کندھے جھکے ہوئے اور آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں، اس کا جی چاہا وہ اپنے باپ اور ان آئے لوگوں سے چیخ چلا کر پوچھے کیا وہ آج پیدا ہوئی تھی کہ انہیں اب اس کا خیال آیا تھا اس وقت جب اس کے ہاتھوں پہ مہندی لگنے والی تھی انہیں اس کا اس وقت خیال کیوں نہیں آیا جب اس کا باپ اپنے باپ اور بھائیوں کے دروازے پر بار بار اپنی بیٹی کا رشتہ لے کر جاتا تھا حالانکہ وہ بیٹی والا تھا مگر اپنی عزت نفس کی پرواہ نہ کرتے ہوئے بھی وہ آج کے دن سے بچنے کی خاطر بار بار انکار کی ذلت سہتا تھا، تب یہ لوگ نخوت سے کیوں منہ موڑا کرتے تھے اب اچانک آج ان کی غیرت کو کیا ہو گیا تھا، مگر وہ کچھ نہیں کہہ پائی مگر وہ ان لوگوں کے ساتھ جانا بھی نہیں چاہتی تھی، ابا نے ایک مرتبہ پھر اپنی بات دہرائی۔

"آؤ بیٹی۔" اسے بڑے ابا کی آواز سنائی دی، جو خلاف معمول اور خلاف توقع محبت کی شیرینی میں ڈوبی ہوئی تھی، اس نے بے ساختہ اپنی ماں کی جانب دیکھا انہوں نے نفی میں سر ہلا دیا تھا آبرو وہیں کھڑی جم گئی۔

"یہ ہرگز آپ کے ساتھ نہیں جائے گی بڑے ابا۔" امی زندگی میں پہلی مرتبہ یوں بڑے ابا کے سامنے انکار کی مرتکب ہوئی تھیں۔

"تم بیچ میں مت بولو خدیجہ، یہ ہم باپ بیٹوں کا مسئلہ ہے۔" بڑے ابا خلاف توقع تحمل سے بولے۔

"ساری عمر نہ بولنے کا ہی خمیازہ تو آج بھگت رہی ہوں بڑے ابا، آپ کو صرف اپنے اصولوں کی پاسداری عزیز ہے ہماری عزت نہیں، میری بیٹی کے ہاتھوں پہ مہندی لگی ہے سارے رشتہ دار، برادری والے شرکت کے لئے موجود ہیں اس کا نکاح ہو چکا ہے خدا کے لئے ہمیں رسوا مت کریں۔" امی ضبط کی شدت سے چلا اٹھیں تھیں۔

"نکاح کو ختم کرنے میں دیر ہی کتنی لگتی ہے خدیجہ، یہ میری پوتی ہے اور مجھے اپنے باقی بچوں ہی کی طرح سے عزیز بھی ہے میں اس کے ساتھ کچھ غلط نہیں ہونے دوں گا۔" بڑے ابا نے بڑے یقین اور عزم کے ساتھ انہیں امید کا دیا تھمایا تھا اس کے والدین تو جانے مطمئن ہوئے تھے یا نہیں مگر آبرو جانتی تھی کہ اب اس کے ساتھ اس کی زندگی کچھ بھی اچھا نہیں کرنے والی تھی۔

☆☆☆

سارے گھر والے ہال کمرے میں جمع تھے بڑے ابا نے سب چچاؤں اور اکلوتی پھپھو کو بلایا تھا، آبرو کل سے بڑی حویلی میں تھی بڑے ابا نے کہا تھا۔

"آبرو میری بیٹی ہے اور میں اس کا بہت اچھا فیصلہ کروں گا تاہم یہ طے ہے کہ ہم اسے غیر برادری میں ہرگز نہیں بیاہنے دیں گے۔" یہ الگ بات تھی کہ انہیں اس بات کا خیال کافی دیر سے آیا تھا اور اس بات پہ عمل درآمد بے حد غلط طریقے سے کیا گیا تھا۔

"آپ سب جانتے ہیں کہ میں نے آپ کو یہاں کیوں بلایا ہے۔" رات کے کھانے کے بعد چائے کے دوران بڑے ابا نے بات چیت کا آغاز کیا، منجھلی تائی اور عائشہ تائی نے بے ساختہ پہلو بدلا، البتہ فرخ چاچو، عمران چچا اور سجاد چچا بے تاثر سے بیٹھے تھے۔

"یہ مت سمجھے گا کہ میں نے یہ قدم جذبات میں آ کے یا برادری والوں کے اشتعال دلانے پر اٹھایا ہے، مجھے پہلے دن سے ہی احساس تھا کہ فائق علی کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے ماضی میں بھی میں نے اپنی ضد کے ہاتھوں فائق علی کی کافی حق تلفی کی ہے اور آپ سب بہن بھائیوں نے بھی بجائے اس کے کہ مجھے میری غلطی کا احساس دلاتے اسے دودھ سے مکھی کی طرح نکال پھینکا، بہر حال جو ہوا اس پہ سوائے پچھتانے کے ہمارے پاس اور کوئی چارہ نہیں مگر گزری غلطیوں کو سنوارنے کا ایک موقع ہمارے پاس ابھی بھی ہے آپ سب بھائی بہن اس بات کا فیصلہ کر لیں کہ کون فائق علی کے ساتھ رشتہ داری مضبوط کرنا چاہتا ہے اگر تم سب یہ فیصلہ نہ کر پائے تو پھر میرا کیا فیصلہ اٹل ہو گا۔"

"عمران تم کیا کہتے ہو۔" اچانک انہوں نے بڑے چچا کو مخاطب کیا تھا۔

"جج...... جی بڑے ابا جیسے آپ کی مرضی۔" انہوں نے دزدیدہ نظروں سے اپنی نصف بہتر کو دیکھا جو بری طرح سے انہیں گھور رہی تھیں۔

"بڑے ابا آپ تو جانتے ہیں کہ آج کل بچے اپنی مرضی کے خلاف ماں باپ کے کہنے پر کھانا نہیں کھاتے کجا اتنا بڑا فیصلہ مان لیں اور پھر جمشید کو تو آپ جانتے ہی ہیں کتنا ضدی اور ہٹ دھرم ہے اگر وہ مان جاتا تو میں پہلے ہی کیوں نہ آبرو کو اپنی بہو بنا لیتی ہماری اپنی بچی تھی۔" عمران چچا کو بڑے ابا کے سامنے ہکلاتے دیکھ کر عائشہ تائی کو بولنا ہی پڑا تھا جبکہ عمر کا نام انہوں نے دانستہ نہیں لیا تھا۔

"بڑی بھابھی ٹھیک کہہ رہی ہیں بڑے ابا، ہم بچوں کو ان کی مرضی کے خلاف مجبور تو نہیں کر سکتے نا، آپ نے ناحق بچی بچاری پہ ظلم کیا اچھی بھلی شادی ہو رہی تھی اس کی خوامخواہ میں اور پھر اس کے ماموں کا بھی تو کچھ حق بنتا ہے۔" صفیہ پھپھو نے بھی خود کو بچانے کی کوشش میں آبرو کی وکالت کی باقی تینوں بھائیوں اور بھابھیوں نے بھی ان کی تائید کی ماسوائے انیلا چچی کے ان کے بچے سب سے چھوٹے تھے اور کچھ انہیں اپنے بڑے جیٹھ جٹھانی سے لگاؤ بھی تھا، آبرو کی سادگی

اور اپنائیت کی وجہ سے ان دونوں کی خوب گاڑھی چھنتی تھی اور وہ دل سے چاہتی تھیں کہ ان کے دونوں بڑے جیٹھ یا نند میں سے کوئی آبرو کو بہو بنالے تبھی انہوں نے بڑے ابا کا دفاع کرتے کہا تھا۔

"بڑے ابا صحیح کہہ رہے ہیں اب اس اقدام کے بعد ان کی عزت کا سوال ہے اور ان کی عزت اور پگڑی کا خیال ہمیں ہی کرنا ہوگا۔"

"تمہیں ابھی ان باتوں کی سمجھ نہیں آئے گی انیلا، کیونکہ تمہارے بچے ابھی کافی چھوٹے ہیں۔" عائشہ تائی نے ناگواری سے انیلا چچی کی بات کاٹی تھی جو اس بات کا اشارہ تھی کہ تمہیں اس معاملے میں بول کر ہماری مشکلات میں اضافہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

"بہرحال یہ قربانی دینے کا وقت ہے تم لوگ اچھی طرح سے سوچ لو، اگر میں فائق علی کو اس کی پسند کی شادی کے جرم میں اپنی جائیداد اور حویلی سے بے دخل کرسکتا ہوں تو اسی کی بیٹی کی خاطر تم لوگوں کو بھی بے دخل اور عاق کرنے میں مجھے زیادہ وقت نہیں لگے گا۔" یہ کہہ کر بڑے ابا تو چلے گئے مگر پیچھے تینوں بہن بھائیوں کو نئی مشکل میں ڈال گئے تھے۔

"بڑے ابا نے ساری زندگی ہم پہ اسی دولت و جائیداد کے بل بوتے پہ حکمرانی کی ہے ہمیں اپنی ہر جائز وناجائز ماننے پہ مجبور کیا ہے اور اب تو ہمارے بچے بھی جوان ہوگئے ہیں ہم نے تو بڑے ابا کی مرضی کے مطابق زندگی گزار لی مگر اب اپنے بچوں کی زندگی تباہ ہوتے نہیں دیکھ سکتے۔" کافی دیر سے خاموش بیٹھے سجاد چچا نے بھی لب کشائی کی تھی۔

"لیکن آبرو اچھی اور سلجھی ہوئی بچی ہے اگر وہ اس گھر میں بہو بن کر آجائے تو کیا حرج ہے۔" فرخ چاچو کو یقیناً سجاد چچا کی بات ناگوار گزری تھی تبھی بڑے بھائی کو ٹوک بیٹھے ان کی اپنی تین بیٹیاں تھیں اور وہ بیٹیوں اور ان کی عزت کے معاملے میں خاصے پچی تھے۔

"اے بھیا! تم تو رہنے ہی دو تم دونوں تو خاموش ہی رہو تو بہتر ہے تم میاں بیوی کے سر پہ ایسی کوئی تلوار نہیں لٹک رہی ناں، اسی لئے یوں بڑھ چڑھ کر بول رہے ہو ورنہ ہم دیکھتے کر کیسے اس آوارہ لڑکی کی وکالت کرتے ہو۔" عائشہ تائی نے غصے سے فرخ چاچو کو ڈپٹا باقی تینوں نے بھی لعنت ملامت کی تو انیلا چچی نے شوہر کو خاموش ہونے کا اشارہ دیا اور چائے کے خالی برتن اٹھا کر کچن میں دھونے کے لئے رکھ آئیں اس کے بعد ان کا رخ آبرو کے کمرے کی جانب تھا، وہ تین دن سے یہاں تھی اور ماسوائے انیلا چچی نے کسی نے بھی اس کے کمرے میں جھانکا تک نہیں تھا حالانکہ وہ سب تو اس کے اپنے تھے سگے چچا اور پھپھو تو اس سے یوں بھاگ رہے تھے گویا اس کی ذات میں کوئی آسیب چھپا ہوا جو ان سے فوراً چمٹ جائے گا بھی پیچھا چھوڑنے کے لئے انیلا کو ان کی "پراگندہ سوچ" پر بے حد افسوس ہوا وہ کمرے میں داخل ہوئیں تو ان کی نظر سیدھی کمرے کے وسط میں رکھی تپائی پر پڑی کھانے کی ٹرے جوں کی توں ڈھکی پڑی تھی جس کا مطلب تھا کہ آبرو نے کھانا نہیں کھایا تھا وہ سر جھٹکتے کمرے میں داخل ہوئیں آبرو کھڑکی کے پٹ سے سر ٹکائے باہر سڑک پر نگاہیں جمائے کھڑی تھی انیلا چچی کی آمد کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔

"آبرو بیٹا کھانا کیوں نہیں کھایا؟" وہ آہستہ آہستہ چلتی اس کے پیچھے آ کھڑی ہوئیں۔

"بھوک نہیں ہے چچی۔" اس نے مڑے بغیر آنسوؤں سے نم لہجے میں جواب دیا تھا، انیلا

چچی کو تاسف نے آن گھیرا وہ پچھلے تین دن سے بولی تھی تبھی آگے بڑھتے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے بولی تھیں۔

"ایسا کب تک چلے گا آبرو یہ خود اذیتی سہہ کر کیا ثابت کر پاؤ گی تم ان سب پر، جبکہ کوئی بھی بات ماننے کو تیار ہی نہیں کہ تمہارے یا تمہارے والدین کے ساتھ کوئی زیادتی ہوئی ہے۔"

"مجھے ابا کی رسوائی کا دکھ مارے دے رہا ہے چچی، مجھے عباس کیانی کے گھر والوں کی عزت خاک میں ملنے کا افسوس ہے، دکھ اس بات کا نہیں کہ انہوں نے میری شادی رکوا دی اس بات کا ہے کہ جو حق انہوں نے مہندی والے روز میرے نکاح کے بعد استعمال کیا وہ سب وہ پہلے کرتے، میرے باپ کو اس کے بھائیوں اور باپ نے ہی بھرے شہر میں رسوا کر دیا ہے وہ کیا منہ دکھائیں گے لوگوں کو، کیا جواب دیں گے کہ ان کی بیٹی کی شادی عین مہندی والے روز اس کے ددھیال والوں نے آ کے کیوں رکوا دی، آخر کیا وجہ تھی اور وجہ نہ ملنے پر جو جو باتیں ہوں گی وہ میرے ابا کو مجھے دیں گی۔" وہ روتے روتے چیخی۔

"آبرو بیٹا صبر سے کام لو یہ لوگ اگر یہ سب سوچتے تو کیا ایسا قدم اٹھاتے۔" انیلا چچی نے آنسو صاف کیے تھے اس کے پھر پیار سے پچکارتے ہوئے کہا۔

"ہوسکتا ہے آبرو یہ لوگ تمہیں فیصلہ کرنے پہ مجبور کریں بڑے ابا اپنی ہٹ کے پکے ہیں وہ اپنے فیصلے میں ترمیم نہیں کرتے بلکہ اپنے راستے میں آنے والوں کو راستے سے ہٹا دینے میں کسی بھی قسم کی قباحت محسوس نہیں کرتے تم سمجھ رہی ہو ناں بیٹا، بہت فساد مچے گا بہت تباہی ہوگی اگر تم نے ان کا کہا نہ مانا تو......" انہوں نے بات ادھوری چھوڑ دی وہ کس طرح سے آبرو کو اپنی زندگی و خوشی سے ہاتھ دھونے کو کہتیں، انہوں نے ٹھنڈی آہ بھری بڑے ابا نے انہیں کس مشکل میں ڈال دیا تھا۔

"تو کیا چچی، کیا کریں گے یہ لوگ زیادہ سے زیادہ جان سے مار دیں گے ناں تو مار ڈالیں ایسی زندگی جینا ہی کون چاہے گا جس میں عباس کیانی کا ساتھ نہ ہو اور آپ کو کیا لگتا ہے چچی یہ لوگ مجھے خلع پہ مجبور کریں گے اور عباس کیانی مجھے طلاق دے دے گا وہ مجھے اتنی آسانی سے چھوڑ دے گا بھول ہے ان کی وہ جان دے دے گا مگر اپنا نام آبرو علی کے نام سے جدا نہیں ہونے دے گا۔"

انیلا چچی جانتی تھی کہ وہ بالکل صحیح کہہ رہی ہے جس روز سے وہ یہاں آئی تھی اسی روز سے پروفیسر شبیر احمد کیانی شہر کے چند معزز اور بڑے ابا کے چند خاص دوست احباب کو بطور پنچائیت کے لا رہے تھے بڑے ابا کو منانے کے لئے گھر مہمانوں سے بھرا ہوا تھا کارڈز بٹ چکے تھے شہر بھر میں رسوائی و بدنامی کا احتمال الگ اور سب سے بڑھ کر عباس کیانی کی دگرگوں حالت، وہ بنیادی طور پہ ایک شریف النفس انسان تھے چاہتے تھے کہ معاملہ کورٹ کچہری تک نہ پہنچے ورنہ ان کی ایک فون کال پہ آبرو ان کی دسترس میں ہوتی، وہ ان کی بہو تھی ان کے گھرانے کی عزت تھی اور پھر وہ فائق علی کی رضا مندی اور آبرو کی خواہش سے واقف تھے بڑے ابا نے زور زبردستی کی تھی دوسرے معاملے میں شبیر احمد کیانی کے گھرانے کی ہتک کی تھی۔

مگر انہوں نے پھر بھی جذبات سے کام نہیں لیا تھا بلکہ ہوش مندی سے لیتے ہوئے بڑے ابا کو منانے کی کوشش کی تھی، مگر بجائے اس

کے کہ کوئی مفاہمت کی راہ نکلتی بڑے ابا نے پنچائیت سے طلاق کا مطالبہ کر دیا تھا، آبرو نے سنا تو وہ ہکا بکا رہ گئی تھی وہ جانتی تھی کہ بڑے ابا ایک اور غلط فیصلہ کر رہے ہیں اس کے چچازاد میں سے کوئی بھی ایسا شخص نہیں تھا جو اس سے شادی پر راضی ہوتا اور جس پہ کبھی آبرو تکیہ رکھتی تھی وہ تو عرصہ ہوا کہیں کھو سا گیا تھا آبرو کو پھر اس میں اپنا دوست، غمگسار نظر نہیں آیا تھا، یا شاید وہ خود ہی عباس کیانی اور اس کی دیوانگی بھری محبت میں بہت دور چلی گئی تھی۔

''میں ہرگز ہرگز خلع نہیں لوں گی چچی، چاہے یہ لوگ مجھے جان سے مار دیں، ان لوگوں کی بھول ہے کہ میں ان کا کہنا مانوں گی ان لوگوں کا جنہوں نے ساری عمر میرے والدین کو ان کے ناکردہ گناہ کی سزا دی ابا کو جائیداد سے بے دخل کیا گھر سے نکالا اب کس حق کے ساتھ یہ لوگ مطالبہ کریں گے۔'' اس نے بے دردی سے اپنے آنسو صاف کرتے کہا تھا۔

''مجھے یہاں قید کر کے اگر یہ لوگ یہ سمجھ رہے ہیں کہ اپنے مقصد میں آسانی سے کامیاب ہو جائیں گے تو یہ ان کی بھول ہے۔'' اس کے لہجے میں ضد اور ہٹ دھرمی تھی۔

''چچی پلیز میری ایک دفعہ عباس سے بات کروا دیں میں ساری عمر آپ کی مشکور ہوں گی۔'' اس نے لجاجت سے انیلا چچی کے ہاتھ تھام لئے تھے آنسو بھل بھل اس کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے انیلا چچی نے نرمی سے اس کے آنسو صاف کیے پھر بے بسی سے جواب دیا۔

''نہیں بیٹا! فی الحال یہ ممکن نہیں بڑے ابا نے سختی سے منع کر رکھا ہے کہ تمہیں تمہارے والدین سے بھی نہ ملنے دیا جائے۔''

''لیکن آخر کیوں چچی، آخر یہ لوگ اس قدر ظالم اور کٹھور کیوں بن گئے ہیں انہیں خدا کا خوف کیوں نہیں ہے۔'' وہ ایک دفعہ پھر دھاڑیں مار کر رونا شروع کر چکی تھی، انیلا چچی اسے گلے سے لگائے کھڑکی کے نیچے زمین پر بیٹھی تھیں کھانے کی ٹرے جوں کی توں کمرے کے وسط میں تپائی پہ رکھی تھی۔

☆☆☆

آبرو نے شعور کی پہلی سیڑھی پہ قدم رکھا تو خود کو پرانی طرز کے بنے اس چار کمرے کے مکان میں پایا فائق علی کی پسند کی شادی تھی خدیجہ بیگم غریب خاندان سے تعلق رکھتی تھیں ان کے پانچ بہنیں اور دو بھائی تھے اور ان کے ابا سبزی کی ریڑھی لگاتے تھے خدیجہ بیگم بے حد خوبصورت خاتون تھیں تو فائق علی نہایت دردمند دل رکھنے والے انسان تھے حکومت ان دنوں کچی بستی میں ریلوے لائن کے قریب فلائی اوور بنوانا چاہتی تھی روڈ انسپکٹر تھے سو اکثر سروے کے لئے وہاں جایا کرتے تھے وہیں پہ انہوں نے خدیجہ بیگم کو دیکھا تھا اپنی دردمندی اور نیک فطرت کے باعث وہ بہت جلد خدیجہ بیگم کے دل میں جگہ بنا گئے تھے کہ انہیں لگا کہ شادی کے حسین بندھن میں بندھے بغیر گزارا ممکن ہی نہیں فائق علی نے جب بڑے ابا سے اپنی پسند کی شادی کی بات کی تو حسب توقع وہ جلال میں آ گئے تھے بقول ان کے ان کی خاندانی روایات اور پرکھوں کی بنائی عزت انہیں ہرگز اس بات کی اجازت نہیں دیتی تھی کہ اپنے سے کم تر خاندان اور غیر برادری میں بیٹا بیاہ دیں۔

مگر فائق علی دل کے ہاتھوں مجبور تھے اور خدیجہ بیگم سے وعدہ کر چکے تھے خدیجہ بیگم کی محبت ان کے دل میں اس گہرائی سے جڑ پکڑ چکی تھی کہ زندگی ان کے بغیر روز جینے اور روز مرنے کے مترادف تھی فائق علی کے لئے سو...... انہوں نے بڑے ابا کے عاق کر دینے کی دھمکی اور گھر سے بے دخل کرنے کی دھمکی کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے خدیجہ بیگم سے شادی کر لی تھی ان کے کو دل کو یقین تھا کہ بڑے ابا ایک نہ ایک دن ان کی غلطی کو معاف کر کے انہیں اور خدیجہ بیگم کو اپنا مان لیں گے مگر یہ ان کی خام خیالی ثابت ہوئی تھی جب وہ خدیجہ بیگم کو دلہن بنا کر ساتھ لائے تو بڑے ابا نے انہیں گھر کی دہلیز پر ہی روک دیا تھا۔

''یہاں سے واپس چلے جاؤ فائق علی! تمہارا اور تمہاری بیوی کا پاؤں میری حویلی کی دہلیز پہ نہیں پڑنا چاہیے وہیں چلے جاؤ جہاں سے اسے لے کر آئے ہو۔''

اور پھر گزرے وقت نے بڑے ابا کے فیصلے میں ترمیم کی کوئی گنجائش ہی نہیں چھوڑی تھی خدیجہ بیگم نے اس دن کے بعد سے ان کے گھر کی دہلیز پار کرنے کی کوشش ہی نہیں کی تھی، البتہ فائق علی کبھی کبھار یا کسی تہوار کے موقع پر چلے جاتے بڑے ابا نے بھی ان کی خطا کو گو کہ دل سے معاف نہیں کیا تھا مگر وہ اوپرے دل ہی سے سہی مگر کبھی کبھار فائق علی کے گھر کا چکر لگا ہی آتے لیکن گزرے تیئس برسوں میں انہوں نے گنتی کے چار مرتبہ ہی خدیجہ بیگم کو مخاطب کیا ہوگا انہوں نے ایک دن بھی انہیں اپنی بہو تسلیم نہیں کیا تھا، خدیجہ بیگم خود ہی ان کی آمد پر ان کی آؤ بھگت میں مصروف ہو جاتیں، ان کے آگے پیچھے پھرتیں، لوازمات کے ڈھیر لگا دیتیں، مگر کبھی بڑے ابا کھاتے تو کبھی دیکھے بغیر ٹرے اٹھا کر واپس لے جانے کا حکم صادر کر دیتے، خدیجہ بیگم خود میں نادم ہوئی چور سی بن جاتیں، آبرو یہ سب کس قدر دکھ و تاسف سے دیکھتی اور خون کے گھونٹ پی کے رہ جاتیں، اس نے بڑے ابا کو اپنی ذات میں بڑا ظالم قسم کا باپ اور ایک جذبات سے عاری انسان پایا تھا، ان کا شمار ایسے لوگوں میں ہوتا تھا جو اپنی انا اور خودی کا پرچم بلند رکھنے کی کوشش میں دوسروں کی عزت نفس کو اپنے قدموں تلے روندنا اپنا حق سمجھتے ہیں بڑے ابا کی ذات ایک ایسے درخت کی مانند تھی جس کی چھاؤں کانٹے دار اور پھل بے حد زہریلا ہوتا ہے ان کی ذات سے کبھی کسی کو نفع نہیں ہو سکا تھا وہ اپنی خودی میں جینے والے انسان تھے، آبرو کو ان سے کسی قسم کی کوئی انسیت نہیں ہو سکی تھی بلکہ وہ اپنے ددھیال میں کسی کے ساتھ بھی اٹیچ نہ ہو سکی تھی ماسوائے انیلا چچی اور عمر بھائی کے...... بچپن میں وہ بصد اصرار خوشی فائق علی کے ساتھ اپنے کزنز سے ملنے جایا کرتی مگر سلام دعا کے بعد کوئی بھی اسے کمپنی دینے کے لئے موجود نہیں ہوتا تھا۔

''وہ لوگ اسے پسند نہیں کرتے۔'' یہ بات بہت چھوٹی سی عمر میں وہ محسوس کر چکی تھی ہاں البتہ عمر بھائی واحد فرد تھے جو اسے بے حد اہمیت دیا کرتے وہ اس کے بہت اچھے دوست تھے اور شعور کی پہلی سیڑھی پہ قدم رکھتے ہوئے وہ اپنے دل و دماغ میں ان کا تصور آباد کر چکی تھی۔

☆☆☆

شام کا وقت تھا پورے گھر میں رات کی رانی کی مہک اور چمپا کے پھولوں کی تیز خوشبو سرسراتی پھر رہی تھی فائق علی مغرب کی نماز ادا کرنے گئے تھے جبکہ خدیجہ بیگم پڑوس میں ناصرہ خالہ کی عیادت کو گئی ہوئی تھیں، وہ اس وقت گھر میں اکیلی بیلے کی کلیاں چن کر موتیے کے پھولوں کے ساتھ ملا کر مٹکوں پہ سجانے کے لئے گجرے پرو رہی تھی، اسے شام کو مٹکے بھر کر ان پر گجرے لپیٹنا بے حد پسند تھا، اس طرح بیلے اور موتیے کی کلیاں

تازہ بھی رہتیں اور پورے گھر میں ان کی خوشبو سے فضا معطر سی رہتی، وہ اپنے دھیان میں مگن بیٹھی تھی کہ آہٹ پہ چونکی گمان یہی گزرا کہ پڑوس سے خدیجہ بیگم واپس لوٹی ہوں گی مگر نگاہ اٹھا کے دیکھا تو لگا پتھر کی ہو جائے گی سامنے ہی عمر بھائی چہرے پر مسکراہٹ اور آنکھوں میں پیار لئے وہ اسے انہماک سے گجرے پروتے دیکھ رہے تھے۔

”عمر بھائی!“ اس نے انہیں دیکھتے ہی خوشی سے چلاتے نعرہ لگایا۔

”کیسی ہو؟“ انہوں نے ویسی ہی محبت بھری مسکراہٹ چہرے پہ سجائے پوچھا جو ان کی شخصیت کا خاصا تھا، آبرو نے انہیں ہمیشہ مسکراتے دیکھا تھا وہ اس کے بڑے تایا کے بیٹے تھے مگر بے حد نرم خو طبیعت کے حامل، اسے اکثر ان کا تایا اور تائی عائشہ کے بیٹے ہونے پر شبہ ہوتا۔

”بالکل ٹھیک، آپ اتنے دنوں بعد آئے؟“ وہ آنکھوں میں محبت کی تمام قندیلیں روشن کیے شکوہ کر بیٹھی۔

”مصروف تھا اسی لئے نہیں آسکا تم سناؤ تم کون سا آگئیں تھیں میری خبر لینے۔“ اس کے شکوے کے جواب میں عمر بھائی نے بھی شکوہ کیا تو آبرو کے پاؤں تو گویا ہوا میں پڑنے لگے تھے۔

”آپ نے بھی میری کمی محسوس کی تھی کیا؟“ اس کے لہجے میں دہکتے جذبوں کا الاؤ روشن ہو چکا تھا مگر عمر بھائی محسوس نہیں کر پائے تھے۔

”جب تمہیں میری کمی محسوس ہوتی ہے تو یقیناً مجھے بھی اداس کر دیتی ہے دل صرف تمہارے پاس ہی تو نہیں ہے ناں۔“ عمر بھائی اس کے چہرے پر بکھری کہکشاں کو بغور دیکھتے ویسے ہی سادہ سے لہجے میں بولے تھے مگر ان کی سادہ سی بات کو آبرو کے دل نے اپنے مطلب کے معنی پہنائے تھے۔

”گجرے کیوں پرو رہی ہو؟“ اب ان کی نظر اس کے ہاتھوں میں تھامے پھولوں پہ پڑی تھی، آبرو نے بے اختیار موتیے اور بیلے کی کلیوں سے بنے ان گجروں کو دیکھا۔

”یہ بس ویسے ہی، منکوں پہ لٹکانے کے لئے۔“ عمر بھائی بے ساختہ مسکرائے۔

”منکوں سے زیادہ خوبصورت تو تم خود ہو تو پھر خود کیوں نہیں پہنتی؟“

”امی جان کو اچھا نہیں لگتا وہ کہتی ہیں کہ بالی عمر کی لڑکیوں کو گجروں کی مہک سے دور رہنا چاہیے۔“ آبرو نے خدیجہ بیگم کی کہی بات جوں کی توں دہرائی تو عمر بھائی بے ساختہ ہنس دیے۔

”یہ لیں۔“ اس نے ایک گجرہ اٹھا کر انہیں تھمایا۔

”اس کا کیا کروں، کیا اسے خود پہن لوں؟“ عمر بھائی گجرہ تھامتے ہنس پڑے۔

”نہیں یہ اسے پہنائیے گا جس سے آپ اس دنیا میں سب سے زیادہ پیار کرتے ہیں۔“ آبرو نے نگاہیں جھکا دیں اس کا دل اچھل پچھل کرتا باہر نکلنے کو بے تاب تھا۔

”محبت تو میں تم سے بھی کرتا ہوں تو لاؤ اپنا ہاتھ میں اسے تمہیں ہی پہنا دیتا ہوں۔“ عمر بھائی نے آگے بڑھ کر گجرہ اس کی کلائی میں سجا دیا، شدت ضبط سے آبرو کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، محبوب کے ہاتھوں معتبر جو ٹھہری تھی قطع نظر اس کے کہ عمر بھائی کا لہجہ و انداز کسی بھی قسم کے جذبات سے عاری تھا۔

”شکریہ عمر بھائی آپ کے لئے چائے بنا لاؤں۔“ آبرو نے پلکیں جھپکیں۔

”صد شکر لڑکی تمہیں مہمان نوازی کا خیال تو آیا، پہلے سادہ پانی پلا دو اس کے بعد پھر اسٹرونگ سی چائے۔“ وہ پانی لے کر آئی تو عمر بھائی موبائل فون پہ کوئی گیم کھیل رہے تھے اسے دیکھ کے موبائل آف کر دیا اور مسکرا کر گلاس تھام لیا۔

”چچا جان اور چچی جان نظر نہیں آ رہے، کدھر ہیں دونوں؟“ انہوں نے اطراف میں نگاہ دوڑائی۔

”ابا بس آتے ہی ہوں گے اور امی جان ناصرہ خالہ کے ساتھ ہاسپٹل تک گئیں ہیں وہ ذرا دیر سے آئیں گی۔“ آبرو نے تفصیل سے جواب دے کر گلاس ان کے ہاتھ سے تھام لیا اور کچن میں چائے بنانے چل دی، کچن میں چولہے کے پاس کچن سلیب سے کمر ٹکائے اس نے کوئی دسویں مرتبہ اس گجرے کو چوما اور اس کی مہک کو سانسوں میں اتارنے کی کوشش کی دل محبت میں سرخروئی ملنے کی دعا مانگتے محبوب کی دی محبت پر فخر و غرور کی لے پہ جھوم اٹھا دھڑکنیں ایک ہی تام الاپتی بے ہنگم سی ہو رہی تھیں چائے کا پانی ابل ابل کر ختم ہو چکا تھا وہ جلدی سے خیالوں کی دنیا سے باہر آئی اور دوبارہ پانی چڑھا کر جلدی سے چائے تیار کر کے باہر صحن کی طرف چلی، فائق علی نماز پڑھ کر آ چکے تھے اور اب وہ دونوں سر جوڑے کسی بات پر بحث کر رہے تھے اسے دیکھتے ہی خاموش ہو گئے اس نے ان دونوں کے چہرے کی طرف دیکھا دونوں کے چہرے اسے سنجیدہ اور پرسوچ نظر آئے۔

”کھانا تیار ہے بیٹا؟“

”جی ابا جان، بس تازہ روٹی ڈالنا ہے سالن اور سلاد تیار ہے۔“ اس نے دوپٹہ پھیلا کر اوڑھتے جواب دیا۔

”ایسا کرو ساتھ میٹھے میں کچھ بنا لو عمر کے لئے یہ آج کھانا کھا کر جائے گا۔“

”نہیں چچا جان میں اب چلوں گا پھر کسی دن فرصت سے آیا تو کھانا بھی کھاؤں گا ابھی مجھے کسی کام سے جانا ہے۔“ عمر نے آبرو کو چائے کا خالی کپ پکڑاتے کھانے سے معذرت کی تو آبرو کا دل بجھ سا گیا وہ اتنے دنوں بعد آئے تھے اور اتنی جلدی جا رہے تھے ابھی تو بہت سی باتیں کرنا تھیں ابھی تو نگاہوں کی پیاس ہی نہ بجھی تھی کہ وہ جانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے تھے یکدم اس کا دل ہر چیز سے اچاٹ ہو گیا تھا، اس دن اس نے کھانا رات کا نہ کھایا تھا نہ ہی منکوں پہ گجرے لپیٹے تھے۔

☆☆☆

اس نے اپنے ہاتھ سے مرجھائے ہوئے گجرے کو اتارا اور سرخ رنگ کے لکڑی کے بنے اس جیولری بکس میں احتیاط سے رکھ دیا جو عمر بھائی اس کے لئے مری سے تب لائے تھے جب وہ میٹرک میں تھی اس دن کے بعد سے وہ اپنی ہر چیز اور عمر بھائی کا دیا ہر تحفہ اس جیولری بکس میں سنبھال کر رکھنے لگی تھی، وہ اس گجرے کو شاید کبھی نہ اتارتی اگر اس کی کلیاں مرجھا کر گرنے نہ لگتیں اور یہ اسے کسی طور گوارا نہ تھا، جیولری بکس کو احتیاط سے بند کرنے کے بعد اس نے اسے الماری کے سب سے نیچے والی دراز میں رکھا اور چادر اوڑھ کر کالج جانے کے لئے تیار ہو کر باہر کچن کی جانب آ گئی، جہاں امی جان ناشتہ ٹیبل پہ سیٹ کیے اس کی منتظر تھیں۔

”جلدی سے ناشتہ دیں امی جان! آج تو لگتا ہے کافی لیٹ ہو جاؤں گی؟“

”دیر تو تم خود ہی کرتی ہو میں تو کب سے ناشتہ تیار کر کے تمہاری راہ دیکھ رہی تھی۔“ خدیجہ بیگم نے فوراً جتایا تھا اس نے ان سنی کی۔

”ابا کہاں ہیں؟“

''وہ تو آدھا گھنٹہ ہو گیا کب کے چلے بھی گئے۔'' انہوں نے اس کے سامنے چائے رکھی۔

''بتا رہے تھے کہ آج شاید حویلی بھی جائیں گے شاید کچھ کام ہے وہاں۔''

''کیسا کام؟'' ناشتہ کرتی آبرو کا ہاتھ ذرا ڈھیلا پڑا ابرو اچکاتے ماں سے پوچھا۔

''معلوم نہیں شاید بڑے ابا سے کوئی بات کرنی ہے انہیں۔'' ان کے لہجے میں سادگی و لاپروائی تھی جس کا مطلب تھا کہ وہ واقعی میں کچھ نہیں جانتی تھیں۔

''ابا مجھے بھی ساتھ لے جاتے، مجھے بھی کافی دن ہو گئے تھے وہاں گئے میں بھی انیلا چچی اور عمر بھائی سے مل آتی۔'' اس نے کہتے منہ بنایا اور باقی کا ناشتہ ادھورا چھوڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی اب بھوک ہی کہاں رہی تھی، امی جان کو سلام کرتے وہ جلدی سے باہر آئی اور تیز تیز قدم اٹھاتی روڈ پہ چلنے لگی، ابھی تھوڑی دور ہی گئی تھی کہ اسے اپنے پیچھے کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی تھی، وہ بے ساختہ پیچھے مڑی اور سن رہ گئی۔

''وہ......'' آج پھر اس کا پیچھا کر رہا تھا، آبرو کے چہرے کے زاویے بگڑے قریب تھا کہ وہ اسے سخت سست سناتی مگر کالج سے لیٹ ہونے کا خیال برقی کوندے کی مانند اس کے دماغ میں لپکا تھا اسی لئے وہ اسے کچھ بھی کہے بنا آگے بڑھی تھی پیچھے چلتے اس راہ گیر کے چہرے پر بڑی دل فریب سی مسکراہٹ رقصاں تھی۔

☆☆☆

حسب معمول شام کو سارا کام ختم کرنے کے بعد آبرو صحن میں بچھے تخت پر موتیے اور بیلے کی کلیاں چن کر گجرے پرونے بیٹھی تھی جبھی دروازے پر بیل ہوئی تھی ابا جو صحن میں تخت کے پاس بچھی کرسی پہ کسی کتاب کی ورق گردانی میں مصروف تھے جلدی سے دروازہ کھولنے اٹھ گئے تھے، آبرو نے شدت سے عمر بھائی کے آنے کی دعا مانگی مگر ابا اکیلے ہی واپس آئے تھے ان کے ہاتھ میں ایک پارسل تھا۔

''آبرو...... یہ تمہارے نام پارسل آیا ہے بیٹا۔'' ابا نے وہ پارسل الٹ پلٹ کر دیکھتے کہا تھا۔

''کس نے بھیجا ہے ابا جان؟'' وہ آواز کو حتی الامکان سرسری سا بناتے کن اکھیوں سے دیکھتے گجرے پرو رہی تھی۔

''نام تو نہیں لکھا، کھول کے دیکھ لو شاید اندر کوئی نام وغیرہ ہو؟''

''عمر بھائی نے میری سالگرہ کا تحفہ بھیجا ہوگا ابا جان۔'' وہ مسکرائی اور فائق علی کے ہاتھ سے پارسل تھام لیا۔

ایک ہی شہر میں رہنے کے باوجود کبھی کبھار عمر بھائی اسے پارسل بھی کر دیا کرتے تھے تحائف، وہ اپنے کمرے کی جانب تیزی سے بڑھتے جلدی سے پارسل کا ریپر اتار رہی تھی، ریپر اتارا اور دنگ رہ گئی پیکٹ کے اندر ایک جدید طرز کا بے حد خوبصورت موبائل فون تھا، ساتھ ایک چھوٹا سا ٹیڈی بیئر جس کے سینے پہ دھاگے سے کچھ لکھا تھا اور سب سے نیچے آبرو کا نام کندہ تھا، اس کا دل عجیب سی لے پر دھڑکا۔

''میری وفائیں میری زندگی کے نام۔''

آبرو نے ان حروف پہ انگلی پھیری۔

''یہ اقرار کا کون سا انداز تھا؟ محبت کی کون سی شکل تھی؟ وفا کا کیسا خمار آلود سا احساس تھا؟''

وہ حیرت و سرمستی کے سمندر میں ڈوب رہی تھی تو کیا عمر بھائی بھی اس کے لئے ویسے ہی جذبات رکھتے ہیں جیسے اس کے دل میں تھے ٹیڈی بیئر کے سینے پہ کندہ اس نے ان حروف پہ انگلی پھیرتے سوچا اچانک اس نے موبائل نکال کر دیکھا برانڈ نیو موبائل جو بلاشبہ کسی اچھی کمپنی کا تھا، اس نے ویسے ہی آن کیا فوری طور پر ایک وائس میسج آیا تھا۔

''ہیپی برتھ ڈے مائی لائف، آئی ایکسٹریملی لو یو ڈارلنگ۔'' جذبات سے بوجھل گمبھیر لہجہ، آبرو سے اپنی ٹانگوں پہ کھڑا رہنا دشوار ہو گیا یہ عمر بھائی کا انداز تو نہیں تھا، بے ساختہ دیوار کا سہارا لیا اسی وقت ایک ٹیکسٹ ریسو ہوا۔

''میری محبت کے نام، جو میرے جینے کا جواز بنی دعا ہے کہ اگلا برتھ ڈے ہم ایک ساتھ منائیں۔'' آبرو نے بے ساختہ سینڈر کا نام دیکھا اس نے فوراً کال بیک کی کال ریسیو نہیں کی گئی اس نے دوبارہ ڈائل کیا مگر کاٹ دی گئی تنگ آ کر اس نے میسج سینڈ کیا فون بک میں ایک ہی نمبر سیو تھا اور وہ یقیناً بھیجنے والے کا ہی ہو سکتا تھا۔

''کون ہو تم؟''

''تمہاری محبت و توجہ کا طلبگار، جو تمہاری ایک نظر دیکھنے کو سارا سارا دن دھوپ اور مٹی میں خوار ہوتا ہے۔'' بڑا تفصیلی جواب آیا تھا آبرو کا دل تو مانو پسلیاں توڑ کر باہر آ رہا تھا، ایک لمحہ لگا تھا آبرو کو ساری بات جاننے میں۔

''تمہیں ہمت کیسے ہوئی یہ سب بھیجنے کی نہ جان نہ پہچان۔''

''ہمت تو بہت ہے مگر تمہاری ناراضگی سے ڈر لگتا ہے۔'' آبرو کو اور بھی کوفت ہوئی۔

''آخر تم ہو کون؟'' اس مرتبہ فوری جواب نہیں آیا تھا تھوڑی دیر کے بعد میسج ٹون بجی تھی۔

میں تیرا منتظر ہوں مجھے مسکرا کے مل
کب تک تجھے تلاش کروں اب تو آ کے مل
یوں مل کہ پھر جدائی کا لمحہ نہ آ سکے
جو درمیان میں ہے سب کچھ مٹا کے مل
یہ کیا ہم ملیں اور ملاقات بھی نہ ہو وصی
سینے سے مت لگا مجھے دل سے لگا کے مل

''عباس کیانی۔'' آبرو کے لب ہولے سے لرزے۔

''تم ایک غلط رستے پہ چل نکلے ہو عباس کیانی، جس کا دروازہ ایک بند گلی کی طرف کھلتا ہے۔'' اس نے ٹھنڈی سانس بھری اور موبائل آف کر کے الماری میں رکھ دیا سوچا جب بھی راستے میں ملا تو واپس کر دے گی وہ عباس کیانی نامی لڑکے کو پچھلے دو ماہ سے نوٹ کر رہی تھی، وہ ہر روز کالج جاتے وقت صبح اس کے راستے میں کھڑا ہوتا کئی مرتبہ اس نے آبرو سے بات کرنے کی کوشش کی تھی مگر آبرو کا لاتعلق سا انداز دیکھ کر اس کی ہمت ہی نہ پڑتی تھی، آبرو جو یہ سوچ کر مطمئن ہو گئی تھی کہ وہ ایک سڑک چھاپ سا لڑکا ہے وہ نظر انداز کرے گی تو خود ہی اس کا پیچھا چھوڑ کر کسی اور لڑکی کی طرف متوجہ ہو جائے گا مگر ہر گزرے دن کے ساتھ اس کی دیوانگی میں کمی نہیں بلکہ اضافہ ہو رہا تھا اور آج وہ اس کے گھر تک پہنچ چکا تھا، آبرو کے وہم و گمان تک میں نہیں تھا کہ یوں وہ کبھی اس کے گھر تک گفٹ بھجوا سکتا ہے، جو اس کی سالگرہ کے دن اسے سر عام تحفہ بھجوا سکتا ہے وہ ان کے گھر بلا خوف و خطر خود بھی آ سکتا ہے، پہلی مرتبہ اس کے دل میں عباس کیانی کے نام کے حوالے سے خوف پیدا ہو رہا تھا۔

☆☆☆

شام سے رات ہو گئی تھی مگر عمر بھائی نہ خود آئے تھے نا ہی ان کا کوئی فون، ایسا کبھی نہیں ہوا تھا کہ اس کی سالگرہ ہو اور وہ اس میں شامل نہ ہوں ابا ہر سال ایک بڑے سے کیک پر اس کا نام لکھوا لاتے اور وہ چاروں مل کر کیک کاٹتے، اماں گھر پر ہی اچھا سا کھانا بنا لیتی اور یوں وہ ایک

چھوٹی سی دعوت کا اہتمام کر لیتے، آج بھی ابا کیک لائے تھے اماں نے اچھا سا کھانا بھی بنا رکھا تھا، مگر ہر سال کی طرح اس چھوٹی سی دعوت میں چوتھا اور اہم فرد شامل نہیں تھا۔

"آبرو!" وہ جو اپنے دھیان میں تھی فائق علی کی پکار پہ چونکی۔

"جی ابا جان!" وہ فوراً سیدھی ہوئی ابا مسکراتے جیسے جانتے ہوں کہ وہ کیا سوچ رہی ہے۔

"کیک کاٹو بیٹا! مجھے تو بہت زوروں کی بھوک لگی ہے۔" اس نے دیکھا خدیجہ بیگم دستر خوان پہ کھانا چن رہی تھیں۔

"وہ...... ابا عمر بھائی آ جاتے تو......؟" وہ ہکلائی۔

"ارے پگلی وہ نہیں آئے گا وہ تو کسی کام سے اسلام آباد گیا ہے۔" فائق علی اس کی لاعلمی پہ مسکرائے۔

"انہیں یاد نہیں تھا کہ میرا برتھ ڈے ہے؟"

"اس کا کام ضروری تھا۔" ابا نے اسے پچکارا۔

"میرے برتھ ڈے سے بھی زیادہ ضروری؟" وہ ضدی ہوئی۔

"آبرو! یوں کسی پہ مسلط نہیں ہوتے بیٹا، کہ اگلا بندہ بوجھ محسوس کرتے اتار کر پھینک دے عمر کو ضروری کام سے جانا تھا لو کیک کاٹو ہم ہیں ناں تمہارے درمیان آج ہمیں ہی مہمان خصوصی سمجھ لو، تحفہ تو اس نے تمہیں بھجوا ہی دیا ہے۔" اسے چھری پکڑاتے انہوں نے مسکراتے ہوئے سمجھایا تھا اور وہ تو مسکرا بھی نہ سکی۔

☆☆☆

وہ پرنسپل کے آفس میں کسی کام سے آئی تھی، اندر داخل ہوئی تو میڈم کسی سے محو گفتگو تھیں، میڈم نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور مہمان سے اپنی گفتگو جاری رکھی تھی، وہ ان کے پرائیویسی کو ڈسٹرب نہ کرے اس لئے اٹھ کر جانے لگی کہ میڈم نے روک دیا۔

"میڈم! میں بعد میں آ جاؤں گی۔" اس کے بولنے پر اجنبی نے ذرا سا رخ موڑ کر اسے دیکھنے کی کوشش کی تھی، کچھ اس طرح کہ آبرو اس کا صرف آدھا چہرہ ہی دیکھ پائی تھی، اسے یہ چہرہ کچھ شناسا سا لگا تھا۔

"نہیں بیٹا! آپ بات کریں یہ کچھ انتظار کر سکتے ہیں۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا تھا، ان کی پرنسپل پورے کالج کی پسندیدہ تھیں بے حد نرم خو اور مہربان سی، آبرو نے فائل ان کے سامنے رکھی۔

"یہ میم شکیلہ نے بھجوائی ہے انہیں آپ کے دستخط چاہیے اس پر۔" وہ میڈم شکیلہ کی میٹرنٹی لیو تھی۔

"انہوں نے اپنی غیر موجودگی میں ٹیچر کا انتظام کر دیا ہے کیا؟" فائل پہ دستخط کرتے انہوں نے مصروف سے انداز میں کہا تھا۔

"جی میڈم وہ کل سے جوائن کر لیں گی۔" میڈم عائشہ شبیر کے ہاتھوں سے فائل تھامتے اس نے جواب دیا تھا۔

"اوکے میڈم، تھینک یو۔" وہ کہتے پلٹ گئی۔

"اوکے ماں! میں بھی اب چلتا ہوں۔"

"اتنی جلدی، ابھی تو کہہ رہے تھے کہ بہت ضروری کام ہے اور بہت لمبی بات کرنی ہے۔" مسز عائشہ شبیر نے مسکراتے ہوئے بیٹے پر چوٹ کی۔

"ماں پلیز، اچھا یہ بتائیں کلیریکل آفس کدھر ہے؟"

"کیوں تمہیں کیا کام ہے؟" مسز عائشہ شبیر کو حیرت ہوئی گرلز کالج میں ان کے بیٹے کو کیا کام ہو سکتا تھا۔

"بعد میں بتاؤں گا۔" اتنا کہتے وہ ہوا کے جھونکے کی مانند پلٹ گیا تھا، وہ اسے ڈھونڈتا کلیریکل آفس تک آیا تو وہ فائل سینے سے لگائے دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑی نظر آئی، کلیریکل آفس ایریا ذرا کالج سے ہٹ کر بنا تھا اور یہاں مرد حضرات کی آمد و رفت پر کوئی پابندی نہیں تھی۔

"آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟" وہ اسے دیکھتے حیرت سے چلائی۔

"میں آپ کا پیچھا کر رہا تھا۔" عباس کیانی مسکرایا۔

"آپ جانتے ہیں کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں پرنسپل سے ابھی شکایت لگا دوں تو سیدھا اندر کروا دیں گی پھر سڑتے رہنا جیل میں اور لڑانا جیل کی سلاخوں سے عشق۔" اس نے غصے سے کہتے دانت کچکچائے۔

"چلیں اچھی بات ہے جو بات مجھے ان سے کرنے میں دشواری پیش آ رہی ہے وہ آپ کے ذریعے سے آسان ہو جائے گی۔" وہ سینے پہ ہاتھ باندھے وارفتگی سے اسے دیکھتے ہوئے اس کے غصے و ناپسندیدگی کو چٹکیوں میں اڑاتے ہوئے بولا آبرو کے کان کھڑے ہو گئے۔

"کیا مطلب؟" تیکھے چتون سے دیکھتا وہ مسکرا رہا تھا۔

"مطلب یہ کہ آپ کی پرنسپل صاحبہ آپ کی ہونے والی ساس ہیں۔" آبرو یوں اچھلی گویا بچھو نے ڈنک مار لیا ہو۔

"مطلب یہ کہ وہ میری والدہ ماجدہ ہیں اور آپ یقیناً میری ہونے والی بیوی ہیں اس حوالے سے وہ آپ کی ساس ہوئی ناں۔" وہ بڑے نرم لہجے میں اسے سمجھا رہا تھا۔

"دماغ خراب ہے آپ کا، کسی اچھے سے ڈاکٹر کو دکھائیں میں اور آپ جیسے لڑکے کی بیوی۔" وہ اس کی طرف انگلی کیے سر سے پیر تک اسے گھورتے ہوئے حقارت سے بولی مقصد اسے جلانا اور اپنی ناپسندیدگی واضح کرنا تھا۔

"میرے ساتھ یہ آپ فخر محسوس کریں گی آبرو، میری محبت آپ کو خود یہ ناز کرنا سکھا دے گی، مغرور بنا دے گی آپ کو، آپ ایک دفعہ محبت کی اس راہ گزر پر قدم تو رکھ کر دیکھیں۔" وہ اس کے سامنے کھڑا اس کی آنکھوں میں جھانکتے سچائی سے بولا تھا، آبرو نے پہلی مرتبہ اسے غور سے دیکھا، چھ فٹ سے نکلتا قد، کسرتی بدن، سینے پہ گھرے بال، جو شرٹ کے کھلے بٹنوں سے جھانک رہے تھے، خوبصورت چہرے پہ بولتی آنکھیں، آبرو کو پہلی مرتبہ احساس ہوا وہ کوئی سڑک چھاپ لڑکا نہیں تھا وہ اسے اس لمحے بہت خاص لگا تھا اور اس کی آنکھیں۔

"عباس کیانی تم ایک غلط راستے پہ چل نکلے ہو، میرا راستہ کوئی اور ہے۔" آبرو نے پہلی مرتبہ تسلی آمیز لہجہ اختیار کرتے اس کے قدم روکنے کی کوشش کی۔

"آپ کا ہر راستہ میری جانب آتا ہے آبرو، مجھے یقین ہے۔" وثوق بھرا جواب ترنت آیا تھا، آبرو نے اس کے لہجے کی سچائی اور بولتی آنکھوں سے نظریں چرائیں۔

"تمہاری آنکھیں......" آبرو نے کچھ کہتے لب بھینچے۔

"جانتا ہوں، ان میں صرف آپ کا عکس جھلکتا ہے۔" وہ اس کی طرف دیکھتے بولا تھا آبرو کو اس کی دیوانگی پہ حیرت ہوئی آبرو کو اچھا نہیں لگا

کہ وہ خوش فہمی میں رہے اس نے اسے پھر ایک بار سمجھانے کی کوشش کی۔

”دیکھو میری فیملی کو تم نہیں جانتے، انہیں اگر تمہاری اس دیوانگی کا پتہ چلا تو میں تو مروں گی ہی زندہ وہ تمہیں بھی نہیں رہنے دیں گے تم کیوں اپنی جان کے دشمن بنے ہوئے ہو۔“ وہ جھنجھلائی۔

”مجھے اپنی جان کی پرواہ نہیں ہے اسے میں نے آپ کی امانت سمجھا ہوا ہے اپنے پاس، آپ کی خاطر مروں گا تو یہی سمجھوں گا کہ آپ کی امانت لوٹا دی۔“ اس کے لہجے میں استقلال اور عزم تھا آبرو کو اپنے حوصلے پست ہوتے محسوس ہوئے۔

”چند دنوں تک میری والدہ آپ کے گھر آئیں گی آپ کا ہاتھ مانگنے، امید ہے انکار نہیں کریں گی۔“ وہ اس کے حواسوں پہ نیا بم گراتے ہوئے بولا آبرو کو سمجھ نہ آئی کہ اسے کیسے سمجھائے۔

”پلیز سمجھنے کی کوشش کرو عباس، ہماری فیملی میں غیر برادری سے رشتہ داری نہیں کی جاتی، کجا پسند کی شادی، بہتر یہی ہے کہ اپنے قدم روک لو ورنہ بعد میں پچھتاؤ گے اور ہاں……“ وہ چند قدم آگے چل کر مڑی۔

”تمہارا تحفہ رکھا ہے میرے پاس، کل آ کر اسے لے جانا میں اسے نہیں رکھوں گی۔“

”میں وہ واپس نہیں لوں گا آبرو، اسے آپ کو اپنے پاس رکھنا ہوگا مجھے یقین ہے آپ کو ایک نہ ایک دن اس کی ضرورت پڑے گی۔“

”مجھے اس کی ضرورت نہیں پڑے گی۔“ آبرو کے لہجے میں قطعیت تھی عباس کیانی مسکرایا۔

”یہ فیصلہ وقت کو کرنے دیجئے آبرو علی ابھی کچھ مت کہیں۔“ اس نے فوراً اسے ٹوکا تھا آبرو مزید کچھ کہے بغیر آگے بڑھ گئی تھی، پیچھے کھڑا عباس کیانی اس کی کمر پہ جھولتی لمبی چوٹی کو گھورتا رہ گیا جب تک وہ غائب نہ ہو گئی تھی۔

وہ کالج سے واپس لوٹی تو دیکھا عمر بھائی آئے بیٹھے تھے وہ حسب معمول انہیں دیکھ کر وارفتگی سے آگے بڑھی مگر ان کے اپنی سالگرہ پر شرکت نہ کرنے کے جرم نے اس کی بے تابی کو بریک لگا دیئے، وہ کسی بھی قسم کے تاثرات سے پاک چہرے کے ساتھ اندر آئی تھی۔

”السلام علیکم!“ اس نے عمر بھائی پہ طائرانہ نگاہ ڈالتے مشترکہ سلام کیا۔

”وعلیکم السلام! کیسی ہو آبرو؟“ سلام کا جواب دیتے عمر بھائی نے خوشدلی سے پوچھا تھا۔

”ٹھیک ہوں۔“ ہولے سے کہہ کر اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی عمر بھائی اس کا نروٹھا انداز دیکھ کر مسکرائے۔

وہ جانتے تھے کہ وہ ان سے شدید ناراض ہے اصل میں وہ کام میں اتنا بزی تھے کہ نہ تو اس کی سالگرہ میں شرکت کر سکے نہ ہی اسے کوئی فون کر سکے، اس کا تحفہ خریدا ضرور مگر وہ بھی کوریئر نہ ہو سکا ایک ساتھ کئی غلطیاں وہ کر چکے تھے جن کی معافی ناممکن اور ازالہ خاصا مشکل تھا مگر عمر بھائی کو اس بات کا اچھے سے احساس تھا تو تبھی اسلام آباد سے سیدھا انہی کے گھر آئے تھے۔

”مزاج خاصا برگشتہ ہے چچا جان۔“ اس کے جانے کے بعد عمر بھائی نے سر کھجاتے فائق علی سے کہا۔

”بچی ہے بچپن سے ہی تمہارے زیادہ قریب رہی ہے ناں اسی لئے تم پر اپنا زیادہ حق سمجھتی ہے۔“ فائق علی نے آبرو کی ناراضگی کی توجیہہ پیش کی۔

”یہ حق میں نے اسے خود دے رکھا ہے چچا جان، میرے لئے وہ ثانیہ یا اقراء سے کم نہیں ہے۔“ انہوں نے اپنی چھوٹی بہنوں کے نام لئے۔

”میں ذرا اسے منا لوں۔“ عمر بھائی کہتے وہاں سے اٹھے وہ جب اس کے کمرے کی جانب بڑھے تو وہ آدھا کھلا ہوا تھا آبرو کپڑے تبدیل کر چکی تھی اور اب یونیفارم کو ہینگ کر رہی تھی اس نے عمر بھائی کی آمد کا کوئی نوٹس نہیں لیا خود کو ہنوز کام میں مصروف ظاہر کیا، وہ مضبوط قدم رکھتے آگے بڑھے، ان کی چال انہیں بہت متوازن اور مضبوط شخصیت رکھنے والا ایک نفاست پسند آدمی ظاہر کرتی تھی آبرو نے ان کے شفاف جوتوں پہ نگاہ ڈالتے کئی بار کی سوچی بات دہرائی اس کا ہمیشہ یہ دعویٰ رہا تھا کہ وہ آدمی کے جوتے دیکھ کر اس کی شخصیت کے خفیہ پہلو شناخت کر سکتی ہے اور اس کی یہ بات سو فی صد تو نہیں مگر پچانوے سے اٹھانوے فی صدی ضرور سچی ہوتی تھی، عمر بھائی اکثر اس کے تجزیے سے متعلق استفسار کرتے جواباً وہ فرضی کالر کھڑے کرتے چھٹی حس کا اشارہ کرتی عمر بھائی کم از کم اس کے تجزیے و مشاہدے سے سو فی صد متفق تھے۔

”غور سے دیکھ لو میرے جوتے یہی بتائیں گے کہ میں بہت شرمندہ ہوں۔“ عمر بھائی نے اس کی چوری پکڑ لی تھی جبھی شرارت آمیز انداز میں اسے چھیڑتے کہا تھا۔

”میں آپ کے جوتے نہیں دیکھ رہی تھی۔“ وہ گیلی لکڑی کی مانند سلگی۔

”تو پھر؟“ عمر بھائی کا انداز ہنوز شرارتی تھا اب کی بار سوالیہ تھا۔

”عمر بھائی! میں بحث نہیں کرنا چاہتی۔“ وہ کھٹ کھٹ کرتی الماری میں یونیفارم لٹکاتے بولی انداز میں خفگی کا عنصر نمایاں تھا۔

”کیوں؟ تمہاری طبیعت خراب ہے کیا؟“ عمر بھائی کو اس کا دوٹوک اور تپا تپا سا انداز مزید شبہ دلا گیا وہ اسے مزید تپانے لگے۔

”میں بالکل ٹھیک ہوں آپ میری فکر میں دبلے مت ہوں میں آپ کی لگتی ہی کیا ہوں۔“ شکوہ نا چاہتے ہوئے بھی لبوں سے پھسل گیا تھا اور آنکھیں وہ الگ شرمندہ کرنے پہ تلی ہوئی تھیں آبرو کو ہمیشہ ان کے بے وقت برسنے سے چڑ ہوتی عمر بھائی کھل کے مسکرائے۔

”کیسے نہ کروں، تمہاری تو مجھے سب سے زیادہ فکر رہتی ہے۔“ ان کا لہجہ ٹھہرا ہوا اور محبت سے بھرپور تھا۔

”مت کیا کریں، میں خوامخواہ میں خوش فہم ہو جاتی ہوں۔“ وہ تڑپ اٹھی، عمر بھائی اس کے قریب آتے ہولے سے اس کے دونوں کندھوں پر اپنے ہاتھ رکھے روٹھا روٹھا رویا چہرہ اپنی اور موڑا۔

”کیا بہت ناراض ہو؟“ آبرو نے گلابی ڈوروں والی شکوہ کناں آنکھیں عمر بھائی کے چہرے پر ڈالیں جیسے پوچھ رہی ہو۔

”کیا نہیں ہونا چاہیے؟“ عمر بھائی نے اس کے آنسو اپنی پوروں پر چنے پھر انہیں چٹکی سے اڑا دیا۔

”آئی ایم سوری۔“ ہولے سے کہا۔

”بے شک لاکھوں کا نقصان ہو رہا تھا اور وہ نقصان کسی طور پر بھی کم تمہاری ناراضگی سے زیادہ اہم نہیں تھا مگر بابا یہاں آفس میں آنے والے جاپانی ڈیلیگیشن کو ریسیو کرنے کراچی جا رہے تھے اس لئے مجھے اسلام آباد کی کنسٹرکشن کمپنی سے ڈیل کے لئے جانا پڑا، مگر مجھے احساس تھا، میں

چاہتا تھا تمہیں میرا انتظار ہو گا مگر میں مجبور تھا۔"

"کیا تمہیں میرا یقین نہیں ہے؟" اچانک انہوں نے اس کی بے یقین آنکھوں کو دیکھا جہاں بے یقینی گلابی ڈوروں کو مات کیے دے رہی تھی۔

"کیا مجھے یقین کر لینا چاہیے۔" آبرو نے ان کی آنکھوں میں سچ کو کھوجتے ہوئے پوچھا۔

"چاہتا تو یہی ہوں۔" انہوں نے ٹھنڈی سانس بھری وہ اس وقت آبرو کی ذہنی کیفیت اور حساسیت کو دیکھتے بے حد دکھی سے ہو رہے تھے کیا تھا مگر وہ اس سے جانے سے پہلے مل لیتے یا ایک فون کر کے معذرت کر لیتے اس وقت وہ اس قدر بجھی تو نہ ہو رہی ہوتی۔

"ایک بات پوچھوں عمر بھائی؟" آبرو نے یکدم آنسو صاف کرتے پوچھا۔

"آپ کی زندگی میں، میں کس مقام پہ کھڑی ہوں؟" عمر بھائی پہلی بار چونکے یہ کیسا سوال تھا۔

"تم میری زندگی کا بہت اہم حصہ ہو ایک ایسے دوست کی مانند جس کے بغیر زندگی بے معنی لگے۔" عمر بھائی نے پوری دیانتداری سے دل کی بات من وعن دہرائی۔

"اور......؟" آبرو کے چہرے پہ ہی نہیں الفاظ و انداز میں بھی بے یقینی تھی۔

"اور...... یہ کہ میں تمہیں کبھی ناراض نہیں کر سکتا۔"

"اور......؟" بے یقینی ہنوز عروج پر تھی۔

"اور یہ کہ میں تمہیں ہمیشہ اپنا دوست رکھنا چاہوں گا۔" انہوں نے جیسے ہتھیار پھینک دیئے تھے۔

"اور......؟" آبرو کی تسلی نہیں ہو رہی تھی شاید کچھ اور سننے کی چاہ تھی۔

"یار کتنا اور اور کراؤ گی مجھے بہت بھوک لگی ہے اسلام آباد سے سیدھا یہیں پہ آیا ہوں اور جہاز میں بھی کچھ نہیں کھایا، چلو پہلے کھانا کھاتے ہیں اس کے بعد ہم تمہارا گفٹ کھولیں گے۔"

آبرو ہلکی پھلکی ہو گئی ساری ناراضگی بھلائے وہ کھانا گرم کرنے آگے بڑھ گئی تھی مگر عمر بھائی فوراً اس کے پیچھے اپنے قدم نہیں بڑھا پائے تھے پہلی بار انہیں آبرو کا جانچتا ہوا سوالیہ انداز ٹھٹکا تھا وہ چونک اٹھے تھے وہ چونک گئے تھے۔

☆☆☆

شام کا وقت تھا وہ پودوں کو پانی لگا رہی تھی موتیے اور بیلے کی تازہ کلیاں ٹوکری میں چن کر وہ باہر تخت پر رکھ آئی تھی وہ ابھی ابھی نہا کر نکلی تھی اس کے لمبے بال کمر پہ جھول رہے تھے ہلکی ہلکی ہوا چل رہی تھی جس سے فضا میں موجود حبس میں کچھ کمی محسوس ہو رہی تھی، وگرنہ تو دن طویل اور گرم تھے شام کو سورج کی تپش تو کم ہوتی مگر حبس فضا کو بوجھل سا کر دیتا لیکن آج موسم قدرے خوشگوار سا تھا اس کے چھوٹے سے لان میں لگے قسم قسم کے پھولوں کی خوشبو پورے گھر میں چکراتی پھر رہی تھی، عجیب مسحور کن سا احساس سارے گھر کی فضا کو معطر کیے ہوئے تھا، پودوں کو پانی دے کر اس نے سرخ اینٹوں والے فرش کو خوب خوب گیلا کیا تھا کہ وہ ٹھنڈا ہو جائے اور رات پر سکون کٹ سکے اس کے بعد تازہ مٹکے بھرے اور ان کے اوپر لپیٹنے کے لئے گجرے پرونے لگی۔

وہ اپنے کام میں اس قدر منہمک تھی کہ دروازے پہ ہونے والی دستک ہی نہ سن سکی تھی فائق علی اس وقت سٹور پر ہوتے تھے ریٹائرمنٹ کے بعد انہوں نے محلے میں ہی ایک بڑا سا جنرل سٹور کھول لیا تھا، دو تین ملازم ہونے کے باوجود فائق علی خود نگرانی کیا کرتے پنشن کی رقم اور جنرل سٹور کی اچھی آمدنی سے گھر میں خوشحالی رقص کرتی

تھی اور وہ لوگ تو صرف تین افراد تھے اس کی ں حد سے زیادہ سمجھدار و کفایت شعار تھیں، وہ گ اگر چاہتے تو کسی بھی پوش ایریا میں گھر خرید سکتے تھے مگر فائق علی کو تو گویا اس محلے سے عشق ں، وہ کئی سالوں سے یہاں رہ رہے تھے اس لئے ئق علی اس محلے اور یہاں کے مکینوں سے زیادہ ئیت محسوس کرتے تھے مگر آبرو یہاں کبھی بھی وش نہیں رہی تھی اسے بڑے ابا کی حویلی اور اس یں رہنے والے مکینوں کا رہن سہن و طرز زندگی احساس کمتری میں مبتلا کر دیتا تاہم ابا کی اس گھر سے محبت و وارفتگی دیکھ کر اس نے کبھی بھی اپنی اس واہش کا اظہار نہیں کیا تھا۔

"آبرو! کہاں گم ہو کب سے دروازہ بج رہا ہے اٹھ کر دیکھ ہی لیتیں۔" خدیجہ بیگم اندر سے ن کر نکلیں تھیں مگر اپنے دھیان میں گجرے روتی آبرو کو سنائی نہیں دیا تھا۔

"السلام علیکم!" خدیجہ بیگم نے جوں ہی روازہ کھولا ان کے سامنے خوبصورت طرح دار ی خاتون کھڑی تھیں جنہوں نے فوراً سلام داغا تھا۔

"جی وعلیکم السلام! معاف کیجئے میں نے پہچانا نہیں آپ کو۔" خدیجہ بیگم اپنی یادداشت کھنگالنے کے بعد بولی تھیں ان خاتون کے ساتھ مرد بھی تھے جو گاڑی لاک کرنے کے بعد ان کے ب آ کھڑا ہوا اس آدمی نے بھی خدیجہ بیگم کو م کیا تھا۔

"میرا نام مسز عائشہ شبیر کیانی ہے اور یہ میرے شوہر شبیر احمد کیانی ہیں اور میں آبرو کے کالج کی پرنسپل ہوں۔" انہوں نے اپنا تعارف کروایا خدیجہ بیگم مزید الجھ گئیں۔

"اندر آئیے، تشریف لائیے۔" وہ خوشدلی سے بولیں تاہم وہ ان کی اپنے گھر آمد سے متعلق سمجھ نہیں پائی تھیں۔

"میڈم آپ یہاں؟" جیسے ہی وہ لوگ صحن میں پہنچے آبرو تخت پر بیٹھی گجرے پرو رہی تھی ایک گجرہ اپنی کلائی میں سجائے وہ اپنے کام میں منہمک تھی انہیں دیکھ کر حیران سی اٹھ کھڑی ہوئی اس کی گود میں رکھی موتیے کی کلیاں گود سے گر کر زمین بوس ہو گئیں عائشہ شبیر اسے دیکھ کر مسکراتے ہوئے آگے بڑھیں اور اسے خود سے لپٹا لیا مگر وہ تو مسکرا بھی نہ سکی۔

"عباس کیانی نے سچ کہا تھا وہ حسب وعدہ اپنے والدین کو اس کے گھر بھیج چکا تھا۔" خالی ہوتے ذہن اور کانپتی ٹانگوں سمیت بمشکل وہ شبیر احمد کیانی سے سر پہ پیار لے سکی تھی۔

"آیئے اندر ڈرائنگ روم میں چلتے ہیں۔" خدیجہ بیگم نے وضع داری نبھائی۔

"ارے نہیں نہیں ہمیں بھی گھر کے لوگ ہی سمجھیئے یہاں صحن میں ہی بیٹھتے ہیں کتنی مسحور کن خوشبو ہے ان پھولوں کی۔" وہ سانس کے ذریعے پھولوں کی خوشبو اپنے اندر سموتے خوشدلی اور اپنائیت سے گویا ہوئی تھیں۔

"یہ ساری محنت ہماری آبرو کرتی ہے اسے تو پھول پودوں سے عشق ہے کالج سے آنے کے بعد شام کا سارا وقت یہ ان کے ساتھ بتاتی ہے۔" خدیجہ بیگم نے ممتا سے چور لہجے میں مسز عائشہ شبیر کیانی کو بتایا، وہ پورے گھر پہ ایک طائرانہ سی نگاہ ڈال کر مسکرا دیں چار کمروں پہ مشتمل اس گھر میں بہت سے پھول پودے اور درخت لگے تھے آدھا گھر پرانی طرز کا جبکہ آدھا جدید طرز کا بنا تھا، کمروں کے آگے جدید طرز کا برآمدہ جس کے اطراف دو دو گملے رکھے تھے اور ان میں خوشنما و خوش رنگ پھول کھلے تھے بائیں ہاتھ کچن تھا چار کمرے ایک سیدھ میں بنے تھے یعنی ایک ہی

قطار میں سب کے دروازے برآمدے میں کھل رہے تھے کچن کے ساتھ باہر صحن کی طرف کھڑکی کھلتی تھی کچن کی کھڑکی کے ساتھ مٹکے رکھنے والی گھڑونچی رکھی تھی جس پہ تازہ دھلے دھلائے مٹکے رکھے تھے آبرو نے پروئے ہوئے گجرے ان کے گرد لپیٹ دیئے تو وہ اور مسحور کن اور دیدہ زیب نظر آنے لگے۔

"بیٹا مجھے پانی پلاؤ گی؟" انہوں نے اسے سلیقے سے گجرے لپیٹتے دیکھ کر کہا تھا۔

"جی ابھی لائی۔" وہ کہہ کر پلٹ گئی اور فریج سے ٹھنڈے پانی کا گلاس بھر لائی۔

"مجھے مٹکے کا خوشبودار پانی پینا ہے۔" موتیے اور بیلے کی کلیوں کی خوشبو مٹکے پہ لپیٹنے سے پانی سے بھی آنے لگتی ہے اسی لئے میڈم عائشہ شبیر نے فرمائش کی وہ تازہ گلاس بھر لائی عائشہ شبیر نے گلاس ایک ہی سانس میں پورا ختم کیا اور گلاس اسے پکڑا دیا۔

"بچپن میں، میں بھی یونہی مٹکوں پہ گجرے لپیٹا کرتی تھی ہمارے والد صاحب بہت سلیقہ پسند تھے خوشبو سے انہیں عشق تھا ان ہی کی خاطر میں پھول پودے لگایا کرتی تھی ہمارے گھر ہر طرف پھول ہی پھول ہوا کرتے تھے ہر روز شام کو جب ابا جی صحن میں بچھے تخت پر بیٹھ کر حقہ پیتے تو انہیں جب جب پانی کی طلب ہوتی میں موتیے کی کلیوں سے دھلے مٹکوں سے پانی ڈال لاتی آج تمہیں ویسا ہی کرتے دیکھ کر مجھے اپنا ماضی یاد آ گیا۔" وہ پیار بھری نظروں سے آبرو کو دیکھتے کہہ رہی تھیں، اتنے میں فائق علی آ گئے انہیں خدیجہ بیگم نے فون کر کے بلایا تھا، ان کے ہاتھ میں دو بڑے سائز کے شاپر تھے جو کھانے پینے کی اشیاء سے بھرے تھے، آبرو فوراً دھک دھک کرتے دل کو سنبھالتی کچن میں چلی آئی سلیب پہ لا کر شاپر رکھے فائق علی ان سے خوشدلی سے ملے تھے وہ ان لوگوں کو ٹھنڈی ٹھار کولڈ ڈرنک سرو کرنے آئی تو وہ سب گرمجوشی سے خوش گپیوں میں مصروف تھے، وہ واپس چلی آئی۔

"بھائی صاحب! آج ہم ایک خاص مقصد کے تحت یہاں آئے ہیں۔" کولڈ ڈرنک کا خالی گلاس میز پہ رکھتے پروفیسر شبیر احمد کیانی نے بات کا آغاز کیا تھا۔

"حکم کیجئے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

"میرے دو بیٹے اور ایک بیٹی ہے، کی شادی ہو چکی ہے اور وہ دونوں امریکہ میں اپنی اپنی فیملیز کے ساتھ خوشگوار زندگی بسر کر رہے ہیں ہمارا ایک چھوٹا بیٹا ہے ہمارے پاس ہے عباس کیانی، اسے سی اے کر کے ملٹی نیشنل فرم اچھی ملازمت کرتا ہے، ماشاءاللہ سے بہت سمجھدار اور وضع دار اور شریف لڑکا ہے۔" انہوں نے ذرا سا توقف کیا کچن کی کھڑکی سے لگی آبرو نے بے ساختہ دل پہ ہاتھ رکھا جس کی دھڑکنیں بے ہنگم ہو رہی تھیں۔

"ہمیں آپ کی بیٹی کا ہاتھ چاہیے، آپ ہر طرح سے تسلی کر لیجئے ہمیں یقین ہے آپ کو مایوسی نہیں ہوگی۔" پروفیسر شبیر احمد کیانی نے اپنا مدعا بیان کیا چند لمحے کو خاموشی نے فضا کو بوجھل سا کر دیا۔

"بھائی صاحب! آبرو میرے کالج کی بہت سلجھی ہوئی اور ہونہار اسٹوڈنٹ ہے اس لئے میرا اور اس کا آمنا سامنا ہوتا رہتا ہے اور جتنا میں اسے جان پائی ہوں یہ ایک بڑی ہی پیاری اور سلجھی ہوئی محنت کرنے والی لڑکی ہے اور سچ پوچھیں تو مجھے اپنے بیٹے کے لئے کسی ایسی ہی لڑکی کی تلاش تھی اور آبرو کے علاوہ میری نظروں میں کوئی جچی بھی نہیں اور میرا وعدہ ہے آپ سے میں اسے ہمیشہ اپنی بیٹی بنا کر رکھوں گی۔" مسز عائشہ شبیر نے کہا تھا۔

"ہمارے لئے یقیناً یہ اعزاز کی بات ہے مگر میں معذرت خواہ ہوں پروفیسر صاحب۔" فائق علی نے توقف کیا اس دوران آبرو نے لوازمات سے سجی ٹرے میز پر رکھی اور پلٹ کر اندر چلی گئی۔

"ہمارے خاندان میں غیر برادری میں رشتہ نہیں دیا جاتا، ہمارے بر اپنی ہی برادری میں ڈھونڈ کر جوڑے جاتے ہیں اور اگر کسی کا صحیح اور مناسب جوڑ نہ ہو وہ عمر بھر والدین کی دہلیز پہ بوڑھی تو ہو سکتی ہیں مگر باہر انہیں بھی نہیں بیاہا جا سکتا، معذرت خواہ ہوں میں بہت مجبور ہوں۔" فائق علی نے بڑے سبھاؤ سے ساری صورتحال واضح کرتے انکار کیا تھا، کھڑکی سے لگی آبرو کے دل کو یک گونہ سکون ملا، عباس کیانی نے بڑے سبھاؤ سے رشتہ ڈالا تھا اسے بدنام نہیں کیا تھا آبرو کے دل میں اس کے لئے مزید عزت بڑھ گئی۔

"ابھی کچھ مت فیصلہ کیجئے بھائی صاحب ابھی آرام سے سوچ لیں ہمیں کوئی جلدی نہیں ہے آپ تسلی و اطمینان سے ہمارے متعلق معلومات لیں اور غیر برادری میں رشتہ داری کرنے کا کیا ہے ہمارا اپنا خاندان بھی انہی پرانی روایات کی چکی میں پستا رہا ہے مگر ان بے جوڑ شادیوں اور کزن میرج سے ہونے والی اسی لئے جنریشن معذور اور لاغر بچوں کی پیدائش کے ہمیں کچھ نہیں ملا سب اچھے اور خاندانی لوگوں سے رشتہ ناطہ جوڑ رہے ہیں، آپ اپنے بڑوں سے بات کر کے دیکھیں ہماری پہلی اور آخری ترجیح آپ لوگ ہیں اور ہم اس وقت تک آپ لوگوں کا انتظار کریں گے جب تک آپ ہاں نہیں کہیں گے، بہن جی آپ کو ہماری سفارش کرنی ہو گی۔" پروفیسر صاحب نے مسکراتے ہوئے خدیجہ بیگم کو گفتگو میں شامل کرنے کی غرض سے مخاطب کیا۔

"جی ضرور۔" وہ فقط اتنا ہی کہہ پائیں۔

جانے سے پہلے مسز عائشہ شبیر احمد کیانی آبرو سے ملنے اس کے کمرے میں آئی تھیں انہیں دیکھ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں جانتی ہوں یہ معاملہ یک طرفہ ہے تمہاری حیا اور روایات کی پاسداری سے بھی واقف ہوں مگر پھر بھی اپنے بیٹے کی خاطر میری التجا ہے آبرو اس جیسے محبت کرنے والے انسان کو انکار کر کے ٹوٹنے مت دینا اسے اپنا لینا، محبت تم پر رشک کرے گی۔" آبرو نے دیکھا ان کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں، خود آبرو کی آنکھوں میں بے بسی لبالب بھری تھی۔

☆☆☆

دوسرے ہی روز حسب توقع وہ اس کا راستہ روکے کھڑا تھا۔

"آپ لوگوں نے انکار کیوں کیا آبرو؟" وہ سراپا سوال بنا آبرو کے لئے آزمائش بن کے کھڑا تھا۔

"میں نے تمہیں روکا تھا ناں۔" آبرو نے اسے یاد دلایا مگر وہ تو محبت کی آگ میں جل رہا تھا جہاں نصیحت اثر نہیں کرتی جہاں انسان اپنی سدھ بدھ کھوتے راکھ ہونے کو تیار ہوتا ہے۔

"تم جانتے تھے کہ میرا راستہ اور ہے پھر کیوں خود کو تباہ کرنے پہ تلے ہوئے ہو۔" آبرو نے اس کی دیوانی کیفیت سے نظریں چراتے اسے سمجھانے کی ایک آخری کوشش کی۔

"اور میں نے بھی تو یہ کہا تھا کہ آپ کا ہر راستہ میری جانب آتا ہے۔" اس نے بھی ترنت یاد دلایا، آبرو ہولے سے مسکرائی اس کے لہجے کا

عزم اس کا قطعیت بھرا لہجہ قابل رشک تھا۔

"عباس کیانی لوٹ جاؤ۔" عباس کیانی کے ہونٹوں کو مسکراہٹ نے چھوا۔

"لوٹتے تو بزدل ہیں اور میری محبت اتنی کمزور نہیں ہے کہ مجھے راستہ بدلنے پہ مجبور کر دے میری محبت آپ کو میری جانب آنے پہ مجبور کر دے گی اتنا یقین ہے مجھے۔"

"اتنا یقین ہے خود پہ؟" آبرو کو اس کا پُر یقین لہجہ ذرا بھر متاثر نہ کر پایا۔

"اپنی محبت پہ۔" عباس کیانی نے مسکراتے تصحیح کی۔

"میں اس وقت تک نہیں ہاروں گا آبرو، جب تک میری سانسوں نے دم نہ توڑا اور محبت پہ میرا ایمان ہے جو مجھے یہ یقین تھما چکا ہے کہ جیت ہی میرا مقدر بنے گی۔"

"اگر ایسا ہی یقین کوئی اور بھی اپنی محبت پہ رکھتا ہو تو پھر؟" آبرو نے اسے جانچا۔

"تو میں محبوب کی خاطر اپنی محبت کو چھوڑ دوں گا بشرطیکہ اسے محبت ہو تو، مگر میں جانتا ہوں میرا محبوب بہت پاکیزہ اور ان چھوئے خیالات رکھنے والا ہے۔" اور اس کے اس قدر یقین پہ آبرو کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں کس قدر پر یقین تھا وہ۔

"تم دیوانے ہو چکے ہو عباس کیانی۔" آبرو کو اور کوئی بات نہ سوجھی تھی۔

"صرف آپ کے پیار میں۔" اس کے پاس تو جیسے ہر سوال کا جواب تھا۔

☆☆☆

خدیجہ بیگم کی زبانی ہی آبرو کو معلوم ہوا تھا کہ فائق علی حویلی بڑے ابا اور اپنے بہن بھائیوں سے بات کرنے گئے تھے حسب توقع انہوں نے انکار کر دیا تھا لیکن فائق علی کی خواہش کے مطابق کوئی بھی آبرو کو اپنی بہو بنانے پہ راضی نہیں تھا، بڑے ابا نے فائق علی کو خوب سخت سست سنائی تھیں، آبرو نے سنا تو آزردہ سی ہو گئی۔

"بڑے ابا کبھی بھی اپنی اولاد میں انصاف نہیں کر پائے۔" آبرو نے تھکی تھکی سی سانس لی۔

"میں کیا کہہ سکتی ہوں آبرو میں تو ہمیشہ کے لئے تمہارے ابا اور ان کے خاندان کی مجرم بن گئی ہوں۔" خدیجہ بیگم آبرو کو دکھی دیکھ کر خود بھی رنجیدہ ہو گئی۔

"کبھی کبھار میرا جی چاہتا ہے کہ میں بڑے ابا کو زہر دے دوں۔" آبرو نفرت آمیز لہجے میں بولی تو خدیجہ بیگم نے ٹوک دیا۔

"ایسا مت کہو، آخر کو وہ ہمارے بڑے ہیں اللہ ان کی عمر دراز کرے۔" وہ برے برے منہ بناتی باہر بنے لان میں چلی آئی، جہاں عمر بھائی بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے، عمر بھائی اسے دیکھ کر مسکرا دیئے وہ ان کے قریب چلی آئی۔

"کیا میں بہت اچھی لگ رہی ہوں عمر بھائی؟" وہ ان کے یوں محو ہو کے دیکھنے پر شرارت سے بولی عمر بھائی چونکے وہ واقعی اس وقت بہت اچھی لگ رہی تھی ایسا لگ رہا تھا گویا بہار کے ساتوں رنگ اس کے وجود میں آن بسے ہوں۔

"ہاں گلابی رنگ تم پہ بہت جچ رہا ہے۔" انہوں نے اعتراف کیا۔

"اوں تو یہ کون سی بڑی بات ہے۔" اس نے برا سا منہ بنایا، عمر بھائی اس کا روٹھا سا چہرہ دیکھ کر دل کھول کر ہنسے۔

"میں جانتی ہوں کہ میں کیسی ہوں آپ بتائیں کیا مسئلہ ہے؟"

"کوئی مسئلہ نہیں ہے یار، بس بڑے ابا کی وجہ سے پریشان ہوں انہوں نے ہم دونوں

دوستوں کی زندگی مشکل بنانے کی جو ٹھان لی ہے۔" وہ پھیکے سے انداز میں ہنسے۔

"آپ تو بڑے ابا کے چہیتے پوتے ہیں عمر بھائی آپ کو تو انہوں نے کبھی انکار نہیں کیا قابل نفرت تو ہم لوگ ہیں جنہیں حویلی کے مکینوں سے سوائے نفرت اور بے اعتنائی و بے بسی کے کبھی کچھ نہیں ملا۔" آبرو کے انداز میں نفرت اور آنکھوں میں شعلوں کی لپک تھی۔

"ایسا تو مت کہو یار، میں تو تم سے بہت محبت کرتا ہوں مجھے تو باقی سب سے نہ ملایا کرو۔" عمر بھائی تڑپ کر اس کی طرف مڑے تھے، وہ مسکرائی۔

"تو پھر بتایئے کیا مسئلہ ہے؟" دفعتاً اس نے ایک ادا سے پوچھا تھا۔

"میں اپنی کولیگ میں انٹرسٹڈ ہوں کنول نام ہے اس کا جب بڑے ابا سے رشتہ ڈالنے کی بات کی تو انہوں نے انکار کر دیا ان کے نزدیک وہ میرا رشتہ ناعمہ سے کر چکے ہیں۔" آبرو کو لگا کسی نے پگھلا ہوا سیسہ آبرو کے پورے وجود پہ ڈال دیا ہو وہ بھل بھل جلنے لگی تھی حالانکہ عمر بھائی نے آبرو سے جھوٹ بولا تھا تو انہوں نے اپنی کولیگ کا نہیں آبرو کا نام لیا تھا مگر بڑے ابا نے واضح طور پر انکار کر دیا تھا، مگر وہ یہ سب بتا کر فائق علی اور آبرو کو دکھی نہیں کرنا چاہتے تھے۔

"آپ ایسا سوچ بھی کیسے سکتے ہیں عمر بھائی آپ جانتے ہیں کہ میں آپ کو پسند کرتی ہوں؟" گلابی ڈوروں میں تیرتے آنسو بھیگی پلکیں، لرزتے لب، عمر بھائی کو اس لمحے احساس ہوا آبرو کتنی بڑی ہو چکی ہے عمر بھائی کو بہت مشکل امر لگ رہا تھا اسے سمجھانا۔

"آبرو، دیکھو میری توجہ و محبت کو غلط رنگ تم نے دیا اس میں میرا کیا قصور، تمہاری اور میری عمروں میں بہت فرق ہے میرے لئے تمہیں وہ مقام دینا بہت مشکل ہے جو میں کنول کو دے چکا ہوں، پلیز تم سمجھنے کی کوشش تو کرو۔"

"لیکن کیوں عمر بھائی، آپ اس کی جگہ اور مقام مجھے کیوں نہیں دے سکتے کیا ہے اس میں جو مجھ میں نہیں کہ آپ یوں میرا دل توڑنے کے درپے ہیں۔" وہ سسکی۔

"کیونکہ وہ اس قابل نہیں۔" آبرو کا انداز تیکھا تھا اس نے اپنے کمان سے چتون اچکاتے ان کی اور دیکھا تھا عمر بھائی کو لگا بس یہی وہ وقت ہے کہ جب وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے آبرو کو اپنا خیال دل سے نکالنے پر مجبور کر سکتے ہیں، انہوں نے تھک کر ایک گہری سانس فضا کے سپرد کی۔

"ہاں مجھے نہیں لگتا کم از کم اس قابل ہو کہ تمہیں چاہا جائے۔" کرب و بے بسی سے آنکھیں موندتے انہوں نے جیسے پل صراط سے گزرتے کہا تھا آبرو نے چونک کر انہیں دیکھا تھا۔

☆☆☆

صبح حسب معمول وہ اپنے وقت پہ اٹھی تھی نہ تو وہ ساری رات جاگی تھی نہ ہی جاگ کر روتے ہوئے رب سے شکوہ کناں ہو کر گزاری تھی، عمر بھائی رات سے ادھر ہی تھے گھر والوں سے ناراض ہو کر یہاں پڑے تھے آبرو نے معمول کے مطابق انہیں صبح اخبار لا کر پڑھنے کو دیا تھا، خدیجہ بیگم ناشتہ بنا رہی تھیں اس نے خاموشی سے آ کر چن دیا، عمر بھائی نے دو ایک مرتبہ اسے مخاطب کیا تو مختصر سا جواب دے کر کل کے واقعے سے متعلق اسے کچھ برا لگا ہے جیسا تاثر بھی زائل کر دیا کھانا کھانے اور برتن سمیٹنے کے بعد وہ کھڑکی کے پاس بیٹھے باپ کے پاس آئی تھی۔

"عباس کیانی کے گھر والوں کو ہاں کا پیغام

پہنچا دیجئے ابا جان، میں یہ شادی کرنے کے لئے تیار ہوں۔'' کنکریٹ کا ہزاروں ٹن بھاری ملبہ آبرو نے جیسے سامعین کے سر پہ انڈیلا تھا سب حق دق تھے۔

''آبرو تم جانتی ہو تم کیا کہہ رہی ہو بڑے ابا نے انکار کر دیا ہے۔'' سب سے پہلے عمر بھائی نے ہی خود کو ہوش میں لاتے اس ملبے سے نکالا تھا بھی سرزنش کیے بغیر رہ نہیں پائے تھے۔

''آپ بیچ میں مت بولیں عمر بھائی یہ ہمارے گھر کا معاملہ ہے۔'' اس نے فوری دوٹوک انداز میں انہیں ٹوکا تھا۔

''آبرو یہ کیا بدتمیزی ہے ہوش میں آؤ بھائی سے اس انداز میں بات کرتے ہیں کیا؟'' خدیجہ بیگم کو سمجھ نہیں آئی آبرو کو آخر ہوا کیا ہے اپنی پسند کی چیز کی اپنے باپ سے فرمائش نہ کرنے والی آبرو آج باپ کے سامنے تن کر کھڑی اپنے رشتے کی بات کر رہی تھی کہیں کچھ غلط ہوا تھا۔

''ابا جان! بڑے ابا اور آپ کے بہن بھائیوں نے آپ کی اس خطا کو کبھی نہیں معاف کیا نہ ہی کبھی مجھے قبول کیا ہے وہ لوگ کبھی بھی مجھے اپنی بہو نہیں بنائیں گے، آج عباس کیانی میری چاہ کر رہا ہے کل کوئی بھی نہیں کرے گا آپ کب تک اپنوں کا بھرم خود رکھیں گے اور ویسے بھی میں ان فرسودہ روایات کی پیروی کرتے اپنی زندگی نہیں تباہ کر سکتی، آپ کے بعد کوئی تو ہو جو میرا آسرا بن کر مجھے سہارا دے اور آپ کی فیملی میں مجھے کسی پر ایسی امید رکھنا عبث محسوس ہوتا ہے آج آپ کو میری باتیں یقیناً ناگوار محسوس ہو رہی ہیں مگر کل کو آپ کو میرا فیصلہ صحیح معلوم ہوگا، اپنی آنکھوں سے محبت کی پٹی اتار کر دیکھئے ابا آپ کے اپنوں کے چہرے کتنے مکروہ ہیں۔'' اتنا کہہ کے وہ کمرے سے چلی گئی تھی، فائق علی بے حد حیرت سے اپنی بیٹی کی کچھ دیر پہلے کہی جانے والی باتوں کی بازگشت فضا میں سن رہے تھے وہ روکنا چاہتے تھے اسے، اس کے منہ پہ تھپڑ مار کر اس کی زبان بند کر دینا چاہتے تھے مگر جو تلخ اور سفاک سچ وہ بول رہی تھی اس کے بعد ان کی ہمت ہی نہ پڑی تھی کہ اس سے کوئی بات کرتے وہ سن سے اپنی جگہ کھڑے رہ گئے تھے، عمر بھائی آبرو کو سمجھانے اس کے کمرے تک آئے تھے وہ اسے اس کے اس انتہائی فیصلے سے روکنا چاہتے تھے اسے بتانا چاہتے تھے کہ کل وہ صرف اسے اپنا خیال دل سے نکالنے کے لئے وہ سب کہہ رہے تھے اس میں ایک فیصد بھی سچائی نہیں تھا مگر آبرو اب سننے اور سمجھنے کی حد سے بہت دور نکل گئی تھی یہ انہیں اس وقت اندازہ ہوا جب بہت دیر دروازہ پیٹنے پر بھی اس نے دروازہ نہیں کھولا تھا۔

☆☆☆

اس نے الماری میں سے وہ پیکٹ نکالا جو ڈیڑھ دو ماہ پہلے بے کار سمجھ کر الماری کے ایک کونے میں رکھ چھوڑا تھا اور جس کے متعلق اس نے ان ڈیڑھ ماہ میں ایک دفعہ بھی نہ سوچا کہ کبھی اس کی ضرورت بھی پڑ سکتی ہے اس کے لئے وہ لمحہ بے حد اذیت بھرا تھا جب اس نے پیکٹ نکالا تھا اس نے درد کی اذیت لو سے بچنے کو لب کچلے اس نے پیکٹ نکال کر الماری بند کی اور بیڈ پہ آ بیٹھی، موبائل نکال کر آن کیا فون بک سرچ کی تو اس میں ایک ہی نمبر درج تھا اس نے وہی نمبر ڈائل کیا، خلاف توقع پہلی بیل پہ ہی کال ریسو کر لی گئی تھی۔

''عباس کیانی۔'' اس نے کال اٹینڈ ہو جانے پہ ہولے سے پوچھا تھا۔

''کتنا انتظار کروایا آپ نے آبرو۔'' عباس کیانی کا لہجہ جذبوں کی شدت سے پگھل رہا تھا۔

''بس اتنی جلدی تھک گئے؟'' آبرو کا انداز سرد اور جانچتا ہوا تھا۔

''انتظار تو میں ساری زندگی کر سکتا ہوں آبرو مجھے کامل یقین تھا کہ آپ مجھے ایک نہ ایک دن ضرور پکاریں گی آپ کو پتہ ہے میں نے ایک خاص بیل سیٹ کر رکھی تھی اس نمبر پر تاکہ آپ جس وقت مجھے کال کریں میں فورا ریسیو کر لوں کہیں میرا انتظار آپ کا ارادہ نہ بدل دے؟'' آبرو کی آنکھ سے ایک موتی ٹوٹ کے گرا بھی جب بولی تو اس کا لہجہ کسی گلیشئر کی مانند سخت سرد اور برفیلا تھا۔

''بارات کب لے کر آؤ گے عباس کیانی؟'' عباس کیانی پہ تو گویا شادی مرگ والی کیفیت تھی، ہمہ وقت پر امید پر یقین رہنے والا اس وقت یقین کرنے میں متامل تھا کہ اس کی مراد بھر آئی ہے۔

''آبرو مجھے یقین نہیں آ رہا کہ میری دعائیں قبول ہو گئی ہیں۔'' خوشی سے چور عباس کیانی کا لہجہ لرزتا ہوا تھا۔

''یقین کرو عباس کیانی، شاید تمہاری دعاؤں میں اتنا اثر تھا کہ میری ہر دعا رد کر دی گئی ہے۔'' آبرو نے اذیت کے حصار میں گھر کی افسردگی سے سوچا۔

''دس دن ہیں تمہارے پاس میں اب اور انتظار نہیں کرنا چاہتی۔'' اس نے سرد حکمیہ لہجے میں کہتے عباس کیانی کا جواب سنے بغیر فون آف کر دیا تھا۔

☆☆☆

خدیجہ بیگم نے حسب توقع اس کی عزت افزائی کی تھی ساتھ انہیں یہ پچھتاوا بھی گھائل کیے دے رہا تھا کہ نہ وہ دکھی و جذباتی ہو کے اسے ساری باتیں بتاتیں نہ وہ اتنا بڑا قدم اٹھانے کا سوچتی انہوں نے فائق علی کو ایک مرتبہ پھر بڑے ابا سے بات کرنے کو کہا تھا، فائق علی کل سے سوچ رہے تھے کہ آخر وہ کون سی بات تھی جس کی وجہ سے آبرو انتہائی قدم اٹھانے سے بھی باز نہیں آئی تھی، وہ کیوں اتنی ضدی ہو رہی تھی بہرحال چونکہ عباس کیانی کا رشتہ نہایت موزوں اور اچھا تھا اسی لئے وہ بھی اسے ہاتھ سے گنوانا نہیں چاہتے تھے، اسی لئے ایک آخری امید پہ وہ بڑے ابا کے پاس دوبارہ آئے تھے، بڑے ابا نے ایک مرتبہ پھر تحمل سے فائق علی کی بات سنی تھی انہوں نے بڑے دونوں چچاؤں و صفیہ پھپھو کو بھی بلا لیا تھا دراصل ان تینوں بہن بھائیوں کی شادیاں فائق علی سے پہلے ہوئی تھیں جبھی ان کی اولادیں جوان ہو چکی تھیں کچھ کی شادیاں بھی کر دیں تھیں، فائق علی کا رشتہ صفیہ پھپھو کی نند سے طے تھا مگر وہ کسی اور کو پسند کرتی تھی، فائق علی کی عام شکل و صورت و سادگی اسے بے حد کھلتی تھی اسی لئے اس نے شادی کے دن نکاح کے وقت انکار کر دیا تھا، اس قدر بے عزتی، ہتک کے باوجود جب خاندان کا کوئی گھر بھی فائق علی کو بیٹی دینے پہ راضی نہیں تھا بڑے ابا کی ضد تھی کہ وہ فائق علی کو برادری میں ہی بیاہیں گے مگر فائق علی نے ان کی ضد و ہٹ دھرمی قائم نہیں رہنے دی تھی اور خدیجہ بیگم سے شادی کر لی کوئی اور موقع ہوتا تو شاید بڑے ابا فائق علی کو دل سے معاف کر بھی دیتے مگر انہیں اپنی برادری میں ہونے والی جگ ہنسائی اور سبکی نہیں بھولتی تھی اور جوابا وہ فائق علی سے دور ہوتے گئے، ہال کمرے میں سب بہن بھائی مع عائشہ تائی کے جمع تھے چونکہ وہ اس گھر کی بڑی بہو تھیں سو ہر فیصلے میں ان کی موجودگی لازم و ملزوم تصور کی جاتی تھی۔

''کیوں بھئی، تم میں سے کوئی یہ چاہتا ہے

کہ فائق علی کی بیٹی کو اپنی بہو بنائے۔" انہوں نے یوں بات کی گویا بازار میں بولی لگا رہے ہوں فائق علی کا سر جھک گیا کیا وہ اس قدر مجبور و بے بس تھے کہ اپنے بہن بھائیوں کے سامنے سر جھکائے بیٹھے تھے۔

"بڑے ابا، جمشید تو پڑھنے کے لئے باہر جانا چاہتا ہے اور ویسے بھی وہ صفیہ کی سارا کی میں انٹرسٹڈ ہے اور عمر کا تو آپ کو پتہ ہے ہی۔" وہ اپنی کولیگ، عمران چچا ابھی بات کر ہی رہے تھے کہ بڑے ابا نے ٹوک دیا۔

"سجاد! تم کیا کہتے ہو۔" انہوں نے ٹانگ پہ ٹانگ جماتے انہیں دیکھا تھا۔

"بڑے ابا آج کل بچے کہاں مانتے ہی وہ اپنی مرضی سے جینا چاہتے ہیں۔" سجاد چچا نے سر کو جھکاتے ہوئے آہستگی سے انکار کیا تھا فائق علی کا جی چاہا زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائیں کیا کوئی کسی کی اتنی ہتک بھی کر سکتا ہے کسی کو اتنا ارزاں بھی کر سکتا ہے کہ وہ خود کی نظروں میں ہی گر جائے۔

"صفیہ کا جواب بھی یقیناً کچھ ایسا ہی ہو گا۔" بڑے ابا نے گلا کھنکھارتے بات کا آغاز کیا۔

"دیکھا فائق علی آج کوئی بھی تمہاری بیٹی کو اپنانے کو تیار نہیں وجہ کچھ اور نہیں اس کی ماں اور اس کا خاندان ہے اگر اس وقت میرا کہا مان لیا ہوتا تو آج یوں بہن بھائیوں سے دور نہ ہوئے جاؤ اور جا کر بیاہ دو اپنی بیٹی کو وہیں جہاں اس نے اپنا بر اپنی پسند سے تلاش کیا ہے، اس نے بھی اپنی ماں کے نقش قدم پہ چلتے ہمارے سروں میں راکھ ڈالی ہے، تو ٹھیک ہے ہماری بلا سے ہمارے گھر کا کوئی لڑکا ایسی لڑکی سے شادی کرنے کو راضی نہیں۔" بڑے ابا نے انتہائی نفرت سے کہتے محفل برخاست کی تھی فائق علی اپنے باپ کے منہ سے اپنی بیٹی کے بارے میں ایسی باتیں سن کر دم بخود رہ گئے تھے یہ ان کا باپ ہی تھا جو انہیں ذلیل کرنے میں سب سے آگے آگے تھے فائق علی کو یقین کرنے میں تامل ہوا۔

"شکریہ بڑے ابا، آج مجھے اندازہ ہوا کہ میں کتنا غلط تھا میری معصوم و پاکیزہ بیٹی پہ کیچڑ اچھال کر آپ نے ثابت کر دیا کہ آپ لوگوں کے دل میں میرے یا میرے خاندان کے لئے کسی بھی قسم کے جذبات نہیں ہیں آپ تو باپ ہیں اور والدین کے لئے اولاد تو برابری کا درجہ رکھتی ہے مگر جب آپ ہی سنگ باری میں بہتان اور طعنہ زنی میں آگے ہیں تو بہن بھائیوں سے کیا گلہ وہ تو شراکت دار ہیں۔"

"ارے جاؤ میاں بیٹی کی اچھی تربیت کی ہوتی تو آج کوئی تمہارا دروازہ بھی بجاتا، مگر ماں نے اسے اپنی طرح سوائے عشق کے کوئی اور سبق پڑھایا ہو تو بات بھی بنے۔" عائشہ تائی نے پہلو بدلتے ناگواری سے کہا تھا فائق علی مزید کچھ کہے بغیر ہمیشہ کے لئے حویلی چھوڑ آئے تھے، رہ رہ کر بڑے ابا کی باتیں نیزے کی انی کی طرح ان کے دل میں پیوست ہو کر تکلیف کے احساس سے دو چار کرتی رہیں کیا تھا جو وہ اس لمحے زیادہ محسوس کر رہے تھے۔

بے بسی، دکھ، درد، اذیت، تاک وہ اندازہ نہیں کر پا رہے تھے، وہ گھر کیسے پہنچے انہیں معلوم نہیں ہو سکا، خدیجہ بیگم نے دروازہ کھولتے سمے ان کے چہرے پر دکھ کی پرچھائیاں دیکھ لیں تھیں فائق علی نے ایک نظر اپنی وفادار بیوی کی جانب دیکھا جو بغیر کہے ان کے دل کا حال جان لیا کرتی تھیں خدیجہ بیگم نے دروازے کے آگے سے ہٹ کر انہیں اندر آنے کا راستہ دیا تھا، آبرو

بھاگ کر فائق علی کے لئے پانی لے آئی تھی، فائق علی نے پانی نہیں پیا بس ایک ٹک آبرو کا چہرہ دیکھتے کچھ کھوجنے کی کوشش کرتے رہے تھے، شاید ان لگائے الزامات میں سے کسی تاریک کا ثبوت یا ہلکی سی پرچھائی جو اتنے وثوق سے ان کے باپ نے اپنی پوتی پہ لگائے تھے، بہت کھوجنے پر بھی انہیں آبرو کے معصوم و پاکیزہ چہرے پہ بے اعتنائی ہی کی ہلکی سی بھی پرچھائی یا رمق بھی نظر نہ آنے پہ انہوں نے آبرو کا سر اپنے سینے سے یہ لگا لیا تھا پھر آہستہ آہستہ روتے ہوئے ساری بات کہہ سنائی تھی، اب وہ تینوں مل کر رو رہے تھے فائق علی کو بروقت اندازہ ہوا آبرو نے کتنی جلدی وہ سب سمجھ اور جان لیا تھا جو وہ ان تیس برسوں میں جان نہیں پائے تھے یا یوں کہنا چاہیے کہ جاننے اور سمجھنے سے جان بوجھ کر روگردانی کرتے رہے تھے، اچانک فائق علی کے سینے کے بائیں جانب درد پھیلا تھا وہ بے اختیار لیٹے سے اٹھ بیٹھے تھے انہیں اپنا بایاں حصہ مفلوج ہوتا آن واحد میں ان کے چہرے کی رنگت خطرناک حد تک زرد ہو گئی تھی ماتھے پہ ننھے ننھے پسینے کے قطرے نمودار ہو چکے تھے وہ بے اختیار سینے کے بائیں طرف مسلنے لگے تھے، آبرو فوراً فائق علی کی حالت دیکھ کر ناصرہ خالہ کے بیٹے آصف کو بلا لائی تھی، وہ اپنی گاڑی میں فائق علی کو ہسپتال لے گئے تھے ایمرجنسی امداد ملنے سے فائق علی کی حالت قدرے سنبھل گئی تھی مگر وہ فی الوقت بہتر بالکل بھی نہیں تھے، انجائنا کا شدید اٹیک ہوا تھا، ہوش میں آنے کے بعد فائق علی نے خدیجہ بیگم کو پروفیسر شبیر احمد کیانی اور ان کے گھر والوں کے بلانے کو کہا تھا۔

☆☆☆

عمر بھائی گھر آئے تو انیلا چچی نے انہیں ساری بات کہہ سنائی تھی، عمر بھائی کے قدموں سے زمین نکل گئی تھی وہ فوراً فائق علی کے گھر روانہ ہو گئے تھے، راستے میں انہوں نے کوئی دس مرتبہ فائق علی کے گھر کا نمبر ڈائل کیا تھا مگر کوئی ریسو نہیں کر رہا تھا ان کی پریشانی سوا ہو جاتی، فائق علی کے موبائل کا نمبر ڈائل کیا تو وہ بھی آف تھا تھک ہار کر انہوں نے گاڑی کی اسپیڈ بڑھا دی تھی وہ فائق علی کے گھر پہنچا تو دروازے پہ تالا پڑا تھا، اس نے پڑوس کی ناصرہ خالہ کے گھر کا دروازہ بجایا تا کہ معلوم کر سکے کہ چچا جان اور گھر والے کدھر گئے ہیں۔

"بیٹا! فائق علی کی طبیعت اچانک بہت بگڑ گئی تھی اسی لئے آصف انہیں ڈاکٹر کے پاس لے کر گیا ہے ہارٹ اٹیک ہوا ہے اس کافی طبیعت خراب ہے میں ابھی وہیں جا رہی ہوں۔" عمر کو دروازے میں کھڑا دیکھ کر ناصرہ خالہ خود دروازے پہ آئیں اور اسے تفصیل بتائی تھی۔

"کون سے ہاسپٹل میں ہیں چچا جان؟" عمر بھائی کے اوسان خطا ہونے لگے۔

"سول میں ہی ہے ابھی آصف کا فون آیا تھا بتا رہا تھا کہ آبرو کے سسرال والے بھی آئے بیٹھے ہیں فائق علی نے انہیں آبرو کا فوری نکاح کرنے کا کہا ہے۔" ناصرہ خالہ نے مزید بتاتے عمر بھائی کے سر پہ بم پھوڑا تھا، آن واحد میں حالات کیا سے کیا ہو گئے تھے، انہوں نے بے حد دکھ سے سوچا تھا جب وہ دونوں ہاسپٹل پہنچے تو نکاح خواں نکاح کے لئے موجود تھا وہ فوراً چچا جان کی طرف بڑھا تھا وہ بیڈ پہ نڈھال سے لیٹے تھے ان کی آنکھوں میں جہان کا درد دکھ اور چہرے پہ زردی کھنڈی تھی اسے دیکھ کر رو دیئے۔

"چچا جان! اتنی بزدلی کیوں آپ تو بہت بہادر ہیں۔" وہ ان سے لپٹ کر رو ہی تو دیا اس کا

باپ سمان چچا اس قدر دل برداشتہ ہوا تھا اپنوں کے ہاتھوں کہ بستر سے جا لگا تھا اس کی بات سن کے فائق علی نم آنکھوں سے مسکرائے۔

”تھک گیا ہوں یار، زندگی کا کیا بھروسہ سوچا بیٹی کا فرض بھی ادا کر دوں میرے بعد آخر ان کا ہے کون۔“ عمر بھائی نے بے اختیار فائق علی کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔

”ایسا کیوں سوچتے ہیں چچا جان، میں ہوں نا آپ کے ساتھ اور میں معافی مانگتا ہوں ان کی جانب سے پلیز چچا جان مگر ایسا مت کریں۔“ عمر بھائی نے فائق علی کے سامنے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے۔

”میں کسی سے ناراض نہیں ہوں بیٹا بلکہ ان سب کا احسان مند ہوں کہ یہ میری آنکھیں کھول دیں بہر حال اچھا ہوا تم آ گئے مجھے کچھ حوصلہ رہے گا۔“

”میں ہمیشہ آپ کا سہارا دایاں بازو بنا رہوں گا چچا جان، آپ ہمیشہ ہر حال میں مجھے اپنے ساتھ پائیں گے۔“ عمر بھائی کی نا چاہتے ہوئے بھی جوش جذبات میں آنکھیں نم ہو گئی تھیں پھر وہ اٹھے اور عباس کیانی، پروفیسر صاحب اور گواہان کے طور پر آئے ان کے مہمانوں سے مصافحے کے لیے آگے بڑھے تھے، عمر بھائی نے دیکھا عباس کیانی کی صاف چوڑی پیشانی بے حد روشن تھی اس کی گہری بھوری آنکھیں بلا کی سحر انگیز تھیں وہ بلاشبہ ایک شاہکار تھا۔

”میں آبرو کی میکے کی طرف سے گواہ کے طور پر شرکت کر رہا ہوں اس کا تایا زاد کزن ہوں، امید کرتا ہوں کہ ہمیشہ آبرو کا خیال رکھو گے بہت حساس لڑکی ہے اسے کبھی بکھرنے مت دینا۔“ عباس کیانی سے مصافحہ کرتے ہولے ہولے عمر بھائی نے اس کے کان میں سرگوشی کے جیسے انداز میں کہا تھا۔

”میں آبرو کو دکھ دینے کا کبھی سوچ بھی نہیں سکتا۔“ عباس کیانی کا لہجہ مضبوط تھا محبت سے مسکراتے ہوئے آبرہ کی جانب دیکھتے آہستگی سے کہا تھا عمر بھائی نے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا آبرو لب بھینچے ناقابل فہم تاثرات چہرے پہ سجائے انہیں دیکھ رہی تھی کچھ ہی دیر میں مسز عائشہ شبیر نے اس کے سر پہ سرخ دوپٹا لا کر نکاح کے لیے اوڑھا دیا تھا آبرو کی نگاہیں خود بخود جھک گئیں۔

آبرو کی سمجھ میں نہ آ سکا کیا گیا فیصلہ جلدی کی نظر ہوا تھا یا وہ صحیح کر رہی تھی، نکاح خواں اس سے سوال کر رہا تھا۔

”آبرو علی دختر فائق علی کو بعوض حق مہر پانچ سو روپے سکہ رائج الوقت محمد عباس کیانی ولد محمد شبیر احمد کیانی نکاح کے لیے قبول ہیں۔“ آبرو سولی پہ لٹک گئی۔

”کیا وہ عباس کیانی کو وہ محبت دے پائی گی جس کا وہ حقدار و خواہش مند ہے۔“ اس نے اپنے دل کو ٹٹولتے سوچا نکاح خواں نے دوبارہ دہرایا۔

”کیا وہ ساری زندگی عباس کیانی کی وفادار بن کر رہ پائے گی۔“ نکاح خواں نے پھر پوچھا۔

”کیا آبرو علی کا فیصلہ فائق علی کی زندگی میں دکھوں کی مزید آزمائش لے کر آئے گا۔“ اس نے بیڈ پہ نڈھال سے لیٹے وجود کو دیکھا جو ہوا بھلے بہتر حالات میں نہ ہوا تھا مگر اب وہ پچھتانا بھی نہیں چاہتی تھی نکاح خواں منتظر تھا وہ اپنے باپ کی اس حالت کی ذمہ دار خود ہے اس نے ایک آخری نگاہ بیڈ پہ نڈھال اس وجود کی طرف دیکھا جو اپنوں کی محبت کا ڈسا تھا اور لمبی سانس خارج کی فیصلہ ہو چکا تھا اس نے ہولے سے سر جھکا آنسو صاف کیے اور مضبوط آواز میں نکاح خواں کے سوالوں کے جواب دینے لگی ایجاب و قبولیت کے بعد وہ خود کو مطمئن محسوس کر رہی تھی وہ اگر خوش نہیں بھی تھی تو پر سکون ضرور تھی اور اس کے لیے فی الحال اتنا ہی بہت تھا، مسز عائشہ شبیر نے چٹا چٹ جانے اس کی کتنی ہی بلائیں لے ڈالیں۔

”آپ کا ہر راستہ میری جانب آتا تھا آبرو میں نے آپ سے کہا تھا ناں۔“ عباس کیانی جیسے اسے کچھ یاد دلا رہا تھا۔

”محبت میں اتنی طاقت ہوتی ہے کہ ناممکن کو ممکن بنا دے۔“ جانے سے پہلے وہ بہت استحقاق سے اس کے پاس آیا تھا وہ ہولے سے ہنسی تھی جیت کسی کی ہوئی تھی اس کا فیصلہ ہونا تو ابھی باقی تھا عمر بھائی نے بے حد غور سے آبرو کی طرف دیکھا تھا۔

☆☆☆

حویلی میں سب گھر والوں کو اگرچہ فائق علی کی خرابی طبیعت کا معلوم ہو چکا تھا مگر آبرو کا ہاسپٹل میں عباس کیانی کے ساتھ نکاح کی خبر نے ان سب کے قدم روک دیئے تھے، بڑے ابا نے اپنی ضد کی آڑ میں ایک مرتبہ پھر سفاکانہ فیصلہ کیا تھا حالانکہ اگر وہ ضد اور ہٹ دھرمی کی پٹی آنکھوں سے اتار کر دیکھتے تو انہیں احساس ہوتا نا کہ بچے ہمیشہ غلطیاں کرتے ہیں مگر والدین ہمیشہ اپنا دل اور ظرف بڑا رکھتے ہیں، انہوں نے خود فائق علی کے دل پہ برچھیاں چلاتے ہوئے رشتے سے انکار کیا تھا دوسرے لفظوں میں اچھا خاصا بے عزت و ذلیل کر کے گھر سے نکالا تھا جب انہیں کوئی فرق نہیں پڑتا تو ان کے خاندان سے کہ ان کے بقول تو ان کی بیٹی اس قابل ہی نہ تھی کہ ددھیال کے کسی گھرانے کی بہو بنتی پھر انہیں غصہ کاہے کا تھا بائیکاٹ کس چیز کا کیا تھا اگر بڑے ابا ایک دفعہ آ کر فائق علی سے مل جاتے ان کے سینے پر دھرا بوجھ تو ہلکا ہو جاتا مگر بلند ظرف، کھلا دل اور انصاف جیسی اعلیٰ صفات ان کے خاندان کا حصہ نہیں تھیں شاید۔

عمر بھائی البتہ فائق علی کی پٹی سے بندھ گئے تھے تین دن فائق علی ہسپتال میں رہے تھے اور وہ تین دن عمر بھائی فائق علی کی پرچھائی بن کر ان کے ساتھ رہے تھے رات میں بھی خود ہی ان کے پاس رکتے شاید اپنے اس رویے سے وہ گھر والوں کی گئی زیادتی کا کچھ بدلہ چکانے کی بساط بھر کوشش کر رہے تھے کم از کم آبرو کو تو یہی لگتا تھا، آبرو اور ان کے حالات جس نہج پر چل رہے تھے ہنوز ویسے ہی تھے ایک دوسرے سے بات چیت بالکل بند تھی وہ گھر آتے رہتے، فائق علی کو دوائی کھلانے میں مدد کرتے بازار سے سودا سلف لا کر آبرو کو فائق علی کے لیے پرہیزی غذا تیار کرنے کی ہدایات دیتے وقت بلاشبہ ان کا مقصد آبرو سے اپنے گزشتہ رویے کی تلافی کرنا مقصود ہوتا مگر وہ ساری ہدایات خاموشی سے سنتی اور پلٹ کر کچن میں چلی جاتی کبھی اگر بامر مجبوری عمر بھائی سے بات کرنا بھی پڑتی تو نگاہیں جھکی ہوئی اور لہجہ کسی بھی قسم کے جذبات سے عاری اجنبیت سے بھرپور ہوتا، عمر بھائی کو بے حد پچھتاوا تھا وہ آبرو کو دکھ دینے اور خود کا خیال، خود سے دور کرنے کی جستجو میں خود سے دور کر بیٹھے تھے، ایسا نہیں تھا کہ وہ آبرو کو پسند نہیں کرتے تھے یا انہیں اس سے محبت نہیں تھی یا وہ کسی اور کو پسند کرتے تھے انہیں فائق علی کی دلی خواہش کے پیش نظر اپنے والدین اور بڑے ابا کے سامنے اس خواہش کا اظہار بھی کیا تھا مگر انہیں ذرا سا بھی یقین بڑے ابا اور

اپنے والدین کے رویے میں نظر نہیں آیا تھا، وہ چاہتے تو اسٹینڈ لے کر آبرو کو اس خاندان کا حصہ بنا سکتے تھے مگر ایسے میں بھی بھی ان کی فیملی خدیجہ بیگم کی طرح اسے بھی قبول نہ کر پاتی تو مزید نفرت و بیزاری کا سامان کرنے سے بہتر تھا وہ ایسی کسی خواہش کا خیال ہی دل سے نکال دیتے مگر ان کا ارادہ کسی طور پر ناعمہ کو اپنانے کا بھی نہیں تھا ایسا وعدہ انہوں نے خود سے لیا تھا۔

☆☆☆

شام فائق علی کے صحن میں اتر رہی تھی موسم آج صبح سے ہی ابر آلود تھا فضا میں موجود حبس اور دھواں مٹی سانسوں میں جمنے لگے تھی آبرو نے صبح سے مشین لگا کر کپڑے دھوئے تھے اب موسم کے تیور بگڑے دیکھے تو فوراً چھت پہ چڑھ گئی وہ بڑے انہماک سے کپڑے اتار کر بازو پہ لٹکا رہی تھی کپڑے کافی زیادہ تھے اور وہ ایک ہی دفعہ میں انہیں نیچے لے جانا چاہتی تھی ہلکی ہلکی گرد آلود ہوا چلنے لگی تھی اور اس کے بازو پہ کپڑوں کا ایک ڈھیر سا بن گیا تھا اسی لئے وہ مقابل کو دیکھ نہیں پائی جو بڑے آرام سے دوسری تار کے کپڑے سمیٹ رہا تھا، بلیک جینز پہ وائٹ شرٹ پہنے جیل لگا کر بالوں کو سٹائل دیئے وہ بے حد ڈیشنگ لگ رہا تھا آبرو کا دل زور سے دھڑکا وہ نکاح کے بعد اب پہلی دفعہ مل رہے تھے۔

”آپ...... آپ یہاں کیا کر رہے ہیں۔“ اس کا انداز اس قدر گھبرایا ہوا تھا کہ عباس کیانی اپنی مسکراہٹ روک نہیں پایا۔

”میں یہاں اپنے سسر کی عیادت کے لئے روز آتا ہوں مگر کیا ہے کہ یہاں میری ایک عدد بہت پیاری اور خوبصورت بیوی بھی ہے جو کہ مجھے ذرا برابر لفٹ نہیں کراتی سو آج میں بالخصوص اس سے کچھ حساب کتاب کرنے آیا ہوں۔“ وہ اس کی جانب شرارت سے کہتے جھکا تھا آبرو کا دل بس دھڑک کر رہ گیا۔

”آپ نیچے چلیں ابا جی کے پاس؟“

”ان سے مل آیا ہوں اب اپنی بیوی سے ملنا ہے۔“ عباس کیانی کا لہجہ خاصا معنی خیز تھا آبرو کی ہتھیلیاں پانی سے نم ہو گئیں۔

”عباس پلیز۔“ اس نے آبرو کے ہاتھ سے کپڑوں کا ڈھیر لیا اور سائیڈ پہ دیوار پہ رکھ دیا اب وہ آمنے سامنے کھڑے تھے اتنے قریب کہ ایک دوسرے کی سانسیں با آسانی سن رہے تھے عباس کیانی نے اس کی جھکی ہوئی لرزتی پلکوں کو غور سے دیکھا اس کے ریشمی بال ہوا کی تیزی سے نالاں اڑے جا رہے تھے ہوا عجیب سی ترنگ میں گنگنا رہی تھی۔

”ٹھہرو مجھے ابھی کچھ حساب لینا ہے تم سے۔“ وہ اس کی وارفتگی و والہانہ پن سے تنگ آ کر جانے لگی تو وہ کہے بغیر رہ نہ سکا تھا ناچار اسے رکنا پڑا۔

”ہوں۔“ ٹھنڈی سانس بھرتے اس کا رخ اپنی سمت موڑا۔

”بہت باتیں سنائی نا مجھے اب ایک ایک کا بدلہ دینا ہو گا اتنی جلدی کہاں بھاگ رہی ہو۔“ عباس کیانی کے چہرے کی مسکراہٹ شرارت آمیز لہجہ وارفتگی و والہانہ پن اس لمحے اسے بہت خوبصورت بنا رہا تھا اگر اس سے آبرو نظر اٹھا کر عباس کیانی کی آنکھوں میں دیکھ لیتی تو یقیناً فخر سے پاگل ہو جاتی۔

”پلیز عباس مجھے جانے دیں۔“ وہ رونے والی ہو گئی۔

”اتنی جلدی۔“ عباس کیانی نے اس کا ہاتھ پکڑا اور دھیرے سے چوم لیا آبرو کی کلائی عباس کیانی کے ہاتھ میں پھڑ پھڑا کے رہ گئی چوڑیاں ٹوٹ کے بکھر گئیں، آنکھوں میں موتی چمکنے لگے تو عباس کیانی محظوظ ہوتے ہنس دیا ساتھ ہی اس کی قربت سے خائف آبرو، پہ ترس بھی آیا دھیرے سے ہاتھ چھوڑ دیا اور جیب سے ایک مخملی ڈبیا نکال لی۔

”نکاح اتنی جلدی میں ہوا کہ تمہیں کچھ دے نہیں پایا ویسے بھی یہ تحفہ خصوصی طور پر تمہارے لئے ایران سے منگوایا ہے یہ ہرض جڑی انگوٹھی ہے۔“ وہ انگوٹھی ڈبیا سے نکالتے اسے بتا رہا تھا۔

”لاؤ پہنا دوں۔“ وہ اس کا ہاتھ تھام رہا تھا آبرو ایک ٹرانس کی کیفیت میں گھری خاموشی سے دیکھ رہی تھی عباس کیانی کی قربت اس پر عجیب مدہوشی بھرا فسوں پھونک رہی تھی اسے خود سے بیگانہ کر رہی تھی دفعتاً وہ چونکی۔

”مم...... میں خود پہن لوں گی۔“ اس بار گزشتہ رویے کے پیش نظر وہ ہچکچائی۔

”یار شوہر ہوں تمہارا اتنا تو حق رکھتا ہوں بلکہ اب تو سارے جملہ حقوق اپنے نام کروا چکا ہوں۔“ وہ اس کا ہچکچایا سا شرمایا لجایا انداز دیکھتے شرارت سے کہہ رہا تھا۔

”آپ ایسی باتیں کریں گے تو میں یہاں سے بھاگ جاؤں گی۔“ آبرو نے دھمکی دی۔

”باپ رے، ایسا ظلم مت کرنا اتنی مشکل سے تو تمہاری شکل نظر آئی ہے ورنہ تو نجانے کس کونے کھدرے میں گھسی رہتی ہو یہ بھی نہیں سوچتی کہ میں یہاں صرف تمہاری خاطر آتا ہوں۔“ عباس کیانی اس کی مخروطی انگلی میں ہرض جڑی انگوٹھی پہناتے شکوہ کر رہا تھا، آبرو نے غور سے دیکھا چاندی کی انگوٹھی میں کالے نگینے کے عین درمیان چاندی کا ستارہ بنا ہوا تھا یہ ہرض تھا ایسا آہنی فولاد جس کے نزدیک ہر آفت و مصیبت آنے سے کتراتی ہے۔

”یہ تمہیں اس لئے پہنا رہا ہوں تاکہ زندگی کے ہر موڑ پہ یہ تمہاری حفاظت کرے اسے کبھی اپنے ہاتھ سے مت اتارنا۔“ آبرو ایک ٹرانس کی کیفیت میں گھری مسمرائزڈ کھڑی رہ گئی عباس کیانی نے انگوٹھی پہنانے کے بعد پھر ایک جسارت کی آبرو کسمسائی چوڑیاں پھر ٹوٹیں نگاہوں کا تصادم کیا ہوا مانو قیامت آ گئی ہوا اس نے ان سحر انگیز لمحات سے بچنے کو تیزی سے اپنا ہاتھ چھڑایا اور کپڑے لے کے نیچے بھاگ گئی عباس کیانی دھیرے سے جھکا ٹوٹی چوڑیاں اٹھائیں اور کسی متاع حیات کی طرح سے سنبھال کر جینز کی پاکٹ میں ڈال لیں۔

☆☆☆

رات کام ختم کر کے وہ کمرے میں آئی تو اس کا موبائل بج رہا تھا اس نے ٹیڈی بیئر پہ کندہ ان الفاظ کو محبت سے دیکھا۔

”میری وفائیں میری زندگی کے نام۔“ اس کے لبوں کو مسکراہٹ نے چھوا پھر لپک کر تپائی پہ رکھے عباس کیانی کے بھیجے ہوئے فون کو اٹھایا جس پر یقیناً اسی کی کال آ رہی تھی۔

”تمہیں نیند آ رہی ہے؟“ اس کے فون آن کرتے ہی عباس کیانی نے بے تابی سے پوچھا تھا۔

”ہاں، میں بس سونے جا ہی رہی تھی، کیا ہوا؟“ آبرو کو ہنسی آ گئی پھر جواب دیا۔

دوسری جانب عباس کیانی نے ٹھنڈی سانس لی اور آبرو کے نکاح والے دن چوری سے لی جانے والی فوٹو جو اس نے انلارج کروا کے بیڈ روم میں لگائی تھی اس نے نگاہیں جماتے کہا تھا۔

”پھر مجھے کیوں نہیں آ رہی؟“ اس کے انداز میں بے بسی تھی آبرو کو بے ساختہ پھر ہنسی آ

گئی۔

"پلیز میرے ساتھ باتیں کرو ناں تب تک جب تک مجھے نیند نہ آ جائے۔" عباس کیانی کا لہجہ مخمور اور گمبھیر ہو گیا آبرو کا دل پسلیاں توڑ کر باہر آنے کو بے تاب تھا۔

"اچھا کیا باتیں کروں جناب سے؟" وہ ایک ادا سے کہتی اتراتے ہوئے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے آ کھڑی ہوئی ریشمی آوارہ لیٹیں چہرے کے طواف میں مگن تھیں آبرو نے بغور اپنا جائزہ لیتے انہیں کان کے پیچھے اڑسا۔

"کچھ بھی میری اور اپنی باتیں، ہمارے مستقبل کی باتیں، ہمارے ساتھ کی باتیں۔" جذبوں کی شدت سے دہکتا لہجہ محبت کے خمار سے گندھا چاہتوں سے لبریز آبرو کو ہواؤں میں اڑائے لے جا رہا تھا۔

"عباس کیانی، تم پاگل ہو۔" آبرو بس اتنا ہی کہہ پائی۔

"ہاں اقرار ہے مجھے میں پاگل ہوں دیوانہ ہوں مگر صرف آبرو عباس کیانی کے پیار میں صرف اس کے لئے، صرف اس کی محبت پانے کے لئے۔" عباس کیانی تڑپتے ہوئے اقرار کر رہا تھا۔

"مجھے ایسا لگتا ہے عباس، آپ کی محبت بھی مجھے پاگل کر دے گی مجھے آپ کی محبت کی شدت سے ڈر لگتا ہے اتنی محبت مت کیا کریں مجھ سے۔" آبرو گھبرا گئی تھی۔

"عباس کیانی سے کہو سانس لینا چھوڑ دے وہ لمحہ کی تاخیر بھی نہیں کرے گا تعمیل میں مگر محبت کی شدت کو کم کرنا عباس کیانی کے بس کی بات نہیں ہے۔"

"میں خود پہ فخر کرنے لگی ہوں عباس، آپ کی محبت آپ کے ساتھ نے مجھے مغرور بنا دیا ہے۔" اس نے دھیرے سے اعتراف کیا تھا، محبت اپنی خوش بختی پر مسکرا رہی تھی، بھلا اس کے وار سے کون بچا تھا۔

☆☆☆

فائق علی اپنی سوچوں میں گم بیٹھے تھے رہ رہ کر انہیں اس روز بڑے ابا کی، کی گئیں باتیں یاد آتیں انہیں ایسا لگتا گویا کسی نے ان کے دل پہ برچھی رکھ دی ہو۔

"سن لیا فائق علی، ان تینوں بہن بھائیوں میں سے کوئی بھی تمہاری بیٹی کو اپنانے کو تیار نہیں اگر تمہاری بیٹی انہی کی طرح کسی اچھے خاندان کی ہوتی تو یہ سب اس وقت بڑے فخر سے تمہاری بیٹی کا نام لیتے، مگر افسوس کہ تم نے اس وقت صرف دل کی سنی دماغ کی سنتے تو یوں آج رسوا اور تنہا نہ ہوتے، تمہاری بیوی بیٹی کے کرتوت ہی ایسے ہیں کوئی انہیں اپنائے تو کیسے؟ تمہاری بیٹی اپنا بر خود ڈھونڈ چکی ہے جاؤ یہاں چاہے مرضی بیاہ دو۔" ان لمحوں کی اذیت یاد کر کے فائق علی دوبارہ تڑپ سے گئے انہیں آبرو کی بات یاد آئی۔

"ابا جی کچھ نہیں ملے گا آپ کو اپنے خاندان سے، یہ لوگ آپ کا بھلا کبھی نہیں کریں گے اور مجھے ایسے خاندان کی قطعی ضرورت نہیں ہے جو لوگ مجھے بیٹی ہونے کے بنا، پر کزن کے طور پر تسلیم کرتے ان میں سے کل مجھ سے کوئی شادی کرے گا بھلا، کوئی بھی نہیں کرے گا ان سب کے نزدیک میں ہمیشہ خدیجہ بیگم کی وہی بیٹی رہوں گی جس کا نانا سبزی کی ریڑھی لگایا کرتا تھا، آج عباس کیانی میری چاہ کر رہا ہے کل کوئی بھی نہیں کرے گا اپنوں کو پہچانیں ابا جی، بس کریں اور کتنا ذلیل ہوں گے؟" فائق علی کی آنکھوں سے سیل رواں جاری ہو گیا ساری زندگی جانتے بوجھتے وہ اپنوں کے رویوں سے پہلو تہی کرتے آئے تھے کہ کہیں آبرو ان سے بدگمان نہ ہو اپنے ددھیال سے دور نہ ہو جائے مگر انہیں حیرت اس بات کی تھی کہ وہ یہ سب فائق علی سے زیادہ بہتر طور پہ جانتی تھی سمجھتی تھی۔

"آپ کو چائے بنا کر دوں ابا جی؟" اچانک ان کے سوچوں کے گرداب میں آبرو کی آواز نے کنکر پھینکا تھا۔

"ابھی تھوڑی دیر میں عمر آ جائے گا اس کے ساتھ پی لوں گا۔" انہوں نے گہری ٹھنڈی سانس لی اور خود کو پر سکون کیا آبرو کا رشتہ عباس کیانی کیساتھ طے کر کے انہوں نے کسی طور پر بھی غلط نہیں کیا تھا ان کا فیصلہ بروقت اور بجا تھا ایسا انہیں ہر گزرتے دن کے ساتھ یقین ہو رہا تھا، عباس کیانی بے حد سلجھا ہوا عزت دار اور محبت کرنے والا لڑکا تھا، بلکہ اس کی پوری فیملی ہی نہایت پڑھی لکھی، پاسدار اور بھرم رکھنے والی تھی۔

"جی اچھا۔" کہہ کر آبرو کچن کی جانب پلٹ گئی تھوڑی دیر بعد عمر آ گئے تھے، آبرو نے انہیں دیکھ کر چائے کا پانی چولہے پہ رکھ دیا تھا۔

"عباس کیانی تمہاری محبت نے مجھے پاگل کر دیا ہے۔" وہ اس کی کسی بات کو یاد کر کے مسکرا رہی تھی، عمر بھائی نے کچن کے دروازے میں ایستادہ ہو کے اسے غور سے دیکھا وہ کس قدر حسین ہو گئی تھی عباس کیانی کا ساتھ اس کی محبت نے اسے کسی حسین دیوی کا سا روپ عطا کر دیا تھا، اسے خود میں مسکراتا دیکھ کر وہ اندر چلے آئے نجانے کیوں انہیں آبرو کا خود کو اگنور کرنا اچھا نہیں لگتا تھا۔

"آبرو چائے بن گئی کیا؟" آبرو فوراً سیدھی ہوئی اور چولہے پہ ابلتی چائے کا ساس پین اتار کر کپ میں انڈیلنے کے بعد کپ کاؤنٹر پہ رکھ کر باہر جانے کو مڑی ہی تھی کہ عمر بھائی نے اس کا ہاتھ تھام کے روک لیا آبرو ناگواری سے پیچھے ہٹی عمر بھائی اس کی ناراضگی کو دیکھتے محبت سے مسکرا دیئے۔

"ناراض ہو؟" آبرو لب بھینچے خاموش کھڑی رہی۔

"میں نے کچھ پوچھا ہے آبرو؟"

"میں خود کو آپ کا پابند نہیں سمجھتی کہ آپ کی ہر بات کا جواب دوں۔" وہ چیخی۔

"آئی ایم سوری۔" عمر بھائی آہستگی سے بولے۔

"عمر بھائی پلیز میرا ہاتھ چھوڑیں۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑے کھڑے تھے آبرو کو ناگوار گزرا۔

"نہیں چھوڑوں گا جب تک تم مجھ سے صلح نہیں کرو گی۔" ان کے لہجے میں مان بھرا استحقاق تھا عمر بھائی دل سے چاہتے تھے کہ اس کی ہر غلط فہمی اور بدگمانی کو دور کر دیں۔

"عمر بھائی! آپ نے یہ حق خود کھویا ہے سارے تعلق خود توڑے ہیں اب کس بات کی معافی کیسی صلح؟" وہ غصے و نفرت سے چیخی عمر بھائی حیرت سے گنگ ہو گئے یہ آبرو کا انداز تو نہیں تھا۔

"آبرو!" ان کے لبوں سے سرسراتے ہوئے نکلا تھا۔

"مر گئی وہ آبرو، جسے کبھی آپ پر مان تھا جو ساری دنیا سے زیادہ آپ پر اعتماد کرتی تھی جو یہ سمجھتی تھی کہ ساری دنیا چھوڑ دے گی مگر آپ ہر مشکل میں اس کا ہاتھ تھامیں رکھیں گے اس کے برابر کھڑے رہیں گے مگر آپ نے...... آپ نے ہی سب سے پہلے اس کا مان توڑا، اسے اکیلا کیا۔"

"آبرو تم غلط سمجھ رہی ہو ایسا کچھ نہیں ہے ہم تو اچھے دوست......"

"دوست......!" آبرو نے طنز سے قہقہہ لگایا۔

"آپ کو اس کا مطلب بھی پتا ہے عمر بھائی لفظ دوستی محبت آپ کے منہ سے ادا نہیں ہونے چاہئیں کیونکہ آپ کے منہ سے یہ الفاظ بہت ہی پرائے لگتے ہیں مجھے۔"

"آبرو میں مجبور تھا ورنہ میں تو آج بھی تم سے پہلے جیسی محبت ہی کرتا ہوں تم میرے لئے بہت اہم ہو۔" عمر بھائی دلگرفتگی سے بولے انہیں سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیسے اسے یقین دلاتے۔

"لیکن میں آپ سے نفرت کرتی ہوں شدید نفرت اور بے حد پچھتاوا ہے مجھے کہ میں نے اپنی فیلنگز کو سمجھنے کی غلطی کی اور ہاں، آئندہ میرے راستے میں مت آئیے گا کیونکہ میں......" وہ رکی پھر مڑی انگلی سے ان کی طرف اشارہ کیا۔

"آپ کو اس قابل نہیں سمجھتی کہ آپ سے کسی بھی قسم کا کوئی تعلق استوار رکھوں۔" اس کا لفظ لفظ زہر میں بجھے تیر کی مانند ان کے دل میں پیوست ہو رہا تھا عمر بھائی کو لگا وہ اب کبھی کسی پہ مان نہیں کر سکیں گے خود پر اعتبار نہیں کر سکیں گے آبرو تن فن کرتی کچن سے جا چکی تھی عمر بھائی اپنی جگہ پہ جہاں کے تہاں کھڑے رہ گئے تھے چائے کا کپ کاؤنٹر پہ ویسے ہی رکھا تھا اس پر جمی کائی سیاہ ہو چکی تھی۔

☆☆☆

وہ آج پہلی مرتبہ اپنے سسرال جا رہی تھی لہٰذا پرجوش ہونے کے ساتھ ساتھ تھوڑا نروس بھی تھی پروفیسر شبیر احمد کیانی اسے لینے کے لئے آئے تھے اس سے پہلے اس کے والدین دو سے تین مرتبہ ان کے ہاں ہو آئے تھے اور آبرو ہر مرتبہ انہیں پہلے سے زیادہ خوش اور مطمئن دیکھتی تھی، فائق علی سے پروفیسر صاحب نے خود آکر اجازت لی تھی ان کی خواہش تھی کہ شادی سے پہلے ایک مرتبہ ضرور آکے وہ اپنا گھر دیکھ لے، خدیجہ بیگم کی آنکھیں تو بار بار اس مان سمان پر گیلی ہو جاتیں کس قدر محبت کرتے تھے وہ ان کی بیٹی سے اور کس قدر عزت و مرتبہ، مان سمان بخشتے تھے، نفسا نفسی کے اس دور میں ایسے عزت دار لوگ خال خال ہی نظر آیا کرتے ہیں، وہ جتنا بھی خوش ہو خدا کا شکر ادا کرتیں کم تھا، پروفیسر صاحب کچھ دیر فائق علی کے پاس کچھ دیر بیٹھنے کے بعد اسے لے کر "شبیر ولا" لے آئے تھے دو ہزار گز پہ بنا سفید بنگلہ بے حد خوبصورت تھا آبرو کی آنکھیں خیرہ کن انداز میں کھل گئی تھیں بڑا سا لان رنگ برنگے پھولوں سے اٹا بے حد دلفریب منظر پیش کرتا تھا نہایت شان سے کھڑی سفید عمارت اس کے خوابوں کے مسکن سے مشابہ تھی آبرو نے اپنی آج تک کی زندگی میں اس قدر خوبصورت اور منفرد کنسٹرکشن والا گھر بالکل بھی نہیں دیکھا تھا اس کے نزدیک صرف بڑے ابا کی حویلی ہی تمام دنیاوی آسائشوں سے پر تھی مگر وہاں آنے کے بعد اسے یقین ہوا کہ وہ غلط تھی ساتھ ہی ساتھ خود پر اپنی قسمت پر بے حد و حساب رشک آیا عباس کیانی سچ کہا کرتا تھا کہ اس کی محبت قبول کرنے کے بعد وہ واقعی میں خود پر رشک کر رہی تھی وہ اپنی قسمت پہ نازاں تھی وہ یقیناً اتنے ہی شاندار مستقبل کے قابل تھی گاڑی کے پورچ میں رکنے پر فرنٹ ڈور کھولتے وقت اس نے سوچا تھا، پورچ میں گاڑی رکنے پر فوری طور پر مسز عائشہ شبیر باہر آئیں تھیں انہوں نے بڑے پرتپاک انداز میں اس کا خیر مقدم کیا تھا وہ بہت محبت سے اسے گلے سے لگا تیں چوم رہی تھیں۔

"ماشاء اللہ بہت پیاری لگ رہی ہو۔" انہوں نے بغور اس کا جائزہ لیتے سراہا تھا وہ اس وقت ان ہی کا دلایا ہوا گہرے سبز رنگ کے شلوار سوٹ میں ملبوث تھی جس کے گلے اور دامن پہ سلور رنگ کا گورے کا دیدہ زیب و دلفریب کام بنا تھا، ہلکی گلابی لپ اسٹک کٹاؤ دار ہونٹوں کے کٹاؤ سے انصاف کر رہی تھی چمکدار کالی سیاہ آنکھوں میں تحریر کاجل کی ہلکی سی شفاف لکیر متاثر کر رہی تھی چند ایک لٹیں جو اکثر ہی چہرے کے اطراف میں پھیلی ہوتیں آج بھی ہنوز طواف میں مگن تھیں بے حد سادگی میں بھی وہ کسی قیامت سے کم نہیں لگ رہی تھی عائشہ شبیر نے بے ساختہ اپنے بیٹے کی پسند کی داد دی تھی وہ اسے لئے اندر آگئی تھیں باہر کی طرح گھر اندر سے بھی بے حد شاندار تھا، ہر چیز بے حد اعلیٰ و قیمتی تھی گھر کے انٹرنس پر سے لے کر کارپٹ تک اور کارپٹ سے لے کر پردوں تک ہر چیز بے حد نفیس اور خوبصورت انداز میں سیٹ کی گئی تھی، وہ بے حد ستائشی انداز میں گھر کا جائزہ لے رہی تھی۔

"کیسا لگا اپنا گھر؟" پروفیسر صاحب نے اسے مگن سے انداز میں گھر کا جائزہ لیتے دیکھ کر پوچھا تھا، عائشہ شبیر اس کے لئے کولڈ ڈرنک لینے کچن میں گئی تھیں۔

"جی بہت پیارا ہے۔" وہ آہستہ سے کہتی سر جھکا گئی تھی کچن سے ٹرے لے کر نکلتی عائشہ شبیر نے بہت محبت سے آبرو کا شرمایا لجایا روپ دیکھا تھا پھر محبت سے اسے فریش جوس کا گلاس پکڑایا تھا۔

"اس گھر کو غور سے دیکھو آبرو اور جو کمی کہیں لگے ہمیں بتاؤ تاکہ تمہارے آنے سے پہلے ہم وہ بھی پوری کر لیں۔"

"ارے ہم کیوں کریں گے کمی بیشی دور جو کرنا ہو گا خود ہی آکے کرے گی ہماری بیٹی سے اضافہ کرے چاہے گی۔" پروفیسر صاحب نے جوس کا خالی گلاس تپائی پہ رکھتے فوراً ٹوکا تھا۔

"ارے ہاں یہ آئیڈیا تو نہایت شاندار ہے تو پھر ٹھیک ہے آپ جلد ہی بھائی صاحب سے بات کریں تاکہ ہماری امانت ہمیں جلد از جلد سونپ دیں، پھر آبرو جانے اور یہ گھر ہمارا کام ختم۔" وہ بہت پرجوش انداز میں مستقبل کی پلاننگ کر رہی تھیں۔

"آؤ آبرو تمہیں تمہارا گھر دکھاؤں۔" عائشہ شبیر نے لفظ تمہارا پہ خصوصی زور دیتے کہا تھا۔

"آپ گھر کا کام خود سنبھالتی ہیں کیا؟" اپنی آمد کے ڈیڑھ دو گھنٹے بعد بھی جب اس نے کوئی نوکر نہ دیکھا تو کہے بغیر رہ نہ سکی تھی۔

"تین چار ملازم ہیں مختلف کاموں کے لئے مگر اتوار کو چونکہ ہم سب کو چھٹی ہوتی ہے اسی لئے اس روز ہم ملازموں کو بھی چھٹی دے دیتے ہیں اور چھٹی کے روز تو عباس کو شیف کے ہاتھ سے پانی لے کے پینا بھی زہر کی حد تک ناپسند ہے اسی لئے میں ہر کام اپنے ہاتھ سے کرتی ہوں۔" عباس کا ذکر کرتے وقت ان کے لہجے میں وہی ممتا بھرا احساس پنہاں تھا وہ بلاشبہ ایک اچھی ماں تھیں۔

"آپ کا گھر بہت پیارا ہے میڈم!" پورے گھر کو بغور دیکھتے اس نے تعریف کی تھی مسز عائشہ شبیر نے اس لمحے اسے غور سے اور کچھ حیرت سے دیکھا تھا پھر مسکراتے ہوئے ٹوکا تھا۔

"میڈم نہیں ماں، تم بیٹی ہو میری میرے عباس کی دلہن اور جو مجھے عباس اور میرے دوسرے بچے مجھے پکارتے ہیں تم بھی وہی پکارو گی۔" انہوں نے بہت محبت سے اسے سمجھاتے کہا تھا آبرو نے آہستگی سے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"آپ اپنے باقی بچوں کو مس تو بہت کرتی ہوں گی ناں۔" جب انہوں نے اپنے بڑے بیٹا اور بیٹی کے کمرے دکھائے تو آبرو پوچھے بغیر نہ رہ سکی تھی۔

"بہت کرتی ہوں میری جان! مگر کیا کروں یہاں رہنا بھی مجبوری ہے سروس پوری کرنی ہے حالانکہ کافی مرتبہ ریزائن کرنے کی کوشش کی ہے مگر ریجکٹ کر دیا جاتا ہے بچے الگ ضد کرتے ہیں کہ یہاں امریکہ ہمارے پاس آ جائیں مگر عباس جانا نہیں چاہتا اور پھر تمہارے بابا کا بھی کوئی ارادہ نہیں سو ہم لوگ ہر گرمیوں کی چھٹیاں وہاں گزارنے چلے جاتے ہیں ہاں اس مرتبہ وہ لوگ پروگرام بنا رہے ہیں پاکستان آنے کا کیونکہ ان کا ارادہ ہے اپنی بھابھی کے ساتھ کچھ وقت بتانے کا۔" وہ پیار سے اس کی ٹھوڑی چھوتے ہوئے اسے تفصیل بتا رہی تھیں۔

"اگر آپ کی باتیں ختم ہو گئی ہوں تو کچھ وقت مجھے بھی دے دیں ماں، مشکل سے تو آپ کی بہو نظر آئی ہے۔" وہ جب سے یہاں آئی تھی لاشعوری طور پر ہر آہٹ پہ اسی کا گمان کر رہی تھی مگر وہ کسی طور دکھائی نہ دے رہا تھا اور اب آیا بھی تو دبے پاؤں اس نے تو اپنی آمد کی بھنک بھی نہیں پڑنے دی تھی نجانے وہ کب وہاں آیا تھا۔

"ارے کوئی ہم ماں بیٹی سے جیلس ہونے کی کوشش نہ کرے۔" عائشہ شبیر نے بیٹے کو دھمکی دی تھی مگر وہاں کون سا کوئی اثر ہونا تھا عباس کیانی دھمکیوں سے کہاں ڈرنے والا تھا۔

"ماں پلیز اب آپ تو مت ستائیں ناں آپ کی بہو کیا کم ہے۔" عباس کیانی نے محبت پاش نگاہیں اس کے دلفریب سراپے پہ گاڑتے ماں سے شکایت کی تھی عباس کیانی کے لہجے میں بچوں جیسی ضد تھی گویا وہ ماں کا بے حد لاڈلا تھا۔

"اوکے تم لوگ باتیں کرو میں تب تک کچن دیکھ لیتی ہوں، میری بیٹی کو زیادہ ستانا مت ورنہ مار کھاؤ گے۔" جاتے جاتے انہوں نے پھر وارن کیا تھا اس بار آبرو بھی مسکرائی تھی۔

"ویلکم ٹو یور ہوم۔" ماں کے جانے کے بعد عباس کیانی نے آہستگی سے پلکیں گراتی جھپکاتی سر جھکا کے کھڑی آبرو کو دیکھتے ہولے سے کہا تھا پھر اپنی چوڑی ہتھیلی اس کی جانب بڑھائی تھی آبرو نے اپنا مخروطی انگلیوں والا ہاتھ آہستگی سے رکھ دیا تھا، عباس کیانی نے محبت سے اس کی انگلی میں پڑی ہیرے جڑی انگوٹھی دیکھی تھی وہ انگوٹھی عباس کیانی کے بعد سے آبرو نے اپنے ہاتھ سے کبھی نہیں اتاری تھی، وہ اسے لئے خاموشی سے اپنے کمرے کی جانب بڑھا تھا۔

"یہ ہمارا بیڈروم......" وہ اسے لئے اندر آیا تھا مگر آبرو کے پاؤں دروازے میں ہی کسی گلو سے چپک گئے تھے وہ مہا حیرت میں مقید کمرے کی دیواروں پہ آویزاں اپنی تصاویر دیکھ رہی تھی جو بے حد اچانک اور اس کی لاعلمی میں بنائی گئی تھیں پورا کمرہ اس کی تصاویر سے سجا تھا۔

"عباس یہ...... یہ سب......؟" آبرو نے اپنی حیرت میں اس کی بات نہیں سنی تھی۔

"یہ سب تو کچھ بھی نہیں جتنا کچھ عباس کیانی کے دل میں چھپا ہوا ہے۔" وہ ہولے سے اس کے نزدیک آتے ہوئے بولا تھا آبرو کی نگاہیں شرم سے جھک گئیں، ہتھیلیاں الگ نم ہوئیں عباس کیانی نے جی بھر کے اس کی حیا کو دیکھا پھر اس کا ہاتھ تھام کر آگے بڑھا۔

"آؤ تمہیں کچھ دکھانا ہے۔" وہ اس کا ہاتھ تھام کر کمرے کی دیواروں پہ آویزاں تصاویر کے قریب جا رہا تھا آبرو کا نازک وجود عباس کیانی کی پناہ میں پگھل رہ تھا، اس کا نازک سا ہاتھ ہولے ہولے لرز رہا تھا عباس کیانی اس کے گریز کو بھانپتے دل ہی دل میں مسکرایا تھا۔

وہ ایک تصویر کے سامنے رکا تھا وہ اس روز کالج میں کیریکل آفس کے سامنے فائل سینے سے لگا کر کھڑی تھی جبھی عباس کیانی کے اس کی وہ تصویر بنائی ہوگی آبرو کو یاد آیا وہ ہمیشہ یونہی فائل کو سینے سے لگا کر چلا کرتی تھی، تصویر میں وہ اپنے ہی کسی خیال پہ مسکرا رہی تھی۔

"تمہیں پتہ ہے آبرو تمہاری مسکان کتنی خوبصورت ہے جب تم ہنستی ہو تو یوں محسوس ہوتا ہے کائنات مسکرانے لگی ہو جیسے بارش میں دھل کر ہر ذرے کی کثافتیں دور ہو کر اجلا پن بڑھا دیں، مسکراتی رہا کرو۔" وہ ایک جذب کی عالم میں گھر کے اس سے کہہ رہا تھا، آبرو اس کی سانسوں کے زیر و بم میں گھری بے خودی کے فسوں میں ڈوب رہی تھی وہ اسے لئے ایک اور تصویر کے سامنے رکا تھا، آبرو کا ہاتھ ابھی بھی اس کے ہاتھ میں تھا یہ ان کے نکاح کی تصویر تھی جس میں آبرو روتے ہوئے نکاح نامے پہ جھکی دستخط کر رہی تھی۔

"جب تم دکھی ہوتی ہی ناں آبرو تو ہر چیز دکھی ہو جاتی ہے اور میں...... میرے دل پہ تو برچھیاں سی چلنے لگتی ہیں مجھ سے ایک وعدہ کرو آج حالات جیسے مرضی ہوں تم کبھی نہیں روؤ گی۔" وہ اس کی ٹھوڑی چھوتے اس کا چہرہ اوپر کرتے کہہ رہا تھا۔

یہ ایک التجا تھی
یا درخواست
یا محبت کے زعم میں کیا گیا مان؟

جو بھی تھا جیسا بھی تھا مگر آبرو علی کو خود پہ رشک کرنا سکھا رہا تھا، عباس کیانی کی محبت کے سمندر میں پاؤں پاؤں آگے دھکیل رہا تھا وہ لمحہ بہ لمحہ پاؤں پاؤں آگے بڑھتی اس سمندر میں ڈوب رہی تھی آہستہ آہستہ عباس کیانی کی محبت کسی موذی نشے کی مانند اس کے رگ روپے میں سرائیت کرتی جا رہی تھی وہ بلاشبہ دنیا کی خوش قسمت ترین لڑکیوں میں سے ایک تھی۔

"میں چاہ رہی تھی کہ کالج میں تمام اسٹاف کو تمہارے اور عباس کے نکاح کی خوشی میں ایک پارٹی دوں تمہارا کیا خیال ہے۔" کھانے کے بعد چائے کا جب دور چلا تو عباس کیانی کے کہنے پر آبرو نے چائے بنائی تھی عائشہ شبیر کچن میں اس کے پاس کھڑی تھیں جب انہوں نے اس سے کہا تھا۔

"جیسے آپ کی مرضی مما...... مگر......" آبرو کچھ کہتے ہچکچائی۔

"مگر کیا...... کھل کے کہو بیٹا۔"

"دراصل میرے امتحانات ہونے والے ہیں اور جب پورے کالج کو میرے اور آپ کے موجودہ تعلق کا پتہ چلے گا تو میری ریپوٹیشن خراب ہو سکتی ہے کوئی بھی ٹیچر مجھے جج کرنے سے پہلے آپ کے اور میرے رشتے کو مدنظر رکھتے ہوئے فیصلہ کرے گی آپ سمجھ رہی ہیں ناں میں کیا کہنا چاہتی ہوں۔" اسے زندگی میں پہلی مرتبہ اپنی بات کسی کو سمجھانا بے حد مشکل لگا تھا۔

"جیتی رہو آبرو، خدا تمہیں دائمی خوشیوں سے نوازے تمہاری یہی خوبی تو تمہیں منفرد و ممتاز بناتی ہے کہ تم دوسروں پر انحصار نہیں کرتیں داد دینی پڑے گی تمہاری سمجھداری کی حیرت ہے ایسا کوئی خیال میرے من میں کیوں نہیں آیا بہرحال جیسی تمہاری خوشی لیکن تم ایک برائٹ اسٹوڈنٹ ہو اور یہ بات سب ہی جانتے ہیں۔" انہوں نے بے حد محبت سے کہتے اسے خود سے لپٹایا تھا۔

☆☆☆

دوسرے روز وہ خدیجہ بیگم کے پاس بیٹھی

انہیں وہ تمام تحائف دکھا رہی تھی جو عائشہ شبیر نے واپسی پہ اسے پہلی بار گھر آنے کی خوشی میں دیئے تھے ڈھیر سارا امپورٹڈ میک اپ کپڑے میچنگ سینڈلز جیولری ہر چیز انہوں نے دل کھول کے وافر مقدار میں آبرو کے لئے خریدی تھی۔

”بہت خوبصورت ہے یہ سب اللہ پہننا اوڑھنا نصیب کرے آمین۔“ خدیجہ بیگم نے تمام تحائف دیکھتے دل سے دعا دی تھی۔

”اتنے محبت کرنے والے لوگ ہیں امی جان، کہ خود پر رشک کرنے کو جی چاہتا ہے اب آ کے پتا چلا ہے کہ دنیا میں ایسے محبت کرنے والے بے غرض لوگ بھی موجود ہیں ورنہ تو ایک صرف ددھیال والوں کی بے جا نفرت سے ہی پالا پڑا تھا، ایک بات تو بتائیں امی جان۔“ کافی مہینوں سے دل میں کلبلاتا سوال بالآخر آبرو کی نوک زبان پہ آ ہی گیا تھا۔

”بڑے ابا نے وہ سب واقعی میں ابا جی کے سامنے تمام بہن بھائیوں کی موجودگی میں کہا تھا۔“

”ہاں۔“ خدیجہ بیگم نے ٹھنڈی سانس بھری۔

”اور ان میں سے کسی نے بھی بڑے ابا کو روکا تک نہیں۔“ اب کی بار اس کے لہجے و انداز میں افسردگی کے ساتھ حیرت بھی تھی۔

”انہوں نے ہمیں قبول ہی کب تھا آبرو، کہ یوں ہماری زندگی کے اہم فیصلوں میں رائے دیتے یا بڑے ابا کو کسی بھی غلط اقدام سے روکتے، تمہاری پھپھو اور بڑے دونوں چچاؤں نے ساری زندگی بڑے ابا کے دل و ذہن میں فائق علی کے خلاف زہر بھرا، جائیداد جو کھا رہے ہیں فائق علی کی اور فائق علی کے حق میں بولنا دراصل اس جائیداد سے ہاتھ دھونے کے مترادف تھا جو فائق علی کا حصہ ہے اور جو بڑے ابا نے مجھ سے شادی کرنے کے جرم میں ان سے چھین لی تھی۔“ آبرو کے دل پہ گویا کسی نے برچھی سے وار کیا وہ تڑپ اٹھی۔

”تو ابا کیوں بار بار ان کے ہاں جاتے ہیں امی، بچپن سے دیکھتی آ رہی ہوں بلاوجہ بھائیوں کی خوشامدیں کرتے، بڑے ہیں ان دونوں سے تو پھر بے جا طرفداری اور حمایت کیوں کرتے ہیں ان کی جب وہ ابا جی سے ملنے نہیں آتے کیوں بھاگ بھاگ کر حویلی جاتے ہیں انہیں کیوں یاد ستاتی ہے ان سب کی جب انہیں احساس تک نہیں ہے۔“ وہ باپ کی بے عزتی و بے حسی کو محسوس کرتے رو ہی تو دی۔

”ہر انسان اپنے ظرف کے مطابق عمل کرتا ہے آبرو، تمہارے باپ کا بلند ظرف اس سے یہ عمل کرواتا ہے وہ درگزر سے کام لینا جانتے ہیں وہ صابر ہیں جبکہ ان کے بھائیوں میں اس وصف کی کمی ہو گی شاید۔“ یہ جانتے ہوئے بھی کہ آبرو ان کے دیئے جواب سے مطمئن نہیں ہو گی انہوں نے پھر بھی اس کے ددھیال کا بھرم رکھنا چاہا تھا۔

☆☆☆

اس کی شادی کی ڈیٹ فکس ہوئی دونوں جانب سے تیاری عروج پر پہنچ گئیں فائق علی نے خدیجہ بیگم کو دل کھول کے پیسہ دیا تھا جسے وہ پانی کی طرح سے بہا رہی تھیں ہر چیز بے حد اعلیٰ قیمتی خریدی جا رہی تھی تو دوسری جانب مسز عائشہ شبیر بھی کم نہیں تھیں ان کے گھر میں ڈھولک رکھی جا چکی تھی ان کی بڑی بیٹی سویرا امریکہ سے آ چکی تھی جبکہ بیٹا عثمان اس کی فیملی شادی سے دو روز پہلے آ رہے تھے بری کی خریداری کے سلسلے میں دونوں ماں بیٹی تقریباً ہر شام آن موجود ہوتیں ہر چیز آبرو کی پسند سے خریدی جا رہی تھی مگر عباس کیانی کو اگر وہ پسند نہ آتی تو وہ واپس کر دی جاتی کہ آبرو کا تمام بناؤ سنگھار تھا تو اپنے جیون ساتھی کے لئے ہی ہو...... وہ اکثر عباس کیانی کی رائے کو مقدم جانتی مسز عائشہ شبیر ان دونوں کی آپسی محبت اور انڈر اسٹینڈنگ دیکھتیں تو دل ہی دل میں ان کی دائمی خوشیوں کی دعائیں مانگتی نہ تھکتی تھیں۔

شادی کا کارڈ حسب روایت و حسب منشاء فائق علی نے حویلی بھجوایا تھا خود جا کے دینے سے گریز کیا تھا اور آبرو کے حسب توقع وہاں سے کارڈز لوٹا دیئے گئے تھے گویا ان لوگوں کا شادی میں شرکت کا کوئی ارادہ نہ تھا فائق علی دکھی سے ہو گئے مگر اپنے اندر کی ٹوٹ پھوٹ آشکار کیے بغیر وہ شادی کے انتظامات میں مصروف رہے تھے اس کی شادی کی تمام تیاری تقریباً مکمل تھی مگر اس نے عمر بھائی کو نہیں دیکھا تھا وہ کہاں بزی تھے اس نے خدیجہ بیگم سے نہیں پوچھا ہاں مگر وہ اتنا ضرور چاہتی تھی کہ وہ آئیں اور اس کی شاندار تیاری سسرال میں ملنے والی محبت، عزت قدر کو دیکھیں اور جانیں کہ وہ کس قابل ہے اس کی شادی میں محض ایک ہفتہ باقی تھا جب ایک شام وہ چلے آئے۔

محلے کی لڑکیاں آبرو کے جہیز کے کپڑوں کی پیکنگ کر رہی تھیں فائق علی الیکٹرونکس کا سامان اتروا کر اندر احتیاط سے کمروں میں رکھوا رہے تھے آبرو کا جہیز اس کی سسرال مہندی والے روز جانا تھا وہ سیدھا انہیں کے پاس چلے آئے تھے فائق علی ان سے بڑے تپاک سے ملے تھے خدیجہ بیگم بھی واری صدقے ہوئے جا رہی تھیں آبرو نے کنکھیوں سے دیکھا وہ لڑکیوں کی جھرمٹ میں گھری آبرو کو ہی دیکھ رہے تھے آبرو نے منہ پھیر لیا عمر بھائی نا چاہتے ہوئے بھی ہنس دیئے پھر وہ ہفتہ میں تین چار مرتبہ آئے بقول ابا کہ آبرو کی شادی کی تمام ذمہ داریاں عمر نے اپنے کندھوں پہ ڈال لیں تھیں۔

انہوں نے ناحق اپنے نازک کندھوں پہ بوجھ ڈالا حالانکہ اس کی کوئی ضرورت تو نہ تھی آبرو نے سنا تو کہے بغیر نہ رہ سکی تھی۔

”اری چپ کیسی غیروں والی باتیں کرتی ہے تیرا تایا زاد ہے اور اگر وہ یہ سب نہیں کرے گا تو بھلا کون کرے گا۔“ خدیجہ بیگم نے جواباً خوب اچھی جھاڑ پلائی تھی۔

”مجھے کسی کی ضرورت نہیں ہے۔“ آبرو غصے سے چیخی تھی۔

”بکواس بند کر اپنی ویسے بھی وہ کل انگلینڈ جا رہا ہے تمہاری دلی خواہش پوری ہو رہی ہے نہیں ہو گا وہ تمہاری شادی میں۔“ خدیجہ بیگم نے گھرکتے ہوئے اسے ٹوکا تھا۔

اندر عمر بھائی فائق علی کے پاس آئے بیٹھے تھے جیسے ہی انہیں معلوم پڑا تھا کہ بڑے ابا سمیت حویلی میں سب نے کارڈز واپس بھیج دیئے تھے وہ فوراً سے پیشتر وہاں پہنچے تھے، فائق علی انہیں گلے سے لگا کر رو دیئے تو عمر بھائی بھی اپنا ضبط کھو بیٹھے۔

”چھوڑ دیں انہیں ان کے حال پہ چچا جان وہ لوگ کبھی نہیں مانیں گے آپ ناحق خود کو ایذا پہنچاتے ہیں۔“ وہ بھیگی آنکھوں سے ان کے لرزتے ہاتھ تھامتے بھرائے لہجے میں التجا کر رہے تھے۔

”کیا کروں عمر اب برداشت جواب دے گئی ہے بڑے ابا کے ناروا سلوک نے جگر چھلنی کر دیا ہے میرا، انہوں نے کبھی بھی باپ والا مشفقانہ رویہ نہیں رکھا میرے ساتھ، ساری عمر حق تلفی کی جائیداد سے بے دخل کیا کہ میری معصوم

بیٹی کی عزت اچھال دی میں چپ رہا، میری بیٹی کو گناہوں کی پوٹ کہا، میں پھر بھی چپ رہا کیا تھا اگر وہ گزشتہ غلطیوں کی تلافی کے لئے صرف تھوڑی دیر کے لئے رخصت کرنے آ جاتے میرے دکھوں کا مداوا ہو جاتا میرا کچھ بھرم رہ جاتا، میں نے غیر برادری میں رشتہ کس وجہ اور کس مجبوری میں کیا کبھی تم نے سوچا عمر، مجھے اس اقدام پہ مجبور کس نے کیا، کیا کبھی بڑے ابا نے ایسا سوچا کبھی منصفی سے کام لیا۔"

"چچا جان پلیز، آپ دکھی مت ہوں وہ وقت کے فرعون ہیں اس وقت ان کی آنکھوں پہ خودی کی پٹی بندھی ہے اس وقت وہ سوچنے اور سمجھنے کی حالت میں نہیں ہے۔"

"ہونہہ کون جیے گا تیرے زلف کے سر ہونے تک۔" آبرو نے تلخی سے سوچا تھا۔

"میں بنوں گا آپ کا سہارا ہر قدم پہ، ہر مشکل میں آپ کو کسی سے مدد کی بھیک مانگنے کی ضرورت ہرگز نہیں ہے۔" عمر بھائی کے لہجے میں اک عزم بول رہا تھا فائق علی نے انہیں سینے سے لگا لیا تھا۔

☆☆☆

اس کے ہاتھوں پہ مہندی رچی تھی تمام سہیلیاں اس کے گرد گھیرا ڈالے بیٹھی کل کے دن کے حوالے سے چھیڑ خانیاں کر رہی تھیں اس کا پکے ہوئے گندم کے خوشوں جیسی سنہری رنگت دمک رہی تھی۔

"مہندی آ گئی۔" اچانک شور بلند ہوا اور سب لڑکیاں بالیاں باہر کو دوڑیں وہ اب کمرے میں تنہا تھی۔

"عباس کیانی!" دل کے سروں میں ایک ہی تال بج رہی تھی، دھڑکنیں بے ہنگم انداز میں سر الاپ رہی تھیں، جذبات من آنگن میں انگڑائیاں لے کر بے قراری بڑھا رہے تھے، مگر......

"یہ شور کیسا تھا، یہ لوگ کون تھے، یہ یہاں اس وقت کیا کرنے آئے تھے۔" انہوں نے تو اسے اس قابل کبھی گردانا ہی نہیں تھا کہ سیدھے منہ بات بھی کر لیں تو پھر۔

"وہ کیسے حق کی بات کر رہے تھے کس مان کس بھرم اور لاج کو درمیان میں لا رہے ہیں۔" اس نے سن ہوتے دماغ کے ساتھ سوچنا چاہا اس نے اپنوں کی محبتوں کے ترسے ہوئے اپنے مجبور بے کس باپ کو دیکھا جو اتنی ہتک و تذلیل کے باوجود بھی اپنی بیٹی کو اپنے باپ کے ساتھ جانے کو کہہ رہا تھا، اس نے بے اختیار جھکے ہوئے سر اور جھکے کندھوں والے مجبور باپ کو دیکھا جس کی آنکھوں سے لہو ٹپک رہا تھا۔

وہ بہت کچھ پوچھنا چاہتی تھی اپنے باپ سے کہ کس حق کس برتے پہ یہ لوگ اسے لینے آئے ہیں اور کیوں؟ اور آج ان چھبیس برسوں میں کسی نے انہیں یہ بتایا اور یاد دلایا کہ وہ اس خاندان کی پوتی ہے جس خاندان کے تمام افراد بے حد عزت دار ہیں، اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا ضرور مگر اس کی زبان گنگ ہو گئی اس نے اپنی ماں کو زندگی میں پہلی مرتبہ اس شر پسند اور انانیت پسند باپ کے ساتھ جرح کرتے بھی دیکھا وہ آدمی اپنی فرعونیت کی ردا اوڑھے کیا کہہ رہا تھا اسے کچھ سنائی نہیں دیا۔

"عمر بھائی کہاں تھے؟" سن ہوتے دماغ نے انہیں ایک آخری امید کی صورت تلاشنا چاہا مگر وہ تو دو روز قبل ہی انگلینڈ جا چکے تھے اس کی آنکھیں تاریکی میں گم ہو رہی تھیں وہ ہوش کھو رہی تھی مگر کسی نے اسے تھام لیا تھا پر وہ محسوس نہیں کر پائی تھی۔

☆☆☆

اسے یہاں آئے تقریباً ڈیڑھ ماہ کا عرصہ ہو چکا تھا، اس عرصے میں پروفیسر شبیر احمد کیانی کی فیملی سے جو بن پڑا انہوں نے کر کے دیکھ لیا تھا عباس کیانی جانے دن میں کتنی ہی مرتبہ صرف ایک بار ملنے دیکھنے کی چاہ لے کر آتا مگر ہر بار ٹھکرا دیا جاتا اس گھر کے مکینوں کے دل تو پہلے سے سخت تھے وہ جذبات کی زبان سے نابلند و ناواقف محبت کے بیاں کو کیا سمجھتے، گھر کے کسی لڑکی یا لڑکے کو اس سے ملنے کی اجازت نہ تھی صرف انیلا چچی کو اس کے کمرے میں آنے کی اجازت تھی، عمر بھائی تو انہیں دیار غیر میں اس تمام صورتحال سے دانستہ بے خبر رکھا گیا تھا ان کے خیال میں آبرو بخیر و عافیت اپنے گھر کی ہو چکی تھی اور بے حد اچھی زندگی گزار رہی تھی۔

بڑے ابا اکثر اس کے پاس آ بیٹھتے، اس سے بے حد پیار جتلاتے مختلف موضوع پہ تبادلہ خیال کرتے جن کا لب لباب یہی ہوتا کہ وہ ان کی عزت و وقار کی پاسداری کرے ان کا شملہ اونچا رکھنے میں ہر ممکن طور پر قربانی دے وہ بے حد خاموشی سے ان کی تمام باتیں سنا کرتی اختتامیہ یہ صرف ایک کا سوال ہمیشہ کی طرح دہرائی۔

"آپ نے میرے ساتھ یہ ظلم کیوں کیا بڑے ابا؟" اور بڑے ابا کے پاس اس بات کا کوئی جواب نہ ہوتا وہ لاجواب ہو کر رہ جاتے آبرو ان کے جانے کے بعد پھوٹ پھوٹ کے رو دیتی۔

☆☆☆

دفع 10 Recovery of dower کے تحت اس کا خلع نامہ عدالت میں دائر کرنے کا سوچا گیا تھا کاغذات تیار تھے وکیل کو فیس دی جا چکی تھی ایک دوپہر بڑے ابا کے ہمراہ اس کے بڑے دونوں چچا اور اکلوتی و لاڈلی پھپھی اس کے کمرے میں آئے تھے آبرو ٹکر ٹکر ان کے چہرے دیکھ رہی تھی، صفیہ پھپھو بڑی نزاکت سے اپنی قیمتی ساڑھی کا پلو سنبھالتی نخوت سے ناک چڑھائے بظاہر مسکرا کر اس کے پاس آ بیٹھی تھیں، دونوں چچاؤں نے بے حد پر شفقت انداز میں اس کے سر پہ ہاتھ رکھا تھا یہ الگ بات تھی کہ اسے شفقت و محبت کا احساس کسی کے بھی ہاتھ میں نہیں ہوا تھا۔

"آبرو! ان پہ دستخط کر دو بیٹا۔" صفیہ پھپھو نے موت کا پروانہ اس کے سامنے رکھتے اس کے ہاتھ میں پنسل تھمائی مگر اس نے نہیں پکڑی وہ اندر سے بے حد ڈر گئی تھی۔

"یہ کیا ہے؟" اس نے ایک طائرانہ نگاہ کمرے میں موجود تمام نفوس پہ ڈالتے آخر میں بڑے ابا کی جانب دیکھا جو کھڑکی کی جانب منہ موڑے اس کے دستخط کرنے کے انتظار میں تھے۔

"خلع نامہ۔" عمران چچا نے بڑے تحمل سے جواب دیا تھا۔

"کس کو خلع دلوا رہے ہیں چچا، کیا اقراء کو۔" اس نے ان کی سب سے بڑی بیٹی کا نام لیا جو شادی کے بعد امریکہ سیٹل تھی عمران چچا نے بے ساختہ پہلو بدلا۔

"آبرو یہ تمہارے خلع کے کاغذات ہیں کسی اور کے نہیں اور تم نے ہی ان پہ دستخط کرنے ہیں۔" پھپھو نے ناگواری سے کہتے دانت چبائے۔

"آپ سے کس نے کہا کہ مجھے خلع چاہیے کہ یوں کاغذات لئے چلے آئے۔" اب کی بار وہ بھی درشتی بولی تھی۔

"زیادہ زبان درازی کرنے کی ضرورت نہیں ہے لڑکی، غیر برادری میں رشتہ داری کر کے جو کلنک کا ٹیکہ تم نے ہمارے ماتھے پہ لگایا ہے اسے دھونے کے لئے اس کے علاوہ ہمارے پاس اور کوئی راستہ نہیں بچا بہتر ہے دستخط کر دو ہماری عزت کا جنازہ مت نکالو۔"

"میں دستخط نہیں کروں گی پھپھو چاہے جس کا مرضی جنازہ نکلے۔" اس نے کاغذات اٹھا کر دور پھینکتے اپنا فیصلہ سنایا تھا۔

"تم سے تمہاری مرضی کسی نے پوچھی ہے آرام سے چپکی بیٹھی رہو، ہم آرام سے بات کر رہے ہیں تو یہ مت سمجھو کہ ہم تمہارے نخرے اٹھاتے پھریں گے اگر تم نہ مانیں تو ہم دوسرا راستہ بھی اختیار کر سکتے ہیں بہتر ہے ہمیں مجبور مت کرو۔" اب کی بار کافی دیر سے خاموش بیٹھے سجاد چچا نے بھی لب کشائی کی تھی۔

"اور آپ لوگ کر بھی کیا سکتے ہیں کسی مجبور و بے کس کی آہیں لینے کے سوا اور مجبور بھی کون آپ کا اپنا سگا ماں جایا بھائی، ہاہ آپ لوگوں کو ذرا شرم نہ آئی اپنے اس بھائی سے ایسا سلوک کرتے جس نے ہمیشہ آپ لوگوں کے لئے پسینے کی جگہ خون بہایا ہے جس نے ہمیشہ آپ لوگوں کی خواہشات کا بھرم رکھا ہے خود بھی تو بیٹوں والے ہیں تو پھر اس کی بیٹی کا کیوں نہیں سوچا آپ لوگوں نے ناعاقبت اندیش ہیں اور دینا والوں کے لئے ایک مثال بن چکے ہیں کتنے ظالم ہیں آپ لوگ۔" وہ انہیں آئینہ دکھاتے روتے چیخی تھی۔

"بکواس بند کرو لڑکی! کچھ زیادہ ہی زبان چلنے لگی ہے تیری، شرم و حیا نام کو نہیں یہ سکھایا ہے تجھے تمہارے والدین نے بڑوں سے ایسے بات کرتے ہیں کیا۔" پھپھی نے بے ساختہ آئینے میں نظر آتی اپنی مکروہ شکل سے نظریں چراتے اسے بالوں سے پکڑ کر جھنجھوڑا تھا اور کمرے میں موجود کسی نفوس نے انہیں اس حرکت پہ نہیں ٹوکا تھا بڑے ابا نے بھی نہیں جو اسے اپنی ذمہ داری بنا کر ساتھ لائے تھے، دکھ و رنج اذیت و بے بسی کے احساس سے اس کی آنکھیں چھلک گئی تھیں تکلیف کا احساس ہر احساس پہ بھاری تھا پر یہ تکلیف بال کھینچنے کی نہیں بلکہ اپنے خونی رشتوں کے ناروا سلوک کی تھی جو برداشت سے باہر تھی حد سے سوا تھی۔

"تمہیں ان پر دستخط کرنے ہوں گے دیکھتی ہوں کیسے نہیں کرتیں۔" صفیہ پھپھو نے زبردستی کاغذات کا پلندہ پنسل سمیت اس کی گود میں رکھا پھر مٹھی میں جکڑے بالوں کو جھٹکا دے کر اسے حکم دیا تھا، اسی اثناء میں دروازہ کھلا اور کوئی اندر آیا تھا پھپھی نے اس کے بال چھوڑے اور سیدھی ہو بیٹھیں، آنے والے عمر بھائی تھے۔

"آپ سب لوگ باہر جائیں دستخط میں خود کروا لوں گا۔" انہوں نے کمرے کے وسط میں کھڑے ہو کر جیسے اعلان کیا تھا، بکھرے بالوں اور متورم پپوٹوں والی آبرو نے ایک زخمی نگاہ عمر بھائی پہ ڈالی تھی۔

"یہ اب آیا تھا، جو اسے اپنا کہتا تھا۔" سب لوگ ایک ایک کر کے کمرے سے رخصت ہوئے تو وہ دروازہ بند کر کے اس کے قریب آن بیٹھے، وہ آج صبح ہی لوٹے تھے اور انیلا چچی کے مطلع کرنے پر فوری طور پہ فائق علی سے ملنے پہنچے تھے، انہیں اپنی لاعلمی پہ حد درجہ افسوس ہوا انہوں نے ان ڈیڑھ ماہ میں فائق علی سے رابطہ کیوں نہ کیا تھا کاش وہ یہاں ہوتے تو نوبت یہاں تک پہنچنے ہی نہ دیتے۔

"کیسی ہو؟" وہ اس کے پاس بیڈ پہ بیٹھے ہوئے پیار سے بولے تھے ان کے لہجے میں ویسی ہی اپنائیت اور محبت تھی جو ان کے لہجے و انداز میں ہمیشہ آبرو کے لئے ہوتی تھی آبرو کو اس لمحے شدت سے احساس ہوا تھا کہ عمر بھائی ہی اسے اس مشکل سے نکالنے کو نجات دہندہ کا کام سر انجام دے سکتے ہیں۔

"آپ کو کیسی نظر آ رہی ہوں۔" آبرو کا دلگیر اور نروٹھا انداز دلسوز تھا انہوں نے بے ساختہ موتیوں کی مانند گرتے اس کے آنسوؤں اور بھرائے لہجے میں کہتی آبرو کو دیکھا انہیں از حد دکھ و شرمندگی ہوئی آبرو کو چونکہ اس وقت کسی ہمدرد کی اشد ضرورت تھی لہٰذا اس لئے ساری ناراضی بھلائے شکوہ کر بیٹھی۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا آبرو، میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہارے ساتھ کچھ غلط نہیں ہونے دوں گا۔"

"میں بے حد شرمندہ ہوں مگر میں بے خبر تھا مجھے کسی نے بھی اس سب کے بارے میں نہیں بتایا ورنہ میں جلدی لوٹنے کی کوشش کرتا۔" وہ بہت دکھی سے کہہ رہے تھے آبرو کو یقین کرنے میں تامل نہیں ہوا کیونکہ وہ جانتی تھی کہ وہ انہیں یقیناً بے خبر رکھا گیا ہوگا۔

"ان سب لوگوں نے میرے ساتھ بہت غلط کیا عمر بھائی، مجھے یہاں قید کر دیا ہے، ابا جی اور امی سے بھی نہیں ملنے دیتے، عباس سے بھی نہیں۔" وہ دیوانگی سے کہتی کوئی اور لڑکی تھی کم از کم آبرو تو نہیں عمر بھائی نے ٹھنڈی سانس بھر کے سوچا۔

"ایک بات کہوں آبرو!" انہوں نے کاغذات کا پلندہ اٹھا کر دیکھتے بات کا آغاز کیا تھا۔

"جب بات ضد اور انا میں آ جائے تو فائدے اور نقصان کی پرواہ نہیں کی جاتی، اپنی انا کی جنگ میں جیت کے حصول میں انا پرست لوگ کسی کی جان بھی لینے سے دریغ نہیں کرتے یہی حالت اس وقت بڑے ابا کی بھی ہے وہ اتنا بڑا قدم اٹھانے کے بعد ہرگز ہرگز ہار تسلیم نہیں کریں گے وہ ٹوٹ جائیں گے مگر جھکیں گے نہیں اس لئے وقت کے تقاضے کو سمجھو۔"

"اوہ تو آپ بھی انہی کے ہمنوا نکلے۔" آبرو کے لہجے میں طنز تھا۔

"ایسا کچھ نہیں ہے آبرو، پلیز بدگمان مت ہو اور میری بات سمجھنے کی کوشش کرو، میں جانتا ہوں کہ عباس کیانی تمہیں کبھی طلاق نہیں دے گا اور یہ لوگ تمہیں کبھی اس کے ساتھ نہیں جانے دیں گے، یہ لوگ ہر حد سے گر سکتے ہیں ہر حد سے، کیا تم چاہو گی کہ تمہیں اتنا چاہنے والا بندہ اتنی بے دردی سے ان لوگوں کی نفرت کا نشانہ بنے اپنی جھوٹی انا کا پرچم بلند رکھنے کے لئے یہ لوگ کسی بھی حد سے گر سکتے ہیں۔"

"کیا مطلب؟" آبرو نے ناسمجھی سے عمر بھائی کو دیکھا تھا۔

"مطلب یہ کہ تم اس خلع کے نوٹس پہ سائن کر دو، یہ ابھی پہلا نوٹس ہے دو مزید جائیں گے اس دوران میں کوئی بندوبست کرتا ہوں نہیں تو تم کورٹ میں بیان دے کر فیصلہ اپنے حق میں کروا سکتی ہو ٹھنڈے دماغ سے سوچو آبرو، اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں ہے مجھ پر بھروسہ رکھو میں کبھی بھی عباس کیانی کو تم سے جدا نہیں ہونے دوں گا۔" لمحے کے ہزارویں حصے میں آبرو نے حساب کتاب لگایا تھا واقعی ہی یہ بات تو اس نے سوچی ہی نہ تھی یہ لوگ اس سے خلع نامے پہ زبردستی دستخط کروا سکتے ہیں مگر عباس کیانی کو زبردستی طلاق دینے پر مجبور ہرگز نہیں کر سکتے اور پھر وہ قانون سے مدد لے سکتی ہے اور پھر عمر بھائی

نے اس کا ساتھ دینے کا بھی تو وعدہ کیا ہے، اس نے کچھ سوچتے پنسل تھام کر دستخط کیے تھے دستخط کے بعد اس نے انہی کاغذات پر سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا تھا اس نے عمر بھائی پہ اعتبار کر کے صحیح کیا تھا یا غلط، اسے ہرگز بھی اندازہ نہیں تھا؟ خلع نامے پہ دستخط کرنے کے بعد اسے اس کے والدین سے ملوایا گیا تھا اب اس پر کسی بھی قسم کی کوئی پابندی نہیں تھی فائق علی تقریباً ہر روز اس سے ملنے آیا کرتے خدیجہ بیگم فون پر بات کر لیتیں انہوں نے اس روز جب وہ دلہن بن کر حویلی کی دہلیز سے باہر ہی دھتکاری گئیں دوبارہ اس چوکھٹ کو کبھی بھی پار نہیں کیا تھا بڑے ابا اندر ہی اندر ایک مرتبہ پھر اپنے بچوں پہ زور ڈالنے لگے تھے کہ ان میں سے کوئی ایک آبرو کو اپنی بہو بنانے پہ راضی ہو جائے مگر فی الوقت کوئی بھی پلو پکڑانے پہ راضی نہ تھا تمام بچے ہی آبرو کے نام سے یوں بدکتے گویا وہ کسی عفریت سے پیچھا چھڑا رہے ہوں مگر عمر کے آنے کے بعد وہ اسے دیکھ کر مطمئن ہو چکے تھے سارے کزنز اب آبرو کے پاس آ کر بیٹھنے لگے تھے وہ اس کی توجہ کے طلبگار اس سے دوستی کے خواہشمند تھے مگر وہ اپنے ہی غم میں مدغم رہا کرتی تھی اور ویسے بھی آبرو کو اب کسی کی ضرورت رہی نہ تھی وہ تمام رشتوں ناطوں سے ماورا ہو چکی تھی ماسوائے عباس کیانی اور اس کے ساتھ کے اسے صرف عباس کیانی کی ضرورت تھی باقی کسی کی بھی نہیں۔

اپنے ساتھ کی گئی بے شمار زیادتیوں کا بدلہ وہ ان تمام کزنز سے بات نہ کر کے لیتی تھی اور وہ اپنے اس فیصلے پہ ناصرف مطمئن بلکہ بہت خوش بھی تھی وہ بھی تو آخر انہی کا خون تھی، ضد انا اور ہٹ دھرمی اگر ان کے خون میں شامل تھی تو یہ تمام اوصاف اس کے اندر بھی بدرجہ اتم موجود تھے اب کی بار فائق علی آئے تو اس نے ساتھ گھر جانے کی فرمائش کی مگر وہ سوچ میں پڑ گئے وہ جانتے تھے کہ بڑے ابا فی الحال ہرگز نہیں مانیں گے انہیں ڈر تھا کہ گھر جانے پر آبرو ضرور عباس کیانی سے رابطہ کرے گی جس سے ان کا کیس کمزور پڑ سکتا تھا یقیناً آبرو خلع نہیں لے گی اور عدالت میں اپنا بیان بھی نہیں دے گی سو اسی لئے فی الوقت آبرو پہ گہری نظر رکھے ہوئے تھے اسے کمرے سے آزاد کیا گیا تھا مگر گھر سے باہر جانے کی آزادی ابھی بھی نہیں تھی۔

☆☆☆

شام کا وقت تھا سب لوگ ٹی وی کے سامنے جمع تھے بچے پارٹی بچھے قالین پہ چوکڑی مارے کیرم بورڈ کھیلنے میں مگن تھے وہ بھی اپنی چائے لئے عائشہ تائی کے ساتھ والے صوفے پہ آ کے بیٹھ گئی تھی عائشہ تائی اور منجھلی تائی بیٹھی باتیں کر رہی تھیں اس کی موجودگی کا نوٹس نہیں لیا گیا تھا یا شاید ایسا ظاہر کیا گیا تھا شاید وہ ان کے لئے اتنی اہمیت ہی نہیں رکھتی تھی ان سب کے لئے کہ اس کی موجودگی کی پرواہ کی جاتی۔

"ارے آبرو یہاں اکیلی کیوں بیٹھی ہو ادھر آؤ یہاں بچوں کے ساتھ کیرم کھیلو تم بھی۔" انیلا چچی سب کو چائے دینے کے بعد اس کے قریب آہستگی سے کہا تھا۔

"آ گئی اس کی ہمدرد۔" عائشہ تائی نے ناگواری سے پہلو بدلتے منجھلی تائی کو ٹہوکا دیتے کہا تھا، انیلا چچی نے سنا ضرور مگر نظر انداز کر گئیں تھیں۔

"مگر کیوں آبرو بیٹا تم تو بہت اچھی کیرم کھیلتی ہو ناں۔" انیلا چچی نے آبرو سے کہا تھا۔

"اپنے یار کے سوگ سے نکلے تو کچھ اور بھی کرے ناں۔" جواب آبرو کی جگہ عائشہ تائی نے دیا تھا آبرو اس لفظ پہ تڑپ کے رہ گئی تھیں سفاکیت کی حد تھی سارا ماحول اس کثافت کے زیر اثر آ گیا تھا اور آبرو تو جیسے پھٹ پڑی تھی۔

"زبان سنبھال کے بات کریں چچی تائی، وہ میرا یار نہیں شوہر ہے۔"

"وہ شوہر تھا۔" وہ تھا پہ خصوصی زور دیتے ہوئے چلائیں تھیں وہ بھلا کہاں عادی تھیں کہ ان سے کوئی زبان درازی کر سکے۔

"اب وہ صرف یار رہ گیا ہے تیرا جس کا سوگ پچھلے ڈیڑھ ماہ سے منا کر تم ہمارے گھر میں نحوست پھیلا رہی ہو، کمبخت جانے وہ کون سی منحوس گھڑی تھی جب تمہارے باپ نے اس خاندان میں بیاہ رچایا، کہ تیرے جیسی ناخلف اولاد پیدا ہو گئی اللہ کو حاضر و ناظر جان کے کہتی ہوں اگر ہوتی ناں تمہاری جگہ کوئی میری بیٹی تو خدا کی قسم اسے زندہ زمین میں گاڑ دیتی نہ کہ یوں اسے تمہاری طرح بڑوں کے سامنے زبان درازی کے لئے شتر بے مہار چھوڑ دیتی۔" عائشہ تائی بغیر لگی لپٹی رکھے زبان پہ بھالا رکھے اس کے وجود کو چیرنے لگی تھیں۔

"میرے مجبور و بے کس باپ پہ جانے کی ضرورت ہرگز نہیں ہے چچی اور نہ ہی ننھیال والوں کے بارے میں کچھ کہنے کی غلطی کریں ورنہ۔" وہ انگلی اٹھائے متنبہ کر رہی تھی، عائشہ تائی کے تو سر سے لگی اور تلووں پہ بجھی۔

"ورنہ...... ورنہ کیا...... کیا کرے گی تو ہاں...... مجھے دھمکی دیتی ہے مجھے۔" وہ جاہل عورتوں کی طرح سے سینہ کوبی کرتے چلائیں تھیں بہت چھوٹی سی بات کا بتنگڑ بنانا اس گھر کے مکینوں کا خاصا تھا خصوصاً عائشہ تائی تو اس میں خاصی مہارت رکھتی تھیں۔

"میں بھی آپ کے خاندان کی تمام خوبیوں سے واقف ہوں چچی اور آپ کی بیٹیوں کے کرتوتوں سے بھی اگر ایک بھی پول کھول دیا تو خاندان میں کہیں منہ دکھانے کے لائق نہیں رہیں گی، مت آزمائیں میرے ضبط کو میری بددعا سے بچیں ورنہ سب راکھ میں مل جائے گا۔" وہ ضبط کی شدت سے چلا اٹھی۔

"ارے دیکھ رہی ہوں سب، کیسے قینچی کی طرح سے زبان چلتی ہے اس کی، اسی زبان کی وجہ سے ہی تو یوں دھکے کھا رہی ہے آج آنے دو بڑے ابا کو میں دھکے دے کر اسے اس گھر سے نکلواؤں گی، تیری یہ مجال کہ عائشہ جبیں کے ساتھ زبان درازی کرے اسے طعنے دے۔"

شام کو بڑے ابا آئے تو انہیں ساری صورتحال نمک مرچ لگا کر سنائی گئی تھی آبرو کو بڑے ابا کی عدالت میں بلا کر کٹہرے میں کھڑا کر دیا گیا تھا آبرو نے ایک طائرانہ نگاہ ہال کمرے میں موجود تمام نفوس پہ ڈالی تھی جن میں اس کے تینوں چچا ایمر جنسی میں فون کر کے بلوائی گئی صفیہ پھپھی ان کا، بیٹی جو کہ آنے کے بعد سے مسلسل جمشید کے ساتھ محو گفتگو تھی، منجھلی چچی اور ان کے بچوں کو نہ آبرو اور دن والے واقعے سے نہ کوئی شغف تھا نہ سروکار سو وہ وہاں موجود نہیں تھے، اسی لئے وہ بڑے آرام سے مگن انداز میں اپنے کمرے میں لیٹی اسٹار پلس پہ اپنا من پسند ڈرامہ دیکھنے میں مگن تھیں، بڑے ابا نے عائشہ تائی کی ساری کہانی سننے کے بعد آبرو سے پوچھا تھا۔

"آبرو! جو کچھ تمہاری تائی نے کہا ہے کیا وہ سب صحیح ہے کیا تم نے ان کے ساتھ بدتمیزی کرنے کے ساتھ ساتھ انہیں اور ان کے خاندان کو گالی دی ہے۔" بڑے ابا کا انداز جانچتا ہوا تھا آبرو اس عدالت اور اس کے منصف کے انصاف سے واقف تھی سو وہ کہا جس کی توقع بڑے ابا

سمیت تمام افراد نے یقیناً نہیں کی تھی۔

”جی بڑے ابا۔“ بڑے ابا کو ایک جھٹکا لگا بڑی چچی بھی حیران تھیں ان کا خیال تھا کہ آبرو کم از کم ان کی بڑھائی گئی باتوں کی تو ضرور تردید کرے گی مگر اب وہ بڑے پرسکون انداز میں سیدھی ہو بیٹھی تھیں اب وہ کھل کے کھیل سکتی تھیں ان کے خیال میں آبرو بالآخر یہ جان چکی تھی کہ ہو گا وہی اور رہی مانا اور سمجھا بھی جائے گا جو وہ کہیں گی۔

”کیوں؟“

”بڑے ابا کا انداز درشتی لئے ہوئے تھا۔“ آبرو نے ٹھنڈی سانس بھری تھی۔

”انہوں نے میرے باپ اور ننھیال کو گالی دی تھیں اس لئے جواباً وہی باتیں میں نے بھی ان کے لئے دہرا دیں تو ان کو برا لگ گیا۔“

”پھر بھی وہ تم سے بڑی ہیں تم نے ہی کچھ لحاظ کر لیا ہوتا۔“ اس کے اقبال جرم ثابت ہونے پر عمران چچا بھی بیوی کو خوش کرنے کی خاطر باز پرس کر رہے تھے آبرو نے ایک نظر عمران چچا اور ان کے پہلو میں خاموش اور قدرے پریشان نظر آتے عمر بھائی پہ نظر ڈالی۔

”اب زمانہ بدل گیا ہے چچا جان، اگر بڑوں کو وقت پہ ان کی غلطی کا احساس نہ دلایا جائے تو وہ غلط اقدام قائم کر دیتے ہیں جو نئی نسل کی زندگی تباہ کر دیتی ہے اور بڑوں کو احساس تک نہیں ہوتا۔“ آبرو نے دھیرے سے کہتے بڑے ابا پہ چوٹ کی تھی، اس کی صاف گوئی پہ ہال کمرے میں موجود سبھی نفوس پہلو بدل کر رہ گئے تھے ایک بات جو ان سب نے شدت سے نوٹ کی تھی وہ آبرو کا طنزیہ اور ہٹ دھرمی بھرا انداز تھا اور ایسا خلع نامے کے پیپرز پہ سائن کرنے کے بعد سے تھا چوٹ اتنی شدید تھی کہ گھاؤ بھرنے کو ایک عمر درکار تھی مگر یہ لوگ تو اسے ٹھیک سے سانس بھی نہیں لینے دے رہے تھے اس کا یہ جارحانہ رویہ بجا تھا، مگر وہ لوگ جذبات سے عاری پتھر کے انسان تھے، وہ ماسوائے اپنے کسی دوسرے انسان کی خوشی و احساسات کو بھلا کیا جانتے سو آبرو نے ان سے کبھی کوئی امید رکھی ہی نہ تھی۔

”دیکھ لیا بڑے ابا اس کی زبان درازی کا مظاہرہ، آپ کے سامنے لحاظ نہیں کر رہی تو سوچیں اس وقت کیا کچھ نہ کہا ہو گا اس نے مجھے، آج تک عمران سے مجھے یا میرے والدین کو کچھ نہیں کہا اور یہ کل کی چھوکری۔“ اتنا کہہ کے وہ پھپھک پھپھک کے رونے لگی تھیں بڑے ابا نے ایک طویل ٹھنڈی سانس بھری دفعتاً گویا ہوئے۔

”آبرو معافی مانگو، اپنی تائی سے۔“ ان کا انداز حکمیہ تھا آبرو نے چونک کر انہیں دیکھا جن کے چہرے پہ زمانے بھر کی سنجیدگی رقم تھی پھر تائی کو دیکھا جو فاتحانہ انداز میں مسکرا رہی تھیں۔

”اگر نہ مانگو تو؟“ آبرو نے بنا لحاظ کیے بڑے ابا سے سوال کیا تھا آج وہ لڑکی انہیں حیران پہ حیران کیے دے رہی تھی۔

”نہ مانگنے کا جواز؟“ بڑے ابا جواباً تڑخ اٹھے۔

”بڑے ابا میں نے کوئی غلطی نہیں کی جس کی میں معافی مانگوں، میرے ماں باپ کو پہلے انہوں نے گالی دی مجھے گالی دی چلیں میں تو عمر میں ان سے چھوٹی ہوں خود سے معافی مانگنے کو انہیں نہیں کہتی مگر میرے والدین کے بارے میں جو نازیبا کلمات انہوں نے کہا اس کی معافی تو بنتی ہے ناں، پہلے یہ معافی مانگیں اپنی غلطی کی پھر میں بھی مانگ لوں گی۔“ آبرو نے صاف سیدھے انداز میں بغیر لگی لپٹی کے کہا تھا۔

”آبرو!“ بڑے ابا گرجے۔

”اس گھر کی عورتیں بے مہار نہیں کہ مردوں کے سامنے سوال و جواب کریں۔“ وہ طیش میں چھڑی سیدھی کرتے اٹھ کھڑے تھے۔

”سوری بڑے ابا مگر آپ بھول رہے ہیں سوال جواب کی اجازت اس گھر کی عورتوں کو نہیں ہے مجھ پہ تو ایسا کوئی قانون لاگو نہیں ہوتا کیونکہ مجھے تو آپ لوگوں نے کبھی اپنا تسلیم ہی نہیں کیا۔“ وہ بہت بے باک انداز میں دو بدو کہہ رہی تھی عمر بھائی کا جی چاہا کہ وہ اسے سلیمانی ٹوپی پہنا کر کہیں گم کر دیں کم از کم اس منظر سے اسے ہٹانے کا اس کے علاوہ ان کے پاس اور کوئی حل نہیں تھا، وہ صرف اس گھر کے مکینوں کے تعفن زدہ دلوں میں بھری کدورت و نفرت کے انتقام سے اسے بچانے کے خواہاں تھے مگر وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ عباس کیانی کو کھونے کے بعد آبرو کے لئے زندگی جیسی نعمت بے معنی ہو کر رہ گئی ہے اس کے ساتھ اب یہ لوگ جو بھی کرتے وہ اس دکھ و اذیت سے کم ہی ہو گا۔

”تمہیں اپنا نہ سمجھتے تو یوں اتنا بڑا اسٹینڈ ہرگز نہ لیتے تم ہمارا خون ہو اسی لئے اتنا سب کیا ہم نے۔“ بڑے ابا کو نا چاہتے ہوئے بھی وضاحت کرنا پڑی یہ الگ بات کہ آبرو کو اپنا کہتے ان کی زبان میں واضح لڑکھڑاہٹ محسوس ہوئی تھی۔

”آپ نے یہ سب اپنی عزت بچانے کے لئے کیا بڑے ابا، جگ ہنسائی اور معاشرے میں ہونے والی ہتک سے بچنے کے لئے، آپ کو فائق علی یا آبرو علی سے کوئی انس نہیں تھا آپ کو صرف لوگوں کی اپنی جانب اٹھائی جانے والی انگلی کا ڈر تھا جس نے آپ کو اس قدر مجبور کیا کہ بیٹے اور پوتی کو شہر بھر میں رسوا کرنے پہ آپ کو فخر محسوس ہوا، حق بجانب سمجھا آپ نے خود کو اور یہ، آپ نے بہت بڑا ظلم کیا ہے اپنے ساتھ بھی اور میرے ساتھ بھی۔“ آخر میں کہتے ہوئے آبرو کی آواز بھرا گئی تھی ضبط کی طنابیں ٹوٹ گئی تھیں وہ انہیں آئینہ دکھانے کے چکر میں انہی کرچیوں سے اپنے زخم کرید بیٹھی تھی۔

”بس...... بس کرو لڑکی! تم ہمیں سکھانے آئی ہو زمانے کے چلن، دور ہو جاؤ میری نظروں سے ورنہ میں کچھ کر بیٹھوں گا۔“ آئینے میں نظر آتا اپنا مکروہ عکس دیکھ کر حقیقت کو تسلیم کر لینا کہاں آسان ہوتا ہے اور پھر ایسے لوگوں کو جو خود کو ہمیشہ راست باز اور حق بجانب سمجھتے ہوں بڑے ابا کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا جبھی تو وہ تڑخے تھے۔

”عمر وکیل کو بلاؤ اور اسے جلد از جلد عدالت میں کیس کی پہلی سماعت کی تاریخ لینے کا کہو اگر لڑکے والے نوٹس پر کورٹ حاضری نہیں دیتے تو جلد از جلد تینوں نوٹس بھجوا دو تا کہ پے در پے ملنے والے نوٹس پہ عدالت خود ہی فیصلہ سنا دے لیکن ذرا جلدی اب میں اس قصے کو اور نہیں لٹکا سکتا۔“ عمر بھائی ایکدم بوکھلا گئے تھے آبرو نے ایک دفعہ پھر اپنی جذباتیت کے ہاتھوں خود ہی اپنے پیروں پہ کلہاڑی ماری تھی۔

آبرو نے ایک استہزائیہ نگاہ سب پہ ڈالی اور اٹھ کر اپنے کمرے کی جانب چل دی اس کے پیچھے فوراً انیلا چچی اور عمر بھائی گئے تھے، انیلا چچی نے دیکھا ہمیشہ کی طرح وہ سڑک کی جانب کھلنے والی کھڑکی کے پٹ سے سر ٹکائے اپنی سوچوں میں گم تھی۔

”آبرو!“ چچی نے دھیرے سے پکارا مگر وہ پلٹی نہیں تھی ہنوز کھڑکی سے باہر دیکھتی رہی۔

”عمر آیا ہے تم سے کچھ بات کرنا چاہتا ہے۔“ آبرو نے دھیرے سے رخ موڑا انیلا چچی

کا دل پسیجا اس کا اجڑا اجڑا روپ آنسوؤں سے تر بتر چہرہ ان کے سامنے تھا انیلا چچی نے آگے بڑھ کر اس کے بکھرے بال سمیٹے اور اس کے آنسو صاف کیے تھے، عمر بھائی نے دیکھا یہ وہ آبرو تو نہیں تھی جو گلاب کی نوخیز کلی کی طرح سے کھلی رہتی تھی آنکھیں ستاروں کی مانند جگمگاتی تھیں چہرے کی شرارت و معصومیت کا حسین امتزاج اس کے نوخیز بانکپن کو جلا بخشتا تھا مگر اب اجڑی صورت، بکھرے بال متورم پپوٹوں والی یہ لڑکی آبرو علی نہیں بلکہ عشق کی بھٹی میں جل کر کندن بننے والی آبرو عباس کیانی تھی، عمر بھائی کا دل دکھ سے بھر گیا آبرو نے دھیرے سے آنسو صاف کیے اور آ کر بیڈ پہ بیٹھ گئی عمر بھائی بیڈ کے پاس رکھی کرسی پر بیٹھ گئے۔

"آبرو! میری وکیل صاحب سے بات ہوئی ہے، خلع کا پہلا نوٹس عباس کیانی کو مل چکا ہے اور...... اور وہ تم سے ملنا چاہتا ہے۔" آبرو نے بے حد حیرت سے عمر بھائی کو دیکھا تھا۔

"نوٹس مل چکا ہے؟" اس نے حیرت سے دہرایا۔

عمر بھائی کو بے حد مشکل لگا وہ کیسے ان دو محبت کرنے والوں کو زمانے کی سختیوں اور خاندانی فرسودہ روایات کی آہنی زنجیروں سے نکال کر کہیں دور بھیج دیں وہ یہ سب کر سکتے ہیں انہیں کم از کم ایک کوشش تو کرنی ہی چاہیے انہوں نے لمحہ بھر کو سوچا۔

"جانتی ہو آبرو، وہ ہر روز میرے آفس آتا ہے، اس کی زبان پر ہر وقت صرف تمہارا ہی نام ہوتا ہے، ایک بار تم سے بات کرنے کی، تم سے ملنے کی خواہش اسے ہمہ وقت بے کل کیے رکھتی ہے، میں نے ایسی محبت کبھی نہیں دیکھی آبرو، بے غرض بے لوث اور اسی لئے آج کے واقعے کے بعد میں تم سے یہی کہنے آیا ہوں کہ تم کبھی بھی خلع مت لینا چاہے تمہیں جتنا بھی مجبور کیا جائے بھلے دار پر لٹکا دیا جائے، میری بات مان لو تم عباس کیانی کے پاس چلی جاؤ پھر تم دونوں امریکہ چلے جانا کسی کو کچھ پتہ نہیں چلے گا میں سب سنبھال لوں گا۔" آبرو کی آنکھ سے ایک ایک آنسو موتی بن کے گرا کس قدر بدظن ہو گئی تھی وہ ان سے اور آج وہی اس کے غم کے مداوے کی ہر ممکن کوشش میں لگے تھے۔

"تم اس سے بات کر لو آبرو، ورنہ...... ورنہ وہ مر جائے گا۔" عمر بھائی نے تقریباً چلا کر کہا تھا آبرو نے دھیرے سے موبائل تھام لیا نمبر ملاتے اسکے ہاتھ کانپ رہے تھے، آنکھوں سے ساون کی جھڑی لگ گئی تھی، نمبر ملا کے فون کان سے لگایا۔

"ہے...... ہیلو۔" آبرو کا لہجہ و ہمت دونوں ٹوٹے بکھرے تھے۔

"آبرو!" دوسری جانب عباس کیانی محبت کی تمام تر شدتوں سے اسے پکار رہا تھا آبرو سے کچھ نہیں بولا گیا بس رونے لگی عباس کیانی بھی رو رہا تھا۔

"آبرو عباس کیانی...... عباس کیانی مر جا رہا ہے تمہارے بغیر۔"

"زندہ تو آبرو عباس کیانی بھی نہیں ہے۔" آبرو کا لہجہ شکستہ اور غم سے چور کھویا کھویا سا تھا۔

"تم نے سچ کہا تھا میرا ہر راستہ تمہاری طرف ہی آتا ہے مگر دل کا، مقدر کے راستے جدا تھے تم یہ کیوں بھول گئے۔"

"ہمارا مقدر بھی ایک ہی آبرو بس تم اب میرا ساتھ دو تم ہمت مت ہارو بس میرا ساتھ دو دیکھو اب تو عمر بھائی بھی ہمارا ساتھ دینے کو تیار ہو گئے ہیں۔" وہ بہت حوصلے سے ضبط کا اعلیٰ مظاہرہ کرتے اسے سمجھا رہا تھا۔

"مجھے بھول جاؤ عباس، یہ لوگ ہمیں کبھی ایک نہیں ہونے دیں گے۔" آبرو کے لہجے میں بے پناہ تھکن تھی اذیت اس کے ایک ایک لفظ سے مترشح تھی۔

"نہیں بھول سکتا؟" عباس کیانی کے لہجے میں بے بسی تھی۔

"عباس کیانی یہ لوگ تمہیں جان سے مار دیں گے تم کیوں خود کو برباد کر رہے ہو بھول جاؤ کہ کبھی تمہاری زندگی میں آبرو جیسی بدنصیب لڑکی بھی آئی تھی۔" جواباً آبرو بھی بے بسی سے روتے چلائی تھی۔

"تو تم خود بھول جاؤ ناں کہ کبھی عباس کیانی نامی شخص تمہاری زندگی میں آیا نہیں۔"

"میں کیسے بھولوں۔" آبرو کا دل کرلایا۔

"تو پھر مجھے بھولنے کو کیوں کہتی ہو۔" وہ بے بسی سے تڑخا۔

"اس سے بہتر ہے یہ لوگ مجھے جان سے ہی مار دیں کم از کم اس زندگی سے بہتر تو موت ہے جس میں تمہارا ساتھ نہ ہو۔"

"میں نے تم سے کہا تھا عباس، یہ لوگ پتھر کے انسان ہیں جذبات و احساسات کی زبان سے نابلد، تم نے غلط کیا میری زندگی میں آ کے، مجھے اپنی زندگی بنا کے۔"

"اتنی آسانی سے ہار تو میں بھی نہیں مانوں گا آبرو، تم میری منکوحہ ہو مطلقہ کبھی نہیں بننے دوں گا یہ میرا وعدہ ہے۔" آبرو کا دل دہل گیا وہ ایسے کہہ رہا تھا، اس کا لہجہ ٹھوس اور مستحکم تھا آبرو کو ایک لخت کسی انہونی کا احساس ہوا۔

"عباس!" اس کے لہجے میں خوف کا اژدھا پھنکار رہا تھا۔

"تت...... تم کچھ نہیں کرو گے۔" اس نے کسی انہونی کے احساس کے تحت تنبیہ کی تھی۔

"میں آ رہا ہوں آبرو۔" اس نے ان سنی کرتے فیصلہ سنایا۔

"تم نہیں آؤ گے۔" وہ چلائی مگر وہ فون بند کر چکا تھا۔

☆☆☆

غضب کی بارش تھی جو اس شام برس رہی تھی یوں لگ رہا تھا گویا بارش اپنے اگلے پچھلے تمام ریکارڈ توڑ دے گی، آبرو نے پل بھر کو من میں جھانکا اس کے اندر بھی تو ایسی ہی جل تھل کر دینے والی جھڑی لگی تھی بے بسی بھری، دکھ اور اذیت کی رو میں لپٹی، وہ کتنی بدنصیب تھی اس کی زندگی ایک تماشا بن کے رہ گئی تھی اور اسے تماشا اس کے اپنوں نے بنایا تھا، اس نے سنا تھا جس مرد کے گھر بیٹی پیدا ہو جائے وہ چاہے جتنا بھی ظالم اور سفاک کیوں نہ ہو وہ ظلم کرنے سے ڈرنے لگتا ہے گناہ کرنے سے ڈرنے لگتا ہے اس ڈر سے کہ کل کو اس کے اپنے گناہوں کی سزا اس کی بیٹی نہ بھگتنی پڑے، مگر شاید اس نے غلط سنا تھا یہاں بیٹیوں والوں نے اس پر وہ وہ ستم ڈھائے تھے کہ کائنات کا ذرہ ذرہ لرز اٹھا تھا مگر ان کا دل نہیں آبرو کا دل اپنی محبت پہ نوحہ کناں تھا، اس کی ٹھنڈی سانسیں کسی انہونی کا پیش خیمہ ثابت نہ ہوں اس لئے وہ ہر تھوڑی دیر میں کھڑکی کے پار اس بات کا یقین کرتی کہ کہیں اپنے کہے کے مطابق عباس کیانی غیض و غضب کا نشانہ بنے آ تو نہیں گیا، وہ ایسا ہی تو تھا، پاگل اور جنونی، آبرو نے کتنا روکا تھا اسے مگر وہ نہیں رکا تھا اس نے نا صرف لائن کاٹ دی بلکہ موبائل بھی آف کر دیا تھا، رات آٹھ بجے انیلا چچی اسے کھانا دینے آئیں مگر وہ کھانا کھا نہیں سکی شام کے واقعے کے بعد سے انیلا چچی اور اس کے درمیان کوئی بات چیت نہیں ہو پائی تھی ہاں مگر گھر کے ماحول میں

کھینچی کشیدگی صاف محسوس ہو رہی تھی، بڑے ابا جیسے جابر اور سفاک انا پرست انسان کے سامنے کبھی کسی نے اونچی آواز میں بات نہیں کی تھی کجا آئینہ دکھانا اور آئینہ بھی وہ جس میں ان کی شکل اپنے گناہوں اور کالے کرتوتوں کے باعث انتہائی مکروہ نظر آئی تھی، یہ بہت بڑی بھول ہوئی تھی آبرو علی سے کہ اس نے شیطان صفت انسان کو انسانیت اور رواداری کا سبق پڑھانے کی کوشش کی، تب سے وہ اسٹڈی روم میں بند تھے اور ایسا تب ہی ہوا تھا جب وہ انتہائی طیش کے عالم میں ہوتے باہر برستی بارش میں جب گیٹ پہ بیل ہوئی تو سب نے چونک کر ایک دوسرے کو دیکھا تھا، اس طوفانی بارش میں اس وقت بھلا کون ہو سکتا تھا، آبرو بھاگ کر کھڑکی کے کھلے پٹ سے جا لگی شام گہری تھی، تیز بوچھاڑ نے آبرو کو گیلا کر دیا ہاں مگر آبرو کا دل جان چکا تھا کہ یہ عباس کیانی کی دیوانگی بھری حرکت کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے وہ حسب وعدہ اپنے کہے کے مطابق آ چکا تھا، آبرو کا دل سوکھے پتے کی مانند لرزا۔

''اب کیا ہو گا؟'' یہ وہ خوفناک سوال تھا جو اس کی رگوں کو چیر رہا تھا۔

چوکیدار دروازہ کھول چکا تھا، سب لوگ لاؤنج میں بیٹھے تھے آبرو بھاگ کر نیچے ننگے پیر اتری تھی، کچھ اس طرح کہ اس کا دوپٹہ سیڑھیوں پر ہی گر گیا تھا، وہ اپنی بکھرتی سانسوں کو سمیٹتی بمشکل تمام دیوار کا سہارا لے کر کھڑی ہو پائی، بڑے ابا کو جانے کس نے خبر دی وہ بھی اسٹڈی روم سے باہر نکل آئے تھے۔

عباس کیانی بارش میں بھیگا سب کو حیرت میں ڈالے لاؤنج میں پورے اعتماد اور آب و تاب کے ساتھ کھڑا تھا، اس کی ہمت و جرأت دیکھ کر کوئی کچھ بھی نہیں بول پایا۔

''تمہاری ہمت بھی کیسے ہوئی میرے گھر کے اندر قدم رکھنے کی۔'' بڑے ابا انتہائی طیش کے عالم میں چیخے تھے۔

''میں اپنی بیوی کو لینے آیا ہوں۔'' عباس کیانی کا لہجہ ٹھوس اور ہموار تھا۔

''تم بھول رہے ہو لڑکے تمہاری یہاں کوئی بیوی نہیں رہتی تم لوگوں کی طلاق ہونے والی ہے۔'' بڑے ابا کو شاید اس کا بیوی کہنا برا لگا تھا۔

''بڑے ابا پلیز آپ آرام سے بیٹھ کر بات کریں یہ مسئلہ لڑے بغیر بھی تو حل ہو سکتا ہے ناں۔'' عمر بھائی نے آگے بڑھ کے بڑے ابا کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔

''ہٹ جاؤ عمر آج مجھے اس کے عشق کا بھوت اتارنے دو، جو نہ خود چین سے رہتا ہے نہ ہمیں عزت سے جینے دیتا ہے۔'' وہ مزید غصہ ہوتے بپھرے تھے۔

''آپ بھول رہے ہیں بڑے ابا، ہماری ابھی طلاق نہیں ہوئی، میں نے اسے طلاق دی ہی کب ہے۔'' وہ بغیر ڈرے بڑے ابا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کہہ رہا تھا، عباس کیانی کی بھٹکتی نظریں دیوار کے کنارے خوف و ہراس سے پیلی پڑتی آبرو کے چہرے پہ جا ٹکی تھیں وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا اس کے قریب پہنچ چکا تھا، آہستگی سے اس کا ہاتھ تھاما لمحہ بھر کو اس نے اس کی ہرض جڑی انگوٹھی کو اس کے ہاتھ میں دیکھا اور مسکرا دیا، آبرو کو یقیناً کچھ نہیں ہو سکتا تھا اس کے ہاتھ میں ہرض تھا جس کے پاس ہر مصیبت و آلائش آنے سے گھبراتی ہے یہ عباس کیانی کا اعتقاد تھا۔

''چلو میں تمہیں لینے آیا ہوں۔'' بڑے ابا نے تلملا کر اس کی اس حرکت کو دیکھا۔

''رک جاؤ لڑکے ہم اسے یوں نہیں لے جا سکتے ہماری اجازت کے بغیر۔'' بڑے ابا بپھرے انداز میں اس پر جھپٹے تھے عمران چچا اور فرخ چچا نے فوراً اسے پیشتر آگے بڑھ کے بڑے ابا کو پکڑا تھا۔

''آبرو کو لے جانے کے لئے مجھے آپ کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے بڑے ابا، اور نہ ہی کوئی زور زبردستی کر کے آپ سے مجھے اسے لے جانے سے روک سکتے ہیں، یہ میری بیوی ہے اور دنیا کی کوئی عدالت اسے مجھ سے جدا نہیں کر سکتی جب تک آبرو خود نہ چاہے۔'' عباس کیانی کے لہجے کا عزم وہاں موجود تمام نفوس کو انگشت بدنداں کر گیا تھا۔

''ضد چھوڑ دیجئے بڑے ابا، بھلے بعد میں ان سے کوئی تعلق نہ رکھیں مگر انہیں جدا نہ کریں میں آپ کے پاؤں پڑتی ہوں۔'' انیلا چچی بڑے ابا کے قدموں سے لپٹی روتے ہوئے ان دونوں کی محبت کی بھیک مانگ رہی تھیں نا محسوس طور پر وہاں موجود تمام افراد نے اپنی آنکھوں کی سطح گیلی ہوتی محسوس کی۔

''ہٹ جاؤ بہو، ہم نے آج تک اپنے کسی فیصلے میں ردوبدل نہیں کی اور پھر تو یہ ہماری ضد و انا کا سوال ہے ہم پیچھے نہیں ہٹیں گے چاہے ہمیں بھی جان سے جانا پڑے یا کسی کی جان لینا پڑے۔'' انہوں نے تقریباً دھکا دینے والے انداز میں انیلا چچی کو پرے دھکیلا تھا کہ وہ منہ کے بل زمین پہ گری تھیں باقی سب تماشا دیکھ رہے تھے کسی کو کچھ پرواہ نہیں تھی کہ کسی کی زندگی کا سوال تھا وہ سب اس وقت ایسے بیٹھے تھے جیسے ٹی وی پر کوئی ٹیلی فلم دیکھ رہے ہوں عجیب بے حس لوگ تھے۔

''بڑے ابا پلیز بس کریں جانے دیں ان کو۔'' عمر بھائی ایک مرتبہ پھر بولے بڑے ابا نے ان سنی کردی۔

''دیکھو لڑکے ہم تمہیں آخری بار سمجھا رہے ہیں ہمارے ساتھ ضد باندھنا سراسر نقصان کا سودا ہے ہماری غیرت کو مت للکارو، ہم کچھ بھی کر سکتے ہیں۔'' وہ بے حد نفرت سے کہتے اس کے سینہ پہ انگلی ٹھونک کے بولے تھے مگر یہاں نفع و نقصان کی پروا کسے تھی ویسے بھی جہاں کاتب تقدیر کھیل کھیلے وہاں انسان کی اوقات اور اس کی سمجھ بوجھ کسی کٹھ پتلی سے زیادہ نہیں ہوتی۔

''محبت میں نفع و نقصان کی پرواہ کہاں کی جاتی ہے بڑے ابا، محبت تو بس کی جاتی ہے آپ کا جو دل چاہے آپ کیجئے میں آپ کا ہاتھ نہیں پکڑوں گا چاہے آپ میری جان لے لیجئے مگر آبرو کا ہاتھ چھوڑنا اب میرے بس میں نہیں ہے۔'' عباس کیانی نے بے حد ٹھہرے لہجے میں بڑے ابا کو جتلا دیا تھا بڑے ابا نے طیش کے عالم میں اس کے منہ پہ تھپڑ دے مارا تھا عباس کیانی نے کوئی مذاحمت نہیں کی انہیں مزید غصہ آیا اور پھر پے در پے کتنے ہی تھپڑ اس کے چہرے پہ پڑے تھے مگر عباس کیانی نہ تو اپنی جگہ سے ہلا نہ ہی آبرو کا ہاتھ چھوڑا بڑے ابا بے حد جنونی انداز میں اپنی چھڑی سے اسے پیٹ رہے تھے، عمر بھائی بے بسی سے انہیں روکنے کی کوشش کر رہے تھے اس کے تینوں چچا الگ مگر بڑے ابا تو پر تو خون سوار تھا وہ تو اس وقت سننے اور سمجھنے کی صلاحیت سے بے بہرہ ہو چکے تھے عباس کیانی کی ناک اور ہونٹوں سے خون بہنے لگا تھا، آبرو کی چیخیں نکل گئیں کوئی اس قدر بھی ظالم اور کٹھور ہو سکتا ہے۔

''بڑے ابا آپ کو خدا کا واسطہ، رسول کا واسطہ اسے چھوڑ دیں یہ...... یہ چلا جائے گا میں لے لوں گی طلاق، میں ویسا ہی کروں گی جیسا آپ چاہیں گے مگر خدا کے واسطے اسے مت

ماریں۔’’ آبرو روتے ہوئے چلاتے ہوئے بڑے ابا کے ہاتھ تھامنے کی کوشش کر رہی تھی۔

‘‘نہیں آبرو میں اکیلا واپس نہیں جاؤں گا آج میں تمہیں اپنے ساتھ لے کر ہی جاؤں گا چاہے مجھے اپنی جان ہی کیوں نہ دینی پڑے۔’’ وہ اسے پیچھے ہٹاتے بولا تھا بڑے ابا جو اسے مار مار کر ہانپ رہے تھے ایک مرتبہ پھر طیش میں آ گئے تھے۔

‘‘نہیں عباس تم چلے جاؤ یہ لوگ تمہارے دشمن ہیں تم......تم۔’’ وہ روتی گڑگڑاتی اس کے سامنے ہاتھ جوڑ رہی تھی۔

‘‘تم صرف ایک فیصلہ کرو، میرے ساتھ جاؤ گی یا نہیں، میں تمہیں لینے آیا ہوں اور لے کر ہی جاؤں گا۔’’ آبرو کے علاوہ سب نے دیکھا وہ اس کے سامنے ہاتھ بڑھائے کھڑا تھا، آبرو نے سب پہ ایک طائرانہ نگاہ ڈالی تماش بین سانس روکے آبرو کے اگلے اقدام کے منتظر تھے آبرو پل صراط پہ کھڑی ہو گئی۔

‘‘عباس جاؤ محبت کو ضد و انا کی بھینٹ چڑھ جانے دو۔’’ وہ فیصلہ کرتے کرلائی۔

‘‘میں نے خود سے وعدہ لیا ہے آبرو، تم میری منکوحہ ہو مطلقہ کبھی نہیں بننے دوں گا، میں ہرگز واپس نہیں جاؤں گا تمہارے بغیر۔’’ وہ اپنے فیصلے میں اٹل تھا ارادے میں مضبوط تھا عزم میں بے مثال تھا آبرو نے ایک نظر عمر بھائی کو دیکھا انہوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے عباس کیانی کے ہمراہ جانے کا عندیہ دیا آبرو نے مطمئن ہو کر عباس کیانی کا ہاتھ تھام لیا فیصلہ ہو چکا تھا وہ اس کے ساتھ جانے کو تیار تھی، بالآخر اس نے محبت کو ان روایات کی چکی میں پسنے نہیں دیا تھا۔

‘‘بڑے ابا آپ کی ضد و انا کی بھینٹ ہم خوب چڑھ چکے مگر اب اور نہیں، میں جا رہی ہوں عباس کیانی کے ساتھ آپ سے جو بن پڑے کر گزریے۔’’ جاتے جاتے اس نے پلٹ کر بڑے ابا کو جتلایا تھا۔

‘‘رک جاؤ لڑکی! ورنہ جان سے جاؤ گی۔’’ بڑے ابا شکست کو تسلیم نہ کرتے نیم پاگل سے ہو گئے کہاں گوارہ تھا انہیں کو کوئی ان کے فیصلہ سے روگردانی کرے۔

‘‘آج تک ایسا کوئی جنا ہی نہیں جو میرے آگے سر اٹھا سکے، میری حکم عدولی کرے۔’’ وہ پیچھے سے انہیں روکتے چلائے تھے، عباس کیانی اور آبرو ایک ساتھ چوکھٹ کا دروازہ پار گئے تھے ان کے ہمراہ محبت مسکرا رہی تھی کب بڑے ابا سٹڈی ٹیبل کی دراز سے ریوالور اٹھا کر لائے اور کب انہوں نے پورچ میں قدم رکھتے عباس کیانی کے سر کے پچھلے حصے پر فائر کیا کوئی نہیں جان سکا تھا، بارش بے حد تیز تھی فائر کی آواز پر آبرو نے اپنے پہلو میں لڑکھڑا کر گرتے عباس کیانی کے زندہ وجود کو لاش بنتے دیکھا تھا، اس کا ہات ابھی تک آبرو کے ہاتھ میں تھا، پورچ میں پڑتی بارش کے ہمراہ عباس کیانی کا محبت سے لبریز لہو بہتا جا رہا تھا آبرو پتھرائی نگاہوں سے عباس کیانی کے خوبصورت چہرے پہ بند آنکھوں کو دیکھ رہی تھیں ان آنکھوں میں اس کے ہی کس قدر محبت و والہانہ پن ہوا کرتا تھا، اب وہ آنکھیں کبھی نہ کھلنے کے لئے بند ہو چکی تھیں۔

‘‘بڑے ابا......یہ......یہ کیا آپ نے......اتنا ظلم۔’’ سب سے پہلے عمر بھائی کو ہوش آیا تھا وہ بے تابی سے عباس کیانی کی طرف بڑھے تھے جو موقع پہ ہی دم توڑ چکا تھا۔

‘‘بڑا آیا تھا عاشق، ہم نے اس کی عاشقی ہی ختم کر دی بلکہ اس کی اکڑ کے ساتھ اس کو ختم کر دیا، اس دنیا میں کوئی فرد میری حکم عدولی نہیں کر سکتا کوئی بھی نہیں۔’’ وہ قہقہہ لگاتے اپنی انا کا پرچم بلند کرنے پر خوشی سے جھومتے اندر بڑھ گئے تھے آبرو کے بین اس کی دلدوز چیخیں ساری کائنات ہلا رہی تھیں سارا آسمان رو رہا تھا۔

‘‘عباس اٹھو......میں تمہارے ساتھ جانے کو تیار ہوں دیکھو میں نے تمہیں روکا تھا ناں کہ یہ لوگ پتھر کے انسان ہیں، تم کیوں چلے آئے۔’’ وہ ربط سے انداز میں کہتی سب کو رلا رہی تھی ہر آنکھ اشکبار تھی۔

‘‘مجھے تمہاری قسم عباس کیانی، میں تمہارے خون کو کبھی رائیگاں نہیں جانے دوں گی۔’’

☆☆☆

آبرو علی نے اپنا کہا سچ کر دکھایا تھا، اس نے بڑے ابا کے خلاف کیس دائر کروایا تھا اور اس کی پوری کوشش تھی کہ انہیں سخت سے سخت سزا دلوا سکے، حیرت کی بات تو یہ تھی کہ اس کے تینوں چچاؤں سمیت پوری ددھیال والوں نے اس کا ساتھ دیا تھا، دیر ہی سے سہی مگر انہیں احساس ہو گیا تھا کہ بڑے ابا کی حکم عدولی کے خوف میں انہوں نے انجانے میں اپنے ہی خون کے ساتھ کتنی زیادتی کر دی تھی بڑے ابا جابر اور مطلق العنان شخص تھے مگر اب ان کی اولاد مزید گمراہ نہیں ہونا چاہتی تھی۔

☆☆☆

اماں اور ابا کو ناشتہ دینے کے بعد وہ اپنے کمرے میں شاور لے کر ‘‘منتخب کردہ’’ کالا لباس پہن کر آئینے کے سامنے کھڑی تھی اس نے لمبے بالوں کو درمیان سے مانگ نکال کر چوٹی میں گوندھا چہرے پر ہلکی سی وینشنگ کریم لگا کر چادر نما بڑا سا دوپٹہ اوڑھا اور کمرے سے باہر نکل آئی جانے سے پہلے وہ ابا کے کمرے میں آئی تھی۔

‘‘ابا جی! میں جا رہی ہوں آج عباس کے کیس کی آخری سماعت ہے میرے لئے دعا کیجئے گا کہ عدالت مجھے انصاف دلوائے۔’’ عباس کیانی کا نام لیتے ہی اس کی آنکھیں ڈبڈبائی اور لہجہ بھرا جایا کرتا تھا اور ایسا تو پچھلے تین سالوں سے تھا فائق علی نے بستر پہ لیٹے اپنی لاڈلی مگر حرماں نصیب بیٹی کو دیکھا جو محض چھبیس برس کی عمر میں ہی عمر سے بڑی اور مدبر و متعین لگنے لگی تھی۔

‘‘عباس کیانی کا انصاف تو اوپر والے نے کر دیا تھا آبرو، تم کیوں نافرمانی کی مرتکب ہو رہی ہو، جب اس کے گھر والوں نے اس کے قتل کو معاف کر دیا تو تم کیوں پیچھے پڑی ہو بڑے ابا اب ضعیف ہو رہے ہیں ان کے لئے اتنی سزا ہی کافی ہے کہ جس اولاد کا انہوں نے ہمیشہ ساتھ دیا آج انہیں عمر کے اس حصے میں تنہا چھوڑ چکی ہے، اب بس کرو آبرو۔’’ فائق علی کے دل کی بات خدیجہ بیگم نے من و عن اپنے الفاظ کے پیرہن میں دہرا دی تھی، فالج کے زبردست اٹیک کے بعد ان کا بایاں حصہ اور زبان مفلوج ہو چکی تھی وہ مکمل طور پر بستر سے جا لگے تھے وہ بولنے سے قاصر تھے اور گہرا صدمہ انہیں عباس کیانی کی ناگہانی موت کا سن کر ہوا تھا۔

‘‘وہ میرا شوہر ہے امی اور اس کے قاتل کو کیفر کردار تک پہنچانا میری زندگی کا نصب العین ہے۔’’ اتنا کہہ کر وہ وہاں سے تقریباً بھاگنے والے انداز میں اٹھی تھی اسے یاد آتا عباس کیانی کہتا تھا۔

‘‘تم میری منکوحہ ہو مطلقہ کبھی نہیں بننے دوں گا۔’’

اس نے اپنا کہا سچ کر دکھایا تھا اپنی جان دے دی تھی مگر مطلقہ کا لفظ اس کی ذات سے منسوب نہیں ہونے دیا تھا، مگر وہ یہ نہیں جانتا

تھا کہ یہ وہ اور بھی زیادتی کر گیا تھا آبرو کے ساتھ، وہ اس کے ساتھ بھلے نہ ہوتا مگر وہ زندہ تو رہتا آبرو کو اس کی سانسوں کی مہک فضا سے ملتی رہتی وہ خوشی رہتی مگر وہ تو اسے بھری دنیا میں تنہا کر گیا تھا وہ اسے بیوہ بنا گیا تھا۔

☆☆☆

آبرو اپنے سسرال پہنچی تو پروفیسر شبیر احمد کیانی اس کے ساتھ جانے کو تیار کھڑے تھے نا چاہتے ہوئے بھی وہ ان دونوں میاں بیوی کا خود کو مجرم سمجھتی وہ ان دونوں میاں بیوی سے ملتے ہمیشہ ہی رو پڑتی تھی، وہ خود کو ان کا مجرم تصور کرتی تھی مگر ان جیسے عظیم لوگ تو ساری دنیا میں انگلیوں پہ گنے جا سکتے ہیں انہوں نے ایک لفظ تک نہیں کہا تھا گو کہ عباس کیانی کا دکھ انہیں دیمک کی طرح سے اندر ہی اندر چاٹ کر کھوکھلا کر رہا تھا، مگر زبان سے انہوں نے ہمیشہ آبرو کا مان اور حوصلہ ہی بڑھایا تھا، کبھی اسے مورد الزام نہیں ٹھہرایا تھا، آبرو نے بڑے ابا کے خلاف کیس خود لڑا تھا اور اس کے ددھیال والوں نے بڑے ابا کے خلاف گواہی دی تھی، یہ وہ لمحہ تھا جب بڑے ابا اندر سے ٹوٹ گئے تھے، انہیں اس سے احساس ہوا تھا کہ اپنی بے جا ضد اور انا کا کیا پرچار کرنے کے چکر میں انہوں نے ببول کے کانٹے اگا دیئے تھے، انہیں اس وقت اپنی گزری زندگی کی غلطیوں کا ادراک ہوا جب توبہ کا در تو کھلا تھا مگر وقت نہیں تھا، وہ پچھلے تین برس سے جیل میں تھے اور کافی بیمار رہتے تھے مگر آبرو نے اپنا دل پتھر کا کر لیا تھا اس نے وعدہ کیا تھا عباس کیانی سے کہ اس کا خون رائیگاں نہیں جانے دے گی اور اس نے سب کے روکنے کے باوجود اپنا وعدہ نبھایا تھا۔

''مما ہم جا رہے ہیں پلیز دعا کیجئے گا مجھے میرے عباس کا انصاف ملے۔'' آبرو نے مسز عائشہ شبیر کے سامنے سر جھکاتے روتے ہوئے نم لہجے میں کہا تھا۔

''اللہ نگہبان میری بچی۔'' انہوں نے بھرائے لہجے اور ڈبڈبائی نظروں سے اس کا ''بیوگی بھرا روپ'' دیکھ کر دعا دی جو عباس کیانی کے جانے کے بعد اس نے اپنا لیا تھا، انہیں اس پر بے حد ترس بھی آتا تھا اور پیار بھی، کتنی کم عمری میں وہ کتنے بڑے دکھوں کا بار اٹھانے لگی تھی، وہ خود کو عباس کیانی کی بیوہ کہلوانا پسند کرتی تھی، اس نے عباس کیانی کے مرنے کے بعد کالے رنگ کے کپڑے پہننے شروع کر دیئے تھے، فیشن تو پہلے بھی نہیں کرتی تھی مگر اب تو سادگی کی انتہا تھی کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ کنواری بیوہ تھی مگر وہ خود کو مسز عباس کیانی کہلوانا پسند کرتی تھی، ان تین برسوں میں ان سب کے بے حد اصرار کے باوجود بھی شادی نہیں کی تھی حالانکہ مسز عائشہ شبیر نے خود کتنی ہی مرتبہ اسے راضی کرنے کی کوشش کی تھی۔

''میری شادی ہو چکی ہے مما۔'' وہ یہ کہہ کے انہیں لاجواب کر دیتی۔

''مگر تم ان چھوئی ہو آبرو، تم منکوحہ تھیں اس کی۔'' وہ اسے سمجھانے کی ایک اور کوشش کرتیں۔

''تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے مما، شادی تو دو دلوں کے ملن سے ہوتی ہے اور ہمارا ملن تو ہو چکا اور میں عباس کیانی سے بے وفائی کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔'' وہ قطعیت سے کہتی انہیں خاموش ہو جانے پہ مجبور کر دیتی، مسز عائشہ اب کالج چھوڑ چکی تھیں اور وہیں اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد آبرو لیکچرار کی حیثیت سے تعینات ہو چکی تھی۔

''میم...... آپ ہمیشہ کالے کپڑے کیوں پہنتی ہیں۔'' اس کے اسٹوڈنٹس اکثر اس سے سوال کرتے۔

''بیوہ عورت اور کونسا کلر پہنے پھر۔'' وہ ا

ان سے سوال کرتی۔

"مگر میم...... اسلام نے عورت پر ایسی کوئی پابندی عائد نہیں کی پھر آپ ایسا کیوں کرتی ہیں۔" کوئی اسٹوڈنٹ اعتماد سے کہہ دیتی تو وہ مسکرا دیتی اب وہ انہیں کیا بتاتی کہ محبت کا یوم سیاہ وہ سال کے کسی ایک دن نہیں بلکہ ہر روز منانا چاہتی ہے تا کہ معاشرے میں پلنے والی ان فرسودہ روایات کو منانے والے ناسور یہ جان سکیں کہ کبھی کبھار کسی کی زندگی یوں بھی برباد ہوتی ہے جیسے آبرو علی کی ہوئی تھی اور بڑے ابا کو وہ سزا اس لئے دلوانا چاہتی تھی تا کہ ان جیسے اور کئی لوگ جو اپنے سفاک فیصلوں پر نظر ثانی کرتے عبرت حاصل کر سکیں۔

"آبرو چلو بیٹا دیر ہو رہی ہے۔" وہ جو اپنی ہی سوچوں میں غلطاں تھیں چونک کر سیدھی ہوئی۔

"ایک منٹ بابا۔" وہ انہیں رکنے کا کہہ کے فوراً عباس کیانی کے کمرے کی طرف بڑھی تھی اس کے کمرے میں سے آج بھی اس کے وجود کی خوشبو آتی تھی، اس کی بے پناہ تصاویر آج بھی کمرے کی دیواروں پہ آویزاں تھیں جو خود عباس کیانی نے اپنے ہاتھوں نصب کی تھیں، وہ ڈولتے قدموں ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے آئی وہاں رنگ برنگی چوڑیوں کا ایک ڈھیر رکھا تھا ساتھ ہی آبرو کی وہی ٹوٹی چوڑیاں رکھی تھیں جو آبرو کو ہرض جڑی انگوٹھی پہناتے عباس کیانی کے ہاتھوں ٹوٹی تھیں آبرو کی آنکھ سے ایک موتی ٹوٹ کر گرا اور پھر لگاتار جانے کتنے ہی ٹوٹ کر گرے، وہ کس کس بات کا ماتم کرتی کس کس دکھ کا بین کرتی، وہ عباس کیانی کی ناگہانی موت کے دکھ پر روتی یا اس کی محبت پر، وہ تو بربادی کے آخری حد پہ کھڑی ایک بے بس لڑکی تھی۔

"آبرو!" بابا کی آواز پر وہ ایکدم آنسو صاف کرتے تیزی سے عباس کیانی کے کمرے سے نکلی تھی اور گاڑی میں جا بیٹھی تھی مگر انہیں کورٹ جانے کی ضرورت ہی نہیں پیش آئی فیصلے سے پہلے ہی شاید بڑے ابا کا آخری وقت انہیں بڑھاپے میں ملنے والی اس ذلت سے بچا گیا تھا، آبرو نے سنا تو ٹھنڈی سانس بھر کے رہ گئی۔

"مجھے میرے ساتھ کیے اس ظلم کا جواب تو دے جاتے بڑے ابا۔" سیٹ کی پشت سے سر ٹکاتے اس نے بڑے ابا سے شکوہ کیا، تقدیر نے آج بھی اس کا ساتھ نہیں دیا تھا وہ واقعی میں بدنصیب تھی۔

"بابا آپ مجھے عباس کے پاس لے چلیں گے۔" اس نے جیسے درخواست کی تھی وہ اسے عباس کیانی کی قبر پہ لے آئے تھے آبرو نے ہمیشہ کی طرح اس کی قبر کی مٹی پہ دھیرے دھیرے ہاتھ پھیر کر عباس کیانی کے وجود کو محسوس کیا ہرض جڑی انگوٹھی آج بھی اس کی انگلی میں تھی عباس کیانی کے پہنانے کے بعد آبرو نے اسے کبھی بھی اپنے ہاتھ سے نہیں اتارا تھا، اسے عباس کیانی کا والہانہ پن یاد آیا تھا، اس کی قربت، اس کی سرگوشیاں اس کی وارفتگی، وہ اسے کتنا تنگ کرتا تھا اور وہ کتنی ہراساں ہو جایا کرتی تھی، مگر اب وہ انہی قربتوں کی متلاشی تھی ویسی ہی توجہ کی طلبگار مگر وہ کہیں نہیں تھا۔

"اپنی زندگی کو میں نے آپ کی امانت سمجھا ہوا ہے آبرو، جس دن آپ کی خاطر مرا سمجھوں گا آپ کی امانت لوٹا دی۔" عباس کیانی اس سے اکثر کہا کرتا تھا۔

"تم نے تو اپنا کہا پورا کر دکھایا عباس کیانی، مجھے تو اپنے وعدے کی پاسداری کرنے دی ہوتی۔" وہ اس کی قبر پہ سر رکھے پھوٹ پھوٹ کے رو دی۔

"میں ہار گئی عباس کیانی، میں ہار گئی میں تو تمہارے قاتل کو سزا بھی نہیں دلوا سکی، میں کتنی حرماں نصیب ہوں میں تو تمہیں پا کے بھی نہ پا سکی، تم نے تو کہا تھا میرا ہر راستہ تمہاری جانب آتا ہے پھر اب کیوں بے ایمانی کر گئے مجھے اکیلا کیوں چھوڑ گئے، تم نے اچھا نہیں کیا عباس کیانی، جواب دو مجھے اس زیادتی کا، کیوں کیا مجھے اپنی محبت کا اسیر کہ جدائی مجھ سے سہی نہیں جا رہی تم کہاں ہو عباس کیانی، بس ایک بار لوٹ آؤ، بس ایک بار۔"

قبرستان میں آنے والے بہت سے لوگ اس دیوانی لڑکی کو ہر روز یہی الفاظ دہراتے دیکھتے اور اس سے اسے پاگل تصور کرتے، کچھ دلچسپی سے رک کر اس کی باتیں سنتے، کچھ سر جھٹک کے آگے بڑھ جاتے مگر کوئی نہیں جانتا تھا کہ آبرو عباس کیانی پاگل نہیں تھی محبت میں فنا ہو چکی تھی۔

آبرو عباس کیانی نے زندگی بھر اپنی محبت کی پاسداری کا وعدہ نبھایا تھا، اس نے کبھی شادی نہیں کی تھی اس نے عمر بھر عباس کیانی سے بے وفائی نہیں کی تھی۔

وہ آج بھی بڑی باقاعدگی سے ہفتے میں ایک بار قبرستان جاتی، عباس کیانی کی آخری آرامگاہ پر اپنے آنسو سے چراغ روشن کرتی ہے اور لرزتے قدموں سے واپس لوٹ جاتی، عباس کیانی کے والدین اسی چاہ اور خلوص سے اس کو اپنے گھر میں خوش آمدید کہتے ہیں جو روز اول سے تھا عباس کیانی اپنے چاہنے والوں کے دلوں میں تا قیامت زندہ و تابندہ رہے گا، وقت کا پنچھی محبت "فاتح عالم" گنگناتا اڑان بھرتا رہے گا۔

☆☆☆

جو رستہ صبح امید کا

◇◇◇ فوزیہ غزل ◇◇◇

پچیسویں قسط کا خلاصہ

شادی کے بعد شہریار کا روڈ انداز، سعیہ کو گھر گرستی سیکھنے پر مجبور کرنا وہ پریشان ہو کر شائستہ بیگم سے احتجاج کرتی ہے تو اس کے احتجاج کو خاطر میں لائے بغیر وہ شہریار کی حمایت کرتی ہیں۔

اریبہ خان ایڈورٹائزنگ کمپنی میں ملازمت پہ ایڈجسٹ ہونے کے ساتھ اپنی ماں کے فکرمند ڈاکٹرز سے رابطوں میں ہے عشائیہ میں ڈاکٹر نزہت سے ملنا ماریا کو تحیر آمیز استعجاب و خوشی عطا کرتا ہے اور اس کا وقت ان کے ساتھ بہت خوشگوار گزرتا ہے۔

کمپنی کی میٹنگ سے کچھ دیر قبل اریبہ کی ملاقات ایم ڈی شہریار خان سے ہوتی ہے۔

اپنے وفد کے ہمراہ ایک سیمینار سے واپسی پہ اذان کی صدائیں ماریا کو بے خود کر دیتی ہے اور وہ گاڑی سے نکل کر رواں ٹریفک میں اس پکار کو سنتی آگے بڑھتی جاتی ہے۔

شہریار سے بدگمانی، ٹینشن کے باوجود سعیہ خود کو سمجھوتہ کی راہ پہ چلنے پر مجبور پاتی ہے اور صبا کے گھر ایک مکس گیدرنگ میں نا چاہتے ہوئے بھی جانے پر تیار ہو جاتی ہے۔

اب آپ آگے پڑھیے

چھبیسویں قسط

بزنس میٹنگ ان کی توقع سے بڑھ کر کامیاب رہی تھی ویسے بھی خان انڈسٹریز کمپنیز کی ہر فرم اپنی جگہ متاثر کن ریپوٹیشن رکھتی تھی، خاص کر ایڈورٹائزنگ کمپنی کی ہر ایڈ، کمرشل پروگرامز یا ماڈلنگ شوز، کیٹ واک ایگزیبیشن کے ہر پہلو کی پریزینٹیشن کا انداز اتنا زبردست تھا کہ انٹرنیشنل میڈیا مارکیٹ کے ایونٹ پر انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا کچھ ہاتھ اس کی ساکھ و ذمہ دارانہ رویے سے بھی بڑھ کر شہریار خان کی پروفیشنلٹی اور سحر انگیز شخصیت کا بھی تھا کہ وہ اپنے قد کاٹھ مردانہ وجاہت و دلکشی کی وجہ سے خود کسی ماڈل یا ہیرو سے کم نہ لگتا اور رئیسانہ حیثیت، انداز گفتگو اتنا متاثر کن کہ اگلا بندہ فوراً قائل ہو جاتا، بلاشبہ پاکستان بزنس کمیونٹی میں شہریار کا نام ایک بزنس ٹائیکون کی حیثیت رکھتا تھا، اسی لئے ماہ بہار کے سب سے بڑے ساؤتھ ایشین ایونٹ ود کلچرو ماڈلنگ ایگزیبیشن کا کنٹریکٹ انہیں مل چکا تھا اور ظاہر تھا یہ ایک بڑی کامیابی تھی جسے شائستہ بیگم کے بعد انہوں نے اپنی فرم کے تمام نمائندہ اراکین و عام ملازمین تک کے لئے ان کی ماہانہ تنخواہوں میں دس فیصد اضافہ کے ساتھ ایک لنچ پارٹی کا اہتمام آواری میں کیا تھا کیونکہ ان کے خیال میں ورکرز میں بیشتر ایسے لوگ تھے جو اپنے گھر بیوی بچوں کی وجہ سے رات کو دیر تک ٹھہر نہ سکتے سہولت کے اعتبار سے انہوں نے ڈے پارٹی کا اعلان کیا جو ویک اینڈ پہ تھی، آفس سے چلتے سمے انہوں نے اریبہ کی بھی خصوصی تعریف کی تھی کہ جس نے بہت کم عرصہ میں اس ایڈورٹائزنگ کمپنی میں اپنے پروفیشنل رویے، اخلاق و ذمہ دارانہ طبیعت کے باعث اچھا کام کیا۔

"ماما میرا تو خیال ہے انہیں ماڈلنگ کرنا چاہیے بائے فیس بہت فریش اور چارمنگ ہیں۔" شہریار نے اریبہ کو دیکھتے ہوئے کمنٹ پاس کیا۔

"ہاں اور یہ بات میں نے اسے دیکھ کر پہلے روز ہی کہی تھی مگر یہ صرف جاب میں دلچسپی رکھتی ہے اگرچہ ایسا ملکوتی حسن اسکرین پر آ جائے تو لالی ووڈ سے بالی ووڈ تک تہلکہ مچ جائے کم از کم ہر دیکھنے والا پہلی نظر میں تو دنگ رہ جاتا ہے کہ ہم باہر سے ماڈلز سلیکٹ کرتے ہیں جبکہ ہمارے سامنے ایسا ہیرا موجود ہے۔" بیگم شائستہ کھلے دل سے اسے سراہتے ہوئے بولیں تو اریبہ کو بے وجہ سی شرمندگی نے آ گھیرا، حالانکہ یہ توصیفی الفاظ و تعریفی کلمات وہ اپنے لئے سن بلوغت سے سنتی آ رہی تھی اور اس کی ذہانت و تعلیمی پوزیشنز سے زیادہ اسے سکول کالج اور یونیورسٹی میں اپنی شخصی خوبصورتی کی پذیرائی ملتی اور وہ اپنی نصابی و غیر نصابی سرگرمیوں کے ساتھ ڈرامیٹک سوسائٹی کے سالانہ ایونٹس میں اپنی اداکاری کے جوہر دکھا کر جو تھوڑا شوق تھا اس کی تسکین کر لیتی مگر بائے پروفیشن اس فیلڈ کو چننے کا رسک وہ کبھی نہیں لے سکتی تھی محلے میں رہنا دشوار تو پہلے تھا آتے جاتے نت نئی باتیں اور من گھڑت افسانے اس سے منسوب و مشہور ہو جاتے وہاج الگ کبیدہ خاطر تھا، خالہ لوگ بھی اس کی ان دیکھی آزاد خیالی کے بارے میں کچھ نہ کچھ کہتے سنتے رہتے، محض شوق ہی شوق میں بھی وہ ایک آدھ ایڈ کر لیتی تو خاندان میں تو جو طوفان اٹھتا سو اٹھتا شہر کی دیواروں پہ اس کی آوارہ مزاجی کے اشتہار لگ جاتے۔

"شہریار ٹھیک کہتا ہے اریبہ تمہیں ایک دفعہ اس فیلڈ کو جوائن کرنے کا سوچنا چاہیے ہو سکتا ہے تمہارے ذریعے ہی ہماری فیشن انڈسٹری کو مزید اپ اسٹینس مل جائے۔" شائستہ بیگم اس کے سر ہو

چکی تھیں۔

"آئم سوری میڈم میری فیملی، میرا خاندان، برادری مجھے ہرگز اجازت نہیں دے گی میرے اگر کچھ پرابلمز نہ ہوتے تو شاید میں جاب کے لئے بھی قدم نہ اٹھاتی۔" وہ دھیرے سے مگر مضبوط لہجہ میں بولی۔

"یہ خاندان، برادری سب فراڈ ہے نفسا نفسی کی دوڑ میں کوئی کسی کو سکھ سے جیتے اور چین سے کھاتے نہیں دیکھ سکتا، رشتے تو ہیں ہی کچی ڈور سے بندھے ذرا سا جھٹکا لگا اور ٹوٹ گئے، بات صرف وقت اور بخت کی ہے یہ اپنے ہاتھ میں ہو تو زمانہ بن بلائے دم ہلاتا پیچھے آتا ہے، تم بھی سب کو چھوڑ کر اپنے لئے سوچو اگر ذرا سی محنت اور کوشش کرو تو نہ صرف مقام و حیثیت، دولت و ثروت سب پا سکتی ہو سوچنا ضرور۔" اس کے شانے پہ ہاتھ رکھ کر لمحہ بھر کو اسے مسکرا کر دیکھتی شائستہ بیگم خان ایڈورٹائزنگ ایجنسی کے شاندار آفس روم سے نکلیں تو شہریار خان بھی ان کے ہمراہ چلے گئے، اس جگہ تقرری کے بعد یہ پہلا موقع تھا کہ شائستہ بیگم نے بطور خاص اس کے ساتھ اتنی باتیں کیں اس کے حالات، شخصیت یا کام کو لے کر ورنہ وہ اپنے مخصوص اپر کلاس موڈ کے تابع یوں کسی نچلے درجہ کے ملازم سے بات برائے کام ہی کرتیں۔

"میں عام سے کپڑے پہننے والی گزارے لائق فیشن کرنے والی، ہمہ وقت حجاب یا اسکارف اوڑھے رکھنے والی اریبہ اشفاق کیا اس آفر کو قبول کرنے کا رسک لے سکتی ہوں۔"

"نہیں کبھی نہیں، یہ رسک صرف میری بدنامی کا باعث نہیں بنے گا بلکہ میری بہنوں کی زندگیوں کو بھی خارزار پر گھسیٹ دے گا اور بہت سی زندگیوں کو تباہ ہونے سے بچانے کے لئے بہتر یہی ہے کہ میں اکیلے ہی جیسے تیسے حالات چلتے ہیں چلاؤں اور بچی کھچی عزت کو سنبھال لوں۔" اس نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر سر اٹھایا اور گھر واپسی کی راہ لی۔

امی کا حال ہنوز تھا جویریہ اور ربیعہ گھر داری، پڑھائی یا امی کی مصروفیت میں الجھی ملتیں، ثمن اور ہما کا رشتہ طے ہو چکا تھا انزلہ ایک بچے کی ماں بن چکی تھی خالہ نے دو منٹ کی کال کھڑکا کے انہیں شادی میں شرکت کا مژدہ سناتے ہوئے کہا تھا۔

"ماں تمہاری ٹھیک نہیں رہتی اسے چھوڑ کر آنا تم بہنوں کے لئے مشکل ہو گا پھر حالات بھی تمہارے ایسے ہیں کہ اچھا اوڑھنا پہنا عرصہ ہوا، ثمن ہما کے سسرالی بہت بڑے لوگ ہیں ہم نے شادی کا فنکشن شہر کے سب سے بڑے اور مہنگے میرج ہال میں رکھا ہے، بہت مہنگے نہ سہی مگر اچھے کپڑے تو ہوں خیر تم ثمن ہما کے پرانے کپڑے لے جانا مہنگے اور نئے ایک دو بار کے پہنے ہیں اگر آنا چاہو تو ورنہ نائیٹ فنکشن ہے کہیں دو، تین بجے ختم ہو گا اس ٹائم تم گھر واپس کیسے جاؤ گی، خیر یہ تمہارا مسئلہ ہے میں نے تو تم لوگوں پہ بوجھ ڈالنا مناسب نہیں سمجھا تھا اس لئے بتا دیا یہ نہ کہو گی خالہ ہو کر ایک شہر میں رہتے بلایا بھی نہیں، آج کل تو بلانے کا رواج بھی نہیں رہا مگر ہم میں وضع داری ہے ابھی خون سفید نہیں ہوا۔"

"خالہ آپ نے ناحق زحمت کی بتانے کی بھی آرام سے بیٹیاں رخصت کر دیتیں، ہمیں بھی پتا چل جاتا۔" جویریہ نے ان کے بلانے اور نہ آنے کے سینکڑوں جواز پیش کرنے پر اپنا اشتعال

بڑے ٹھنڈے لہجہ میں سمو کر پھینکا۔

"آئے ہائے لڑکی میں تو تمہاری ماں کے خیال سے کہہ رہی ہوں تم منہ کو آ رہی ہو، اب اتنے مہنگے ہوٹل میں سگی خالہ زاد کی رخصتی میں کیا بالکل سر جھاڑ منہ پہاڑ خالی خولی چلی آؤ گی، آخر ہماری بھی کوئی عزت ہے اتنے امیر لوگوں میں سب دلہا دلہن کو مہنگے گفٹ اور بھاری سلامیاں دیں گے تم کیا مزنگ چونگی کے لنڈے سے کچھ لاؤ گی۔"

"واقعی خالہ ہمارا آنا اور پھر خالی ہاتھ آنا اتنا ضروری نہیں جتنا آپ کا نو دولتیوں والا اونچا مقام و عزت بحال رہنا اہم ہے سو آپ ہماری مفلسی کی فکر چھوڑ کر اپنی امارت بحال رکھیں اللہ حافظ۔" جویریہ نے بات ختم کرتے ہوئے موبائل آف کیا اور انہیں تفصیل سنانے لگی۔

"ارے رشتے ہو گئے ڈیٹ فکس ہو گئی اگلے ہفتے شادی ہے اور ہمیں اب بتایا جا رہا ہے وہ بھی ایسے کہ خود ہی ہمارے نہ آنے کے ریزن پیش کر رہی ہیں، اتنے قریبی رشتے اور ایسا انداز، کتنی بے مول زندگی ہے ان کی نظر میں ہماری، لاکھ وقت بدلے، حالات ڈھلیں، ظاہر کچھ سے کچھ ہو جائے مگر دل اتنا تو نہیں بدلتا کہ سگی بہن سگی بھانجیوں کو یوں بلاوا دینا۔" اریبہ دکھ و تاسف سے بولی۔

"سچ کہتے ہیں کہ قسمت سے ملنے والے دکھ اتنا نہیں رلاتے جتنا اپنوں کے بدلنے کا صدمہ رلاتا ہے اور ہمارے دکھ درد تو عرصہ ہوا وہ سمجھنا چھوڑ چکی ہیں تو گلہ کیسا؟" جویریہ نے تاسف سے سر جھٹکا اور اریبہ سے آفس ہونے والی میٹنگ کا پوچھنے لگی، اریبہ بھی موجودہ صورتحال سے کچھ دیر پیچھا چھڑانے کو اپنے آپ کو اور موضوع میں گم کرنے لگی۔

☆☆☆

تعلق تو ایک سادہ لفظ ہے
پھر جو بھی ہے وہ نباہ میں ہے
کب سے میں نے پلک نہیں جھپکی
کوئی امجد میری نگاہ میں ہے

شعور و آگہی کے دریچوں پہ خائف سی دستک دیتا ایک لمحہ تھا جو پل بھر کو اس کے دل و دماغ کے ویران کونوں کو دیکھتا پلٹ گیا اور وہ اسی لمحے کی قید میں تھی چپ چاپ کچھ نہ بولتی نہ کہتی نہ سنتی ایک سناٹے میں کیتھرین کو اس پہ بے تحاشا غصہ تھا مگر غصہ نکالنے کا یہ وقت موقع اور جگہ مناسب نہ تھے خود کو بمشکل صبر کے گھونٹ پلاتی ہوٹل تک کا راستہ خاموشی سے کاٹا تھا یہاں تک کہ ان کے ڈرائیور اور گائیڈ نے کچھ گھومنے پھرنے کا پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے واپسی کی استدعا کی تھی، اپنے مختص کردہ کمرے میں آتے ہی اس نے کافی غصیلے انداز میں کہا تھا۔

"یہ کیا حرکت کی تھی تم نے بلاوجہ بنا سوچے سمجھے بیچ چوراہے میں کھڑی رہیں تمہیں پتا ہے ہم سب کو کتنی شرمندگی نے آ گھیرا تھا، یہ دیکھ کر کہ تمہاری وجہ سے کتنے لوگ تھے جو پریشانی اور کوفت کا شکار ہو رہے تھے، ان میں سے کچھ ایسے ہوں گے جنہیں جلد از جلد کہیں پہنچنا ہو گا کچھ ایمرجنسی کا شکار ہوں گے پھر گھر پہنچنے کی عجلت میں اور تم......" کیتھرین ذرا رکی چند ثانیے لب بھینچ کر اسے ناگوار نگاہوں سے دیکھا پھر بولی۔

"تمہیں کسی کی پریشانی کا احساس تھا نہ اپنا ہوش یہ وہ غیر اخلاقی حرکت تھی جو تم نے ایک غیر ملک میں کی اور پھر تم معذرت خواہ بھی نہیں ہوئیں، اچھی بھلی روٹین لائف گزارتے تم کیوں اپنے آپ کو اور دوسروں کو پریشان کرنے لگتی ہو۔" کیتھرین کا لہجہ آخر میں روہانسا ہو گیا، ماریا نے کچھ سوچتے ہوئے اسے دیکھا بولی نہیں۔

"دیکھو ماریا اگر کوئی الجھن یا پریشانی ہے تو کہہ دو اس سے زندگی آسان ہوتی ہے تمہارے پسندیدہ فلسفی اور دانشور والٹیئر کا کہنا ہے کہ۔"

"جن کی زندگی کے نصب العین، مقصد اور مدعا گمشدہ رہتے ہیں وہ اشخاص تذبذب کا شکار ہوتے ہیں اور تذبذب کردار کی نفسیاتی کمزوری کا سب سے کمزور پہلو ہے۔" ماریا نے کشمکش و پیچ کی کیفیت سے نکلتے ہوئے اسے پھر دیکھا۔

"کیتھی یہ پل وہ لمحہ میرے لاشعور میں دفن ماضی کا ایک دروازہ تھا جو میرے شعور پہ دستک دے کر گزر گیا میں اس لمحے کے تعاقب میں لگی تھی کہ شاید شناخت کا کوئی پہلو میرے وجود کو ایک علامت دے دے نصب العین مقصد اور یقین کو پانے کی مگر میرا ہاتھ اسے لگا ہی نہیں۔" ماریا کا لہجہ بھرا رہا تھا بولتے ہوئے۔

"کیا مطلب میں سمجھی نہیں۔"

"تم نے وہ آواز سنی تھی جب میں نے گاڑی رکوا دی تھی۔"

"سنی تھی مگر اس آواز میں ایسا خاص کچھ نہیں تھا جس پر انسان اتنا بے خود ہو کر بیچ سڑک میں یوں چلنا شروع کر دے کہ ساری ٹریفک جام کر دے۔" کیتھی جھلا کر بولی۔

"خاص واقعی نہیں تھا بلکہ کچھ خاص الخاص تھا اتنا خاص کہ جس سے میری گزرے ایام کی ہر بے ربط سوچ ہر عمل جڑا ہے میرا اشتعال، میرا غصہ، میرا چڑچڑا پن، میرے فہم و شعور کا ادراک وہ سب اس پکار سے جڑا ہے۔" وہ جیسے کسی خواب کے عالم میں بول رہی تھی، کیتھی نے پریشانی سے اسے دیکھا۔

"تم کیا کہہ رہی ہو، مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا، شاید تم فرسٹریشن کا شکار ہو رہی ہو۔"

"کیتھی ہمارے معاشرے ہمارے مذہب میں خوابوں کی بہت اہمیت ہے اسی طرح خوابوں کی تعبیر کو بھی بڑا مقام حاصل ہے تم سمجھتی ہو ناں، خواب ہمارے لئے کتنی اہمیت رکھتے ہیں۔" اس کے الفاظ و لہجہ خوابناک تھا۔

"کم آن ماریا، میرا خیال ہے تم اچھے موڈ میں نہیں ہو بہتر ہو گا تم ایک پرسکون اور بھرپور نیند لے لو تو اس کیفیت سے نکل آؤ گی۔" کیتھی اب کے بیزار لہجہ میں بولی۔

"وہ یاد وہ لمحہ جو میرے لاشعور میں پیوست تھا اور جس نے اپنی حالیہ جھلک سے میرا موجودہ شعور جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے اس کا ادراک پائے بغیر تم سمجھتی ہو مجھے نیند آئے گی۔" اس کی عجیب و غریب لایعنی باتوں کو کیتھی بالکل سمجھ نہ پا رہی تھی وہ اس وقت شدید بے بسی اور بیچارگی سے اپنے سامنے بیٹھی حسین لڑکی کو Psycho nero immunology کا شکار ہوتے دیکھ رہی تھی جو اپنی ذہنی حالت کے باعث ایک بار پھر Stress کا شکار ہو رہی تھی شاید اور کیتھرین اس کی واحد

ہمدرد وڈاکٹر ہونے کی وجہ سے اس کی بے سروپا باتوں کو تحمل سے سننے پر مجبور تھی۔

”میں نے تمہیں بتایا تھا ناں کہ سکول ایج میں میری سکول وین ایک ایسے علاقہ سے گزرتی تھی یہاں زیادہ تر مسلم کمیونٹی کے لوگ آباد تھے اور یہ پکار مجھے واپسی پہ اکثر سنائی دیتی تھی، میں اس خوش کن پکار کو بڑی توجہ سے سنا کرتی تھی جس کے الفاظ و بیان سے اجنبیت کے باوجود مجھے گہری انسیت محسوس ہوئی تھی اور پھر جب شعور میں قدم رکھا تو میری نیندوں میں ڈراؤنے عجیب وغریب خوابوں کا سلسلہ شروع ہو گیا ان خوابوں کے ساتھ ہی میرے صدر روحانی و مذہبی حوالے سے بے کلی بے زاری اور بے اعتنائی بھی بڑھتی گئی، میں جب بھی کوئی ڈراؤنا خواب دیکھتی اس کے اینڈ پہ مجھ ہمیشہ یہی پکار سنائی دیتی تھی، یہ پکار اپنے اندر کیا اسرار، بھید رکھتی ہے اس کی اجنبی زبان کے الفاظ کیا معانی و مطالب رکھتے ہیں مجھے نہیں معلوم مگر مجھے یقین ہے میری بے چینی، میرے اضطراب کا کوئی نہ کوئی سرا اس سے جڑا ہے، میری گمشدہ شناخت اور تلاش کا کوئی نہ کوئی پہلو اس سے وابستہ ضرور ہے ورنہ آج بھی اتنے برسوں بعد یوں اتنی مصروف شاہراہ کے بیچوں بیچ میں اسے سننے کے لئے مست و بے خود ہو کر نہ بھاگتی۔“

کیتھرین جو پہلے غائب الدماغی کے عالم میں تھی اب اس کے پورے حواس الرٹ ہو چکے تھے اور وہ حیرت تعجب بے یقینی کے تاثرات لئے اسے ساکت دیکھے جا رہی تھی، صرف وہ نہیں روم میں کچھ دیر قبل داخل ہونے والی انجلا مارشل اور جیفر لوسن بھی کچھ انہی تاثرات کو لئے اس کی طرف متوجہ تھیں۔

”میں نے عسائیت سے بیزار ہو کر عیسائیت کے تمام فرقوں اور شاخوں کو پرکھا جین مت یہودیت، ہندومت، بدھ مت، کی تعلیمات وعلوم جانچے تو ہر جگہ میں، میں نے ان الفاظ و بیان اس سے وارد ہونے والی کیفیات کو پانے کی اک غیر شعوری کوشش کی تھی بچپن میں بھی بار ہا ایسا ہوا تھا کہ گرجے میں عبادت کرتے ہوئے میرے دل میں تمنا جاگتی کاش مجھے ویسا ایمان و ایقان نصیب ہو جائے جیسا مسلم کمیونٹی کے لوگوں کے چہروں پر نظر آتا تھا اور مسجد کے پاس سے گزرتے ہوئے اکثر میرا دل چاہتا کہ میں بھی ان لوگوں کے ساتھ عبادت میں شامل ہو جاؤں۔“ اس کی آواز بھیگی ہوئی تھی جبکہ اس کے سامنے بیٹھی تینوں عورتیں اب تک سن تھیں، ان کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ یہاں کیا کہیں۔

”لیکن میں چاہ کر بھی ایسا کچھ نہیں کر سکتی تھی کیونکہ اسلام کے متعلق جو لٹریچر میں نے پڑھا تھا اس نے میرے ذہن میں کئی قسم کے شکوک وشبہات پیدا کر دیئے تھے اور میرے ذہن میں زمانہ وسطی کے صلیبی جنگجوؤں کی طرح کے متشدد مسلمانوں کی تصویر مرتسم ہوئی، جنہوں نے سادہ لوح خانہ بدوش اور کسانوں کے خون پسینے کے بل بوتے پر سلطنتیں قائم کیں۔“

”ماریا یہ سو فیصد حقیقت ہے اس میں رتی بھر جھوٹ نہیں مسلمانوں نے واقعی جنگ وجدل اور بہیمانہ قتال وخون کے ذریعے دنیا میں تسلط جمایا۔“ انجلا مارشل نے یہاں پہ بولنا ضروری سمجھا۔

”اور میں یہی پرکھنا چاہتی ہوں اس میں سچ کتنا حاوی ہے جھوٹ کتنا، اتنا تو میں جان چکی ہوں کہ خود کو سنائی دی جانے والی اس اجنبی پکار سے میرا کچھ نہ کچھ تعلق ہے اور یہ پکار مجھے اتنے سالوں بعد ایک مسلم ملک میں ہی سنائی دی ہے تو اس کا تعلق اپنی، اپنے خوابوں کے لے کر زندگی تک میں پرکھنا چاہتی ہوں۔“

”ماریا تم بغیر سوچ و بچار کے فوری اور عجلت میں فیصلے کرنے کی عادی ہو اور یہ ناقص ذہن کی نشانی ہے۔“ کیتھرین کا بھی سکتہ ٹوٹا تھا۔

”میں کچھ نہیں جانتی سوائے اس کے کہ دنیا میں سب سے قیمتی چیز وقت ہے اور میرا وقت پہلے ہی بہت ضائع ہو چکا ہے اور اگر میں مزید اسے ضائع کرونگی تو بے نام ونشان ہو جاؤنگی اور بے نام ونشان بے مذہب وعقیدہ مر کر میں اپنی مغفرت نہیں گنوانا چاہتی، مجھ سے وقت کہہ رہا ہے، میں تمہارے ہاتھ میں ہوں، مجھ سے جتنا زیادہ زاد راہ لے سکتے ہو لے لو، میں پھر کبھی لوٹ کر نہیں آؤں گی۔“ وہ جذباتی ہو کر بولی، تو کیتھرین اسے دیکھ کر متاسفانہ انداز میں ہونٹ کاٹنے لگی۔

☆☆☆

اس کا ملال کیا جو نہیں اختیار میں
اتنا بھی کیا کم ہے کہ وہ اپنا لگا مجھے
وحشت کہیں اسے یا میرے پاؤں کی طلب
اس کی طرف ہی لے گیا ہر راستہ مجھے

احساس معمولی ہو یا بڑا اہم تو تب ہے کہ جب دل کو چھو جائے اور ذہن کو پکڑ لے اور اس شاندار سے شخص سے پہلی ملاقات میں ہی کوئی غیر معمولی احساس دل وذہن کو جکڑ چکا تھا شاید اس کی ہائی فائی کوالیفکیشن اس کا ایکدم ہائپر ہونا، اس کی مجبوری حالات کچھ بھی تھا وہ اس کے لئے نیک دلی سے کچھ اچھا کرنے کی کوشش میں ملی بھی بعد میں گھر بھی ہو آئی اور پھر اپنے شہریار کے سلسلے میں الجھی سب بھلا بیٹھی آج یوں اچانک اسے سامنے پا کر وہ تحیر وخوشی کے بے ساختہ تاثرات لئے ٹھٹک گئی۔

”سنعیہ میٹ مائی فرینڈ وہاج حسن اور وہاج مائی وائف سنعیہ شہریار خان۔“ رسمی کلمات کے تبادلے کے بعد وہ تعارف کرواتے ہوئے سنعیہ کی طرف مڑا۔

”السلام علیکم نائس ٹو میٹ تو، آپ کی شادی میں مجھے کچھ اہم کام پڑ گیا تھا اور میں بہت عجلت میں صرف چند منٹ کے لئے آیا تھا ورنہ ملاقات ہو جاتی۔“ پچھلی کسی بھی شناسائی کا حوالہ دیے بنا وہ شائستگی سے بولا تو سنعیہ بھی ہلکے سے مسکرا دی۔

”اور تم بتاؤ کیا احوال ہیں محبت کو پا کر۔“ وہ ذرا دبے لہجہ میں شہریار کے قریب ہو کر بولا، تو ایک بھرپور قہقہہ شہریار نے لگایا تھا۔

”کم آن یار محبت کو ابھی پایا کب ہے اور پا لیں تو کشش مٹ جاتی ہے۔“

”کیا مطلب یار! اتنے لکی ہو تم کہ جسے چاہا پا لیا پھر سنعیہ جیسی شریک سفر کو پا کر زندگی کی کشش یا طلب مٹتی نہیں بڑھتی ہے۔“ وہ ہنس دیا تھا اپنے دل میں ہوکتے درد کو دبا کر۔

”ایک دوسرے کا ہو جانا ہی محبت کی معراج نہیں۔“

"یعنی ابھی عشق کے امتحان کے اور بھی ہیں ویل سیڈ۔" وہ دونوں آپسی گفتگو میں پاس کھڑی سنعیہ کا وجود بالکل فراموش کر چکے تھے۔

اسے اپنا آپ عجیب سا لگنے لگا ایسی محفل کہ جس میں سب لوگ ہنسی مذاق اور خوش گپیوں میں مصروف تھے مما اور نزہت آنٹی اپنی ملنے جلنے والیوں میں صبا سسرالی رشتوں میں الجھی تھی اور وہ اگر اسے اتنے لوگوں کا خیال نہ ہوتا تو صبا کے گلے لگ کر کم از کم دل کا بوجھ ہی ہلکا کر لیتی، ادھر ادھر سے اکتا کر وہ پھر انہی دونوں کی جانب متوجہ ہو گئی۔

"بس یار زندگی ویسی نہیں جیسی سوچی تھی محبت جس کے اپنا ہونے کی خوشی اک حصار میں قید رکھتی ہے وہ نہیں نکلی جیسے بہت ٹوٹ کر چاہا تھا وہ شاید میری نہیں تھی اور اسے مسلسل اپنا سمجھے جانا میری زندگی کی سب سے بڑی بھول تھی، میں ان بھول بھلیوں سے نکل کر اپنی زندگی پرسکون کرنا چاہتا ہوں۔" وہاج حسن کا لہجہ بڑا تھکا تھکا تھا۔

"کمال ہے میرے سامنے تو تم اپنی طوفانی محبت کے اتنے رونے رویا کرتے تھے اور وہ تمہاری لور بھی بہت سنیئر تھی تم سے۔" شہریار حیرت سے بولا۔

"چھوڑو یار لیو دس ٹاپک اور بھی غم ہیں زمانے میں محبت کے سوا۔" وہ ان دونوں کو چھوڑ کر صبا کی طرف بڑھی جو اسے اکیلی نظر آئی۔

"آئم سوری سونو میں چاہنے کے باوجود تمہیں کمپنی نہیں دے پا رہی پھپھو لوگ بھی آئے ہوئے ہیں ناں تو بس، خیر تم ادھر آؤ بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں۔" صبا اس کا ہاتھ تھامے ایک قدرے الگ تھلگ کونے میں لے آئی۔

"سنعیہ تم میری جان خوش تو ہو ناں۔" صبا نے اس کی بجھی بجھی آنکھوں میں جھانکا۔

خوش، اس لفظ کا تو مفہوم بھی بھول چکا تھا اسے، وہ تو ایک جھوٹی زندگی گزار رہی تھی جس کے شب و روز ان دیکھی رواداریوں مصلحتوں میں گندھے ہوئے تھے ایک کال کوٹھری میں قید ناکردہ گناہ کی سزا اور جس نے اپنے ہاتھوں اپنی زندگی، خوشیوں کو گروی رکھ کر سودا کیا تھا پریشانیوں کا اور پریشانیوں میں گھرا انسان خوشی کو کب کہاں، کیسے محسوس کر سکتا ہے جبکہ دل کا اضطراب گھٹتا ہو نہ آنسو سوکھتے ہوں، صبا کے سوال پر اس کی پلکیں بے اختیار نم ہونے لگیں جنہیں بار بار جھپکتے ہوئے وہ بولی تھی۔

"ایک قید خانہ ہے جس میں زندگی گزر رہی ہے یہاں کسی کو بلانے کی اجازت ہے نہ کسی سے ملنے کی کسی سے کچھ کہہ بھی نہیں سکتی، ایک تم تھیں واحد دوست تم بھی کچھ دنوں تک پرائی ہو جاؤ گی پھر اس قید خانے میں تڑپتی میں خود اپنا تماشہ دیکھا کروں گی۔" اس کے لہجے کی تلخی بتا رہی تھی وہ اندر سے کتنی ڈپریسڈ ہے۔

"کیوں سنعیہ! جبکہ شہریار بھائی اتنے اچھے ہیں ہر معاملہ کو احتیاط سے ہینڈل کرنے والے، اپنے تعلقات، رشتوں کو انڈراسٹینڈ کرنے والے، پھر تم سے وہ ٹوٹ کر محبت کرتے ہیں۔"

"وہ ساری محبت شادی کرتے ہی فنش ہو چکی ہے۔" اس کے لہجہ میں ڈھیروں کانچ ٹوٹنے کی اذیت تھی جسے محسوس کر کے صبا بہت نرمی سے گویا ہوئی۔

"محبت ختم نہیں ہوتی پا کر تو بڑھتی ہے ہاں تم پہلے سے ان سے کچھ کبیدہ خاطر رہیں تو ایسا محسوس ہوا ہو گا ورنہ محبت تو محبوب کے راستوں میں موم بن کر پگھلتی ہے، آپ اپنا راستہ لینے کی اہلیت رکھتی ہے پھر پابندیوں اور ناپ تول کے زاویوں سے آزاد ہوتی ہے جسے پھیلایا جا سکتا ہے قید نہیں رکھا جاتا۔"

"یہ محبت نہیں ہے صبا، اس شخص کی نفرت ہے، دھوکا اور فریب ہے اور اس تختہ مشق پہ لا متناہی سزا ہے جو جھیلنے میں قیدیوں کی سی حالت میں رہتی ہوں دن رات، اگر ماما سے کچھ کہوں تو ان گنت دلائل اور دو ٹوک الفاظ میں صرف اسی کی طرفداری کرتی ہیں، اس شخص نے تو زندگی کے واحد اور اکلوتے رشتے بھی مجھ سے چھین لئے کہ میں دکھ سننے والی ماں کو ہی ساس کے روپ میں دیکھ رہی ہوں، اس سے بڑھ کر میری بدنصیبی کیا ہو سکتی ہے۔" اس نے گالوں پر لڑھکتے آنسو بے دردی سے رگڑ کر صاف کیے۔

"آفس جانا بند کر دیا ہے اس نے میرا حتیٰ کہ بوتیک کو تم پھر مما دیکھ رہی ہیں، اکیلی کہیں آجا نہیں سکتی اور کوکنگ کے علاوہ اس کے ذاتی کام مثلاً اس کے کپڑے دھونا، پریس کرنا پھر میچنگ ٹائی جرابیں رکھنا سب میرے سپرد ہو رہا ہے اور ایسا کر کے وہ میری نفی کر رہا ہے مجھے اٹھارویں صدی کی کمزور، بے بس اپنے حقوق سے نا آشنا عورت بنانا اور دیکھنا چاہتا ہے۔"

"تم شاید غلط سمجھ رہی ہو وہ صرف تمہیں بیچلر اور میرڈ لائف کے درمیان جو فرق و تبدیلی ہے واضح کرنا چاہتے ہوں گے البتہ طریقہ ضرور روڈ ہو سکتا ہے اسی لئے تم ڈپریڈ ہو۔" اس کو دیکھتے ہوئے قدرے توقف کے بعد صبا نے معتدل انداز میں کہا۔

"غیر شادی شدہ اور شادی شدہ زندگی کا فرق سمجھانے کے لئے بدلے نہیں لئے جاتے اگر مجھے مما، پپا کی زندگی اور خوشیوں کا خیال نہ ہوتا تو میں کب کی اس کا پول کھول چکی ہوتی مگر بہت سی مجبوریوں اور مصلحتوں نے میری زبان بند کر رکھی ہے۔"

"سنعیہ جب ہم کسی بہت پرفیکٹ انسان کو اپنی زندگی کا ساتھی بناتے ہیں تو ہمیں نا چاہتے ہوئے بھی خود کو مار کر اس کے معیار تک پہنچنے کے لئے تھوڑی بہت محنت کرنا پڑتی ہے تم بھی انہیں اپنے طور طریقوں سے بدلنے کے بجائے ان کے مطابق بدل جاؤ۔"

"میں نہیں بدل سکتی اس کے لئے خود کو کہا تھا میں نے کہ مت بیاہیں مجھے اتنے پرفیکٹ انسان سے نہیں ہوں میں اس کے معیار کے قابل اور ساری عمر گزار کر بھی اس کے ان دیکھے مطلوبہ معیار تک نہیں پہنچ سکتی۔" وہ چیخ کر بولی۔

"محبت تو بہت کچھ منوا لیتی ہے یہ تو ذرا سی غلط فہمی یا انا و ضد کا کھیل ہے جسے چھوڑ کر تم بہت پرسکون زندگی شروع کر سکتی ہو۔"

"کیسے؟ جبکہ ایک چھت تلے ایک کمرے میں رہنے سونے کے باوجود ہمارے درمیان کوئی رشتہ نہیں کوئی تعلق نہیں، یہاں قسم قسم کی ماڈلز کے درمیان ہنستا مسکراتا خوش باش یہ شخص اکیلے میں مجھ پر ایک نظر ڈالنا گوارہ نہیں کرتا ایک بیوی کے لئے شوہر کی طرف سے بے توجہی کی مار مسلسل برداشت کرنا کسی تذلیل سے کم نہیں اور اس تضحیک کے ساتھ میں کیسے زندگی خوش گزار سکتی ہوں۔"

اندرونی ٹوٹ پھوٹ کی زد میں اپنے لفظوں کے کھلے پن سے وہ نادانستہ ہی صبا پر سب کچھ ظاہر کر گئی اور صبا کے لئے اس کے الفاظ کسی دھماکے سے کم نہ تھے وہ بری طرح چونک کر اپنی دوست کو دیکھنے لگی جس سے اس وقت اسے بے پناہ ہمدردی اور اپنائیت محسوس ہوئی میرڈ ہونے کے باوجود سعیہ کے بجھے بجھے رہنے کا راز کھل چکا تھا۔

☆☆☆

زندگی سربستہ راز تھی ایک عجب گورکھ دھندا، جس کے ان گنت جھمیلے تھے جھگڑے پریشانیاں تھیں مسائل تھے جو ختم ہونے کی بجائے روز بروز بڑھتے جاتے تھے اور وہ ان کو نپٹاتے تھک رہی تھی اس کی تھکن اس کے وجود چہرے کی پژمردگی اور باتوں سے صاف ظاہر ہو رہی تھی، لاکھ وہ اپنے آپ کو پرسکون ظاہر کرتی مگر جویریہ اور ربیعہ اس کی اندرونی حالت و کیفیت جان جاتیں، خالہ کے رویے اور باتوں سے پریشان ہونے سے بچانے کو جویریہ نے موضوع گفتگو بدلا تھا اور بولنے کے باوجود اریبہ کا اندرونی اضطراب ہلکی گلابی بڑی آنکھوں سے چھلکا پڑتا تھا، اس کا دل و ذہن وہیں خالہ کے گھر اٹکا ہوا تھا۔

''اگر کسی دن اسی طرح خالہ نے اچانک فون کر کے وہاج کی شادی کا مژدہ سنا دیا تو......''

اسے لگا اس تو سے آگے پیچھے اس کے حوصلہ لینے کو کچھ بھی نہیں بس ایک خلا ہے تاحد نظر اور منزل انہی خلاؤں میں بھٹک کر رہ گئی ہے، زمین تھی تو قدموں کے نیچے مگر اس پر پاؤں نہیں جمتے تھے اور خلاؤں میں بھٹکتے ایسے لگ رہا تھا وقت، سفر، سوچ، مناظر، خیالات، جذبات سب بخت کی سیاہی میں ڈوب گئے۔

نرم فضا کی کروٹیں دل کو دکھا کے رہ گئیں
ٹھنڈی ہوائیں بھی تیری یاد دلا کے رہ گئیں
شام بھی تھی دھواں دھواں
حسن بھی تھا اداس اداس
دل کو کئی کہانیاں یاد سی آ کے رہ گئیں

تلخیوں سے پیچھا چھڑا کر وہ جب بھی خود کو حالات کے دھارے میں مدغم کرتی ذہن و دل کو پریشانیوں سے بچانے کی کوشش کرتی تو کچھ نہ کچھ ایسا ہو جاتا کہ دل کی تکلیف دہ یادوں سے بھی کھرنڈ اترنے لگتا اور جب زخموں سے خون رستا تو پورے وجود میں دکھن کا احساس جاگنے کے ساتھ رشتوں کے ہاتھوں اپنا بے مول ہونا رلانے تڑپانے لگتا، وہ اس وقت ایسی ہی کیفیات کا شکار ہو رہی تھی کہ شائستہ بیگم کے متعلق بات کرتے ہوئے بھی غائب الذہنی کے عالم میں نگاہیں کسی اور تصور و سوچ میں گم تھیں، اس سوچ اور تصور کو توڑنے کے لئے ہی جویریہ نے اسے پھر متوجہ کیا۔

''آپ شائستہ بیگم کی بات کرتی ہیں ناں تو میرا بہت دل چاہتا ہے کہ میں انہیں دیکھوں، ایمان سے مجھے ایسی بیگمات بہت اچھی لگتی ہیں جو قیمتی ڈریسنگ میں اونچی کی ٹک ٹک کر کے لمبے کاریڈور کے چکنے فرش پر چلتی جب ایک شاندار سے آفس روم میں مالکانہ حیثیت سے بیٹھ کر بڑے بڑے پراجیکٹ کی اہم فائلز پہ سائن کرتی ہیں۔''

''شائستہ بیگم تو ہیں بھی اتنی گریس فل اتنا ینگ بیٹا ہے مگر جوان اولاد کی ماں دکھتی نہیں، ساتھ کھڑی ہوں تو بڑی بہن دکھتی ہیں، ویسے سنا ہے کہ ایک بیٹی بھی ہے مگر کبھی دیکھی نہیں۔''

''پتا نہیں یہ امیر لوگ کیا کھاتے پیتے ہیں کہ پچاس کے ہو کر بھی پینتیس کے لگتے ہیں ایک ہم جنہیں غربت اور پریشانی لمحوں میں اپنی اصل عمر سے دس پندرہ سال آگے کر دیتی ہے۔'' ربیعہ نے بڑی حسرت سے آہ بھرتے ہوئے کہا۔

''روپے، آسائشات کی فروانی زندگی کی حد درجہ سہولیات و آسودگی ہی انہیں ہر لمحہ اتنا مطمئن و پرسکون رکھتی ہے کہ وقت انہیں تادیر جوانی کا احساس دلاتا ہے، عمر رسیدہ ہونے کے باوجود جوانوں سے زیادہ ایکٹیو اور سمارٹ لگتے ہیں۔'' اریبہ نے تھکے تھکے سے لہجہ میں کہا پھر ایکدم سے کچھ یاد آنے پر بولی۔

''آج ایک اور نئی بات ہوئی جو میں بتانا بھول ہی گئی میڈم شائستہ نے مجھے ماڈلنگ کی آفر دی، ان کے مطابق میرا چہرہ بہت فوٹو جینک ہے قد کاٹھ اور سمارٹنس کے ساتھ یہ فیلڈ میرے لئے بہت سوٹ ایبل ہے۔''

''اوہ نو، اتنی زبردست آفر وہ بھی آپ کو، ہائے آپی آپ نے کیا جواب دیا۔'' ربیعہ اور جویریہ تو حیرت و خوشی سے اچھل پڑیں۔

''انکار کر دیا اور یہی مناسب تھا۔''

''مگر کیوں آپی، اتنی خوبصورت تو آپ ہیں کتنی اچھی لگتیں سکرین پر۔''

''میں اپنی زندگی مزید کسی مشکل میں نہیں ڈالنا چاہتی، تم جانتی ہو ہمارے لئے حالات پہلے ہی کتنے بدتر ہیں اور ایسی کسی آفر کو قبول کرنا میرے لئے اور مشکلات کھڑی کر دیتا، اپنی زندگی کو میں بڑی سعی و کوشش سے ایک قابل قبول ڈگر تک لانے کی جدوجہد میں مصروف ہوں اسے ناقابل قبول نہیں بنا سکتی۔'' وہ سنجیدگی سے بولی۔

''اگر ایسی آفر مجھے ملتی تو میں فوراً قبول کر لیتی، اتنی دولت شہرت اچھا گھر گاڑی مہنگی اور مشہور بوتیکس کے کپڑے وہ بھی فری میں ہم دنوں میں امیر ہو جاتے، ایک دفعہ اخبار میں پڑھا تھا میں نے کہ اداکار شان نے ایک مشہور چائے کی آدھ منٹ کا کمرشل کرنے کے پینتیس لاکھ لئے تھے، ایسے ہی تو ایک ایک گانے یا وڈیو میں پرفارم کرنے والی اداکارائیں چند دنوں میں گاڑی کوٹھی کی مالک نہیں بن جاتیں۔''

اپنی مفلسی و تنگدستی سے نالاں ربیعہ لہجے میں حسرت اور اشتیاق چھپائے بولی تو اریبہ نے بے حد چونک کر اسے دیکھا پھر پھیکی مسکراہٹ سے بولی۔

''تم نہیں جانتیں گھروں سے کیمرے کے آگے آنے کا شوق لے کر اسٹوڈیوز تک پہنچنے والی لڑکیاں اپنے شوق کی کیا قیمت دیتی ہیں، کتنے ہاتھوں میں ان کا وجود بکاؤ مال کی طرح بکتا بنتا ہے پھر قسمت کھلتی ہے۔''

''مگر آپی آپ کو تو براہ راست اتنی بڑی ایڈورٹائزنگ ایجنسی کی مالک نے خود آفر کی ہے آپ کو بنا کسی رکاوٹ و آزمائش کے یہ چانس ملا ہے۔''

''وہاج کا رویہ تم نے دیکھا ہے اس نے محض ایک بار طبیعت کی خرابی پہ لفٹ لینے کی سزا میں مجھ سے لاتعلقی اور اجنبیت اختیار کی ہوئی ہے، خالہ کا سلوک و رویہ کزنز کا سرد انداز کیا یہ سب مزید دشوار ترین نہ کرتا حالات کو۔''

''ٹھیک کہتی ہیں آپ، ویسے بھی یہ فیلڈ ہم جیسی لڑکیوں کے لئے نہیں بنی نہ ہی ہمارا مزاج اس کے مطابق ہے۔'' جویریہ نے سنجیدہ لہجہ میں کہا تھا۔

رات کو طیبہ کا فون آنے پر اس نے یہ تذکرہ اس سے بھی کیا اور جب طیبہ نے کہا۔

''میرا مشورہ ہے تم آنکھیں بند کر کے اس آفر کو قبول کرلو۔''

''میں اتنا بڑا قدم نہیں اٹھا سکتی وہاج جان سے مار دے گا مجھے۔'' اس نے فوراً کہا۔

''تم ابھی تک اس شخص کی آس پر بیٹھی ہو جو تمہیں زندگی کے کسی عہد ناگوار کی صورت بھلائے اپنی دنیا میں گم ہے، جسے یہ احساس تک نہیں کہ تم بنا کسی سپورٹ کے تن تنہا محض چند ہزار کے بل بوتے پر کیسے اپنے گھر نفوس کو سنبھال اور بیمار ماں کو آئے دن ہسپتالوں میں گھسیٹتے پھرتی ہو، جیسے تمہاری محبت، وفا اپنے وعدے کچھ یاد نہیں، تم اس شخص کے لئے زندگی برباد کر رہی ہو کیوں؟'' وہ جیسے غصہ سے بولی۔

''ایک بے وفا شخص کے بھروسے پر خود کو زنگ نہ لگاؤ اور یہ زندگی کو ضائع نہ کرو، یہ فیلڈ اس کا انتخاب تمہارے بہت سے مسائل ختم کر سکتا ہے جس میں سب سے اہم مسئلہ تو تمہاری غیر مستحکم مالی پوزیشن ہے روپے کی کمی تمہاری ماں کے علاج میں حائل ہے، پیسے نہ ہونے سے تمہاری بہنیں کالج کو خیرباد کہہ کے پرائیویٹ پڑھ رہی ہیں، تم دھکے کھاتی پھر رہی ہو پھر دو وقت کا کھانا نصیب ہوتا ہے، اگر تم یہ سب مسائل حل کرنا چاہتی ہو تو اس کے لئے تمہیں کھلا روپیہ چاہیے اور یہ پروفیشن تمہیں کلک کر گیا تو راتوں رات ہن برسنے لگے گا۔'' طیبہ نے بہت سنجیدگی سے تمام حالات پیش کر کے اسے بہر صورت یہ پروفیشن چننے کا مشورہ دیا وہ کچھ توقف کے بعد سرد آہ بھر کے بولی۔

''کچھ بھی کبھی میرے ذاتی تحفظات مجھے یہ سب کرنے کی اجازت نہیں دیتے ہیں پھر تمہیں پتا تو ہے وہاج نے ایک معمولی بات کو ایشو بنا کر کیسا ری ایکٹ کیا، یہ سب تو قطعاً برداشت نہیں کر سکتا وہ میرے حوالے سے بہت پوزیسو ہے۔''

''اگر وہ تمہارے لئے پوزیسو ہوتا نہ تو ذرا سی بات پر خفا ہو کر تمہیں بیچ منجدھار میں ڈوبنے کے لئے تنہا نہ چھوڑتا بلکہ تمہارا ساتھ دیتا۔'' طیبہ کا لہجہ اتنا سچا تھا کہ وہ خود کو اس سچ کا سامنا کرنے کے لئے اس وقت بھی تیار نہ پا رہی تھی کتنی تکلیف ہوتی تھی اسے اپنی زندگی کے اس پہلو کا سامنا کرتے ہوئے۔

''اس کے لئے وقت بدل چکا ہے حالات بدل چکے ہیں اس کا ظاہر بدل چکا ہے اور شاید وہ دل بھی جس میں کبھی تم تھیں، اس سے پہلے کہ وقت مزید بدلے اور تمہاری تمنا کی پھیلی ہتھیلیوں پر وہاج حسن مزید اذیت رکھ کے آگے بڑھ جائے تم سنبھل جاؤ کیونکہ بعد میں سنبھلنا تمہارے لئے مشکل ہوگا، یہاں ہر کوئی اپنے لئے جیتا ہے یہی زمانے کی ریت ہے یہی دستور کوئی کسی کے لئے فضول میں نہیں مرتا، اگر زندگی جینے اور بہتر آسائشات پانے کا اچھا آپشن تمہارے سامنے رکھ رہی ہے تو بڑھ کر اس سے فائدہ اٹھالو، زندگی کو جامد نہ کرو، اس میں رنگ بھرو اور رنگوں سے باتیں کرو کیونکہ رنگوں، خوشبوؤں سے کھیلنا زندگی کی علامت ہے اور یہ علامت سکون، خوشی، آسودگی بن کر وجود کو متحرک رکھتی ہے۔''

طیبہ کی باتیں، زندگی کا چہرہ حالات کا تجزیہ پریشانی کے تاثرات اس کے سنتے چہرے پر پہلے سے کچھ اور بڑھ گئے تھے کبھی ایسا بھی وقت تھا کہ وہ انسانی نفسیات کے ہر پہلو پر نظر رکھتی تھی، وہاج جاب نہ ملنے کے غم یا گھریلو مخدوش حالات کو لے کر پریشان ہوتا تو وہ ہمیشہ اس کے کرب کو کم کرنے کی خاطر ایسا موضوع چھیڑتی جو اس کے ہر درد کو مدہم اور کبھی کم کر دیتا لیکن اب پتا چلا تھا دوسروں کو سمجھانا آسان ہوتا ہے اپنے آپ کو مشکل اور جب دل ہی نہ سمجھے پھر انسان کیا کرے؟

وہ اپنے حالات، وہاج کے رویے اور زندگی کے آئندہ تجزیے کو لے کر پریشان نہیں ہونا چاہتی تھی مگر اس کی آنکھیں ہزار کوشش کے باوجود پانی پانی ہو رہی تھیں۔

خفا ہو کے بھی مجھ سے خفا نہ لگے
عجب شخص ہے جدا ہو کے جدا نہ لگے
وہی ہے مکمل حسن زندگی کا
اس کے بنا اچھا کوئی دوسرا نہ لگے
نہ آہٹ نہ چاپ نہ دھڑکن کی صدا
وہ ایسے آئے کہ کبھی پتا نہ لگے
میں کیا کروں یہ دل کا معاملہ ٹھہرا
وہ جفا کرے بھی تو بے وفا نہ لگے

☆☆☆

انسان کا سب سے بڑا دشمن خود انسان ہوتا ہے اور یہ بھی سچ ہے کہ اگر ہم خود سے دوستی کرلیں تو اس سے بہترین دوستی کوئی اور نہیں ہو سکتی، لیکن اس تبدیلی کے لئے ہمیں اپنے آپ سے مخلص ہونا پڑتا ہے اور جب وہ خود سے اپنے مقصد سے مخلص ہونے لگتا ہے تو لوگ اس پر نکتہ چینی روک ٹوک یا بے تنقید کر کے اس کا راستہ روکنے کی کوشش کرتے ہیں، اور وہ جو کامیابی و کامرانی کے اچھے اچھے خیالات سوچتا ہے آئیڈیاز بناتا ہے ڈبل مائنڈڈ (دوہری ذہنی کیفیت) ہو جاتا ہے ذہن میں شک پھنس جاتا ہے کہ یہ کام کروں یا نہ کروں یہاں تک کہ وہ سنہری موقع اس کے ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔

اس کی ہم وطن عورتوں کا اسے سمجھانے بجھانے کا کام اپنی جگہ لیکن وہ کسی اور کے خدشات و اندیشے تلے اپنے ارادے بدلنے کی عادی نہ تھی اور کسی دانا کے اس قول پر یقین رکھتی تھی۔

''اپنی شخصیت کی تعمیر اس طرح کیجئے کہ آپ کے اندر فوری اور درست فیصلہ کرنے کی قوت آجائے پھر اسے ایک اچھی عادت کی طرح اپنا لیجئے۔'' جبکہ کیتھرین اسی جلد بازی کو اس کی بیوقوفی قرار دیتی تھی۔

انجلا مارشل اور جیفرلوبن کا بھی یہی خیال تھا کہ وہ کوئی بھی فوری فیصلہ کرنے کی بجائے اس

کے ممکنہ اسباب اور ہر پہلو پر اچھی طرح سوچ بچار کرے۔

"میں سوچ و بچار اور متذبذب میں وقت ضائع نہیں کر سکتی کیونکہ متذبذب طبیعت (ڈبل مائینڈڈ لوگ) کبھی کوئی بڑا کام نہیں کر سکتے اور مجھے خدا نے یقیناً کسی بڑے کام کے لئے پیدا کیا ہے۔" ماریا سر جھٹکتے ہوئے بولی اور اس کا انداز قطعی تھا۔

"تو تم اب اسلام پہ ریسرچ کرو گی۔" کیتھرین نے پوچھا۔

"یقیناً کیونکہ جو آواز میں بچپن سے جوانی لاشعور سے شعور تک سنتی آ رہی ہوں اس کا کوئی گہرا تعلق اسی مذہب سے ہے۔"

"اور اس مذہب سے متعلق تمہیں وہ سب بھی یاد ہو گا جو تم پہلے اپنے زیر مطالعہ رہنے والی بین الکلیاتی مذاہب کی اکثر کتب میں پڑھ چکی ہو۔"

"میں اسی مواد سے متعلق سچائی کو پرکھنا چاہتی ہوں اپنے ذہن اپنے دل و دماغ اور اپنی آنکھوں سے دیکھ کر۔"

"تم کیا سمجھتی ہو کہ ہمارے دانشور فلاسفر، عالمی محققین سب خر دماغ تھے جو انہوں نے غلط سلط باتیں ہم تک پہنچائیں۔"

"کیتھی جب بھی دوسرے ملک، دوسرے مذہب پہ کوئی غیر قوم، غیر مذہب کا بندہ اٹھ کر دیکھتا ہے تو وہ خواہ کتنا ہی اعلیٰ پائے کا عالمی سطح کا دانشور ہو اپنے متعصبانہ ذہن کی بنیاد پر ہمیشہ اس ملک و قوم کے مذہب و ہسٹری کو کچھ سے کچھ بنا کر پیش کرتا ہے مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک بار کالج کے تربیتی کورس کے سلسلے میں ہمارے ڈیپارٹمنٹ میں امریکہ کے کرنل میتھیو آئے اور جب وہ ہمیں ریاستی پالیسیوں خارجہ پالیسیوں کی مختلف جہتوں سے آگاہ کر رہے تھے تو انہوں نے مسلم دشمنی کے باعث ظالم اور مظلوم آزادی اور غلامی کی مساواتوں کے معنی ہی بدل ڈالے تھے، مثلاً مقبوضہ فلسطین، کشمیر اور چیچنا میں مجاہدین نے غاصبوں کے خلاف جو تحریکیں شروع کیں وہ دہشت گرد اور ظالم قرار دیئے گئے، انہوں نے مغربی حکومتوں اور مشرقی تیمور، جنوبی سوڈان کی مسلح تحریکوں کو آزادی پسند اور جمہوریت پسند قرار دیا جبکہ انڈونیشیا اور طالبان قسم کی تحریکیں غاصب مظالم پسند قرار دیں اور اسی مفروضے کی بنیاد پر انہوں نے مختلف کورس اور پریزینٹیشن تیار کیں اور ان تمام مضامین و مقالاجات کا مقصد نوجوان نسل کے ذہن میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف زہریلا اور شر انگیز پروپیگنڈا ابھرنا تھا، اپنے لیکچر میں ینگ ذہنوں کی برین واشنگ وہ یوں کرتے تھے کہ اعتدال پسند اسلام کا کوئی وجود نہیں، یہ اسلام کے بربریت والے نظریات اب برداشت نہیں کیے جا سکتے، اسلام خود کو بدل لے ورنہ مکمل تباہی کے لئے تیار ہو جائے۔" وہ لگاتار اور بنا پلکیں جھپکائے بولتی گئی اپنی بات کو درست ثابت کرنے کے لئے اس نے وہاں سے یاد کا اک گوشہ بے نقاب کیا تھا یہاں وہ سوچ بھی نہ سکتی تھی۔

"ماریا میں نے کرنل میتھیو کا وہ لیکچر خود اٹینڈ کیا تھا ان کا مقصد محض اسلام دشمنی نہ تھا بلکہ حقیقت میں انہوں نے نوجوان نسل کو وہ حقائق بتائے تھے جن سے وہ یکسر ناواقف تھے اور سچا دانشور ہمیشہ اپنے یا کسی دوسرے معاشرے کی وہی تصویر پیش کرتا ہے جسے عمومی یا خصوصی تناظر میں

موجودہ عہد دیکھتا ہے۔" انجلا مارشل کا لہجہ مضبوط اور اس سے کچھ خفگی لئے ہوئے تھا، ماریا جوزف طنزیہ انداز میں مسکرائی تھی پھر بولی۔

"حقیقت یہ بھی تھی کہ مسلم دشمن دانشور بننا اور اسلامی تعلیمات کو توڑ مروڑ کر پیش کرنا بحیثیت مجموعی جواہر یہ بنے کہ اسلام جنگ و فساد کی تلقین کرتا ہے بڑا منافع بخش کاروبار بن چکا ہے، اسی لئے تقریباً میں نے یہی کچھ گوانڈولو کے مقالہ میں "جب سچائی پیش کی جائے تو دشمن کے عمومی ردعمل" (Usual responses from the enemy when presented with truth) میں پڑھا تھا کہ اسلام محض شر ہے اور اگر اسے ماننے والوں نے اس کو نہ چھوڑا تو وہ نیست و نابود کر دیئے جائیں گے۔" وہ ذرا سا رکی اور اپنے سامنے بیٹھی تینوں عورتوں کو دیکھتی ہوئی بولی۔

"اب تم خود جواب دو کہ کسی ملک و قوم یا مذہب کے بارے میں کسی فرد واحد کا یہ رویہ خصوصی ہے یا عمومی اور اسے نصابی کورس کا حصہ کیوں بنایا جاتا ہے تربیتی کورس کے لیکچرز کے بہانے نوجوان نسل کا ذہن ایک خاص ملک و قوم یا مذہب سے باغی کیوں کیا جا رہا ہے، ایک عہد کیا پیش کرتا ہے وہ پرکھنا عہد سازوں پر چھوڑ دینا درست نہیں کیا؟" ان تینوں میں سے کسی کے پاس اس سوال کا جواب نہیں تھا اور یہ ماریا جوزف کو بخوبی علم تھا سو وہ مسکرا رہی تھی ایک تمسخرانہ مسکراہٹ جو انہیں سراسر اپنا مذاق اڑاتی محسوس ہو رہی تھی۔

"ماریا تم نے ابھی اسلام اور مسلمانوں کی حقیقت کو پرکھنا نہیں ہے ابھی تم یہ کیا صحیح ہے اور کیا غلط اس کی حقیقت نہیں کھلی تم ابھی سے یہ لہجہ اپنے ہم مذہبوں کے لئے اپنا رہی ہو اور یہ قطعاً درست نہیں۔"

"پہلی بات تو یہ ہے کہ میرا عرصہ ہوا عیسائیت سے رابطہ ٹوٹ چکا ہے اور پچھلے کئی سالوں سے میں مختلف مذاہب کو پرکھ رہی ہوں اور اسلام پر بھی ایک تنقیدی و تفصیلی ریسرچ کرنا چاہتی ہوں دوسری بات یہ میں اسے اسی نظریہ سے پرکھنا چاہتی ہوں کہ آیا اس پر جاری عالمی تنقید بلا جواز ہے یا قابل جواز، اسلام کی اصل ہسٹری کیا ہے وہ جو مغربی مفکرین اور مغربی معاشرہ پیش کرتا ہے یا وہ جو اسلامی معاشرہ اور مسلم مفکرین پیش کرتے ہیں۔" وہ بڑے سنجیدہ لب و لہجہ میں بولی۔

کیتھرین، انجلا اور جینیفر نے صرف دیکھا تھا اسے کچھ کہا نہیں۔

"ویسے تم لوگ فکر مت کرو کیونکہ اسلام اور مسلمانوں پہ جستجو و تحقیق کا ارادہ رکھنے کے باوجود میرا اسے اپنانے کا موڈ قطعاً نہیں ہے۔" یہ بات اس نے ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ کہی۔

"غالباً یہودیت، جین مت، ہندومت اور بدھ مت کے متعلق بھی تمہارا ارادہ محض ریسرچ تک محدود تھا پھر تم نے ریسرچ چھوڑ کر کیے بعد دیگرے تمام مذاہب کو سمجھنے، اپنانے کی بھی حتی الامکان کوشش کی یہ اور بات کہ تمہارے وجدان نے اجازت نہ دی اور جانتی ہو کیوں؟ صرف اس لئے کہ تمہارا پیدائشی خمیر عیسائیت سے اٹھا ہے تم کتنا ہی بھٹک لو سوائے عیسائیت کے کوئی اور دینی فرقہ نہ تو تمہیں مطمئن کر سکتا ہے نہ تمہارا ضمیر و ذہن اسے اتنی آسانی سے قبول کر سکتا ہے، عیسائیت ہی ایک کامل دین ہے جو کاملیت تم دیگر مذاہب میں ڈھونڈ رہی ہو وہ کہیں نہیں ملے گی۔" کیتھرین

نے بہت سوچ سمجھ کر درست الفاظ کا استعمال کیا تھا مگر ماریا اس کی باتوں پر بڑے محظوظ ہونے والے انداز میں مسکرائی۔

"کیتھرین تم غلط ہو عیسائیت کامل نہیں ہے ایسا مذہب جو تین خداؤں کا عقیدہ رکھتا ہو جس کا خدائی تصور ہی یکتا نہیں ہے وہ کامل کیسے ہو سکتا ہے؟ میں ہر اتوار کو چرچ جاتی تھی میرے پاس ہر سہولت، عیش اور دنیا کی ہر چیز موجود تھی اگر کچھ نہ تھا تو وہ سکون اور سچی خوشی ایک باطنی اضطراب اور روحانی بے کلی مجھے ہر وقت ڈستے عبادات بھی روحانی پیاس کا کوئی مداوانہ کر سکیں اور محض بارہ سال کی عمر میں دینی اجتماعات میں شرکت کرتے بائبل کی تعلیم، عیسائیت کے عقائد مذہبی رہنماؤں کا کھوکھلا پن کوئی بھی چیز مجھے مطمئن نہ کر پارہی تھی، ایک بھیانک خلا تھا جس میں، میں بھٹکتی تھی اگر عیسائیت ایک مکمل دین ہوتا تو میری شخصیت میں یہ روحانی خلا اور باطنی اضطراب کبھی نہ ابھرتا اور رہی بات دوسرے مذاہب کی تو میں نے یہ سوچا تھا کہ آخر سچائی کی تلاش خود کیوں نہ کی جائے، اس کے لئے جو بہترین طریقہ میری سمجھ میں آیا وہ یہ تھا کہ دوسرے ملکوں کی سیاحت کرتی، وہاں کے لوگوں میں گھل مل جاتی اور ان کی زندگیوں کا قریب سے مشاہدہ کرتی اور کوئی نہ کوئی چیز اچھی لگتی تو ظاہری بات ہے کہ اس سے متعلقہ مذہب کو سمجھنے کا جذبہ بڑھتا۔"

"جیسے اب ایک عالمی سطح پر دہشت گرد مانے جانے والے ملک میں تمہیں محض مسجد کے گنبد یا مینار سے بلند ہوتی پکار اچھی لگتی تو تم اسلام کو جاننے کی شائق ہو گئیں۔" کیتھرین قدرے تیکھے اور طنزیہ انداز میں بولی جسے برداشت کرتے ہوئے ماریا بولی۔

"کیتھرین میں پہلے بھی کہہ چکی ہوں کہ میں ایک سوجھ بوجھ رکھنے والی باشعور لڑکی ہوں اگر یہودیت یا بدھ مت کے مشکل دینی وظائف سیکھ کر بھی عقائد ناقص محسوس کر کے انہیں مستقل اپنی زندگی کا حصہ نہیں بنا سکی تو محض ایک پکار کے پیچھے بھی خود کو ضائع نہیں کروں گی، تم مجھے اس مذہب کو پرکھنے کا موقع تو دو۔"

"ماریا بالکل ٹھیک کہتی ہے واقعی اگر اتنے سال کی تگ ودو اور ریسرچ ومحنت اسے بدھسٹ، ہندو یا یہودی نہیں بنا سکی تو وہ اتنی جلد مسلم بھی نہیں ہو سکتی۔" انجلا مارشل کا انداز اس کے لئے دفاعی تھا۔

"Thats right سو ڈیئر سٹ تم اپنے ذہن سے ہر تفکر والجھن کو جھٹک کر ایک پرسکون نیند لو ہمیں بھی سونے دو۔" ماریا بہت ہلکے پھلکے انداز میں بولی، کیتھرین سر جھٹکتے ہوئے بستر پر دراز ہونے لگی لیکن اس کی آنکھیں بدستور کسی فکر انگیز الجھن کی غماز تھیں۔

☆☆☆

اس بہت نے سنا اور پڑھا تھا کہ کسی بھی انسان کے ظاہر پر نہ جاؤ کیونکہ ہر انسان ایک بند کتاب کی مانند ہے جس کا سرورق کچھ ہوتا ہے اور اندرونی صفحات پر کچھ تحریر ہوتا ہے آج اس وقت اپنے اٹالین طرز کے خوبصورت ٹیرس پر ٹہلتی وہ اس بات کی سچائی کا اعتراف کر رہی تھی، شہریار کے سلجھے مزاج شائستہ اطوار، مہذب رویے اور متاثر کن شخصیت اسے ہمیشہ اچھا بہترین شخص کے طور پر پیش کرتے تھے اور اس کی شخصی خوبیوں کے ساتھ بزنس مرعوب ومتاثر رہتی تھی وجہ ایک تو

سعیہ کے حوالہ سے وہ اسے اچھے لگتے پھر اسے معتدل مزاج کی بدولت جس طرح وہ صورتحال کو ہینڈل کرتے یہ انہی کا خاصہ تھا ورنہ سعیہ جیسی موڈی لڑکی سے کچھ بعید نہ تھا کس وقت کس کے سامنے کیا کہہ دے کیا کر ڈالے، وہ بہت مطمئن تھی اب تک کہ شہریار اپنے متوازن رویے اور ٹھنڈی طبیعت کی بناء پر سعیہ کو سدھار لے گا اور اس کی پیاری سی دوست بہت جلد زندگی کی خوبصورتی سے اپنا حق وصول لے گی۔

مگر اس کا یہ خیال غلط تھا بچپن سے لے کر اب تک اس نے اپنی ہر بات شیئر کرنے والی ہر الجھن پر مشورہ مانگنے والی اس کی اکلوتی اور واحد دوست اس وقت ایک دھوکے کی زندگی گزار رہی تھی، غموں کی تمازت میں پگھل رہی تھی اور رشتوں مصلحتوں کی ایسی بے بسی ومجبوری میں قید کہ اپنے ساتھ ہونے والی ناانصافی پہ کسی کو کھلم کھلا کچھ بتا بھی نہ سکتی تھی، ایک گھر میں ایک کمرے میں ایک چھت تلے رہ کر بھی اسے اب تک اپنے شوہر کی قربت وتوجہ میسر نہ تھی وہ پھر بھی اپنا ضبط قائم رکھتی، دوستانہ انداز میں ہنستی خود کو مطمئن اور پرسکون رکھتی تھی کس ضبط اور برداشت سے اور بہت فرمانبردار اچھے داماد کا لقب پانے والا شہریار وہ یہ سب ایک معصوم لڑکی کے ساتھ کرتے ہوئے کتنا فریش تھا، خوش اور مطمئن تھا، صبا کو اس کے لہجے کا ٹھہراؤ اور سب جھیل کر مسکرانے والا انداز یاد آتا تو یقین کرنے کو دل نہ چاہتا مگر سعیہ کی بھیگی آنکھیں، بجھا بجھا چہرا اور نم لہجہ میں چھلکتا تو شہریار کی بناوٹ اور دھوکہ دہی زہر لگتی، کچھ بھی تھا سعیہ اس کی بہنوں جیسی دوست تھی اور صبا اس سے ہونے والی زیادتی پر شہریار سے باز پرس کا حق رکھتی تھی۔

شہریار نے اس کی بات بہت غور سے سنی تھی پھر قدرے کاندھے اچکاتے ہوئے کہا تھا۔

"میں کیا کہوں اپنی دوست سے پوچھو وہ خوش کیوں نہیں ہے ویسے اس کی نیچر ایسی ہے۔"

"شہریار بھائی بائے نیچر وہ کتنی ریزرو یا موڈی ہو مگر شادی ایسا بندھن ہے جو انسان میں تبدیلی لے آتا ہے، بے پناہ سنجیدہ بندے کو بھی بدل دیتا ہے، بیاہتا لڑکی کی آنکھوں میں جو چمک چہرے پر جو مسکراہٹ دکھائی دیتی ہے وہ سعیہ کے پاس ہے ہی نہیں۔" صبا زور دے کر بولی۔

شہریار ایک ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گیا اب وہ اسے کیا بتاتا کہ تمہاری دوست کو اس چمک اور مسکراہٹ کے مان سے کوئی سروکار نہیں۔

"اس بات کو مان لوں اس کی نیچر ایسی ہے آپ کی نیچر تو ایسی نہیں پھر آپ ایسا کیوں کر رہے ہیں جو آپ کے مزاج اور رویے کے متضاد ہے۔" صبا کا جملہ یقیناً اچانک تھا شہریار ٹھٹک کر اسے دیکھنے پر مجبور ہو گیا۔

"ایک سچی، کھری لڑکی کو گھر لا کر اس کی ناقدری کرنا جبکہ وہ بہت پیاری بھی ہو۔"

"صبا تمہیں کوئی شدید قسم کی غلط فہمی ہوئی ہے۔" وہ بظاہر مسکرا رہا تھا مگر اس کی مسکراہٹ اس کے چہرے کا ساتھ نہیں دے رہی تھی اور اپنے تاثرات کو کنٹرول کرتے ہوئے وہ بولا۔

"تم سے سعیہ نے کچھ کہا ہے؟ اس کا چہرہ بتاتا ہے خود وہ ڈل اور بجھی بجھی ہے، بجتی سنورتی ہے مگر پہلے کی طرح اونچی آواز میں ہنستی بولتی نہیں بے شک شادی ایسا رشتہ ہے جو بندے میں احساس ذمہ داری لے آتا ہے مگر وہ تو زندگی کو انجوائے کرنا بھلا چکی ہے۔"

"چہرے پر مت جاؤ صبا یہ بڑا دھوکہ دیتے ہیں۔"

"واقعی چہروں سے بڑا دھوکے باز اور بناوٹی کوئی نہیں بہت سلجھا ہوا انسان بھی تہہ در تہہ نقاب اوڑھ لیتا ہے کہ اصل شخصیت کا پتہ ہی نہیں چلتا۔" وہ جتا دینے والے انداز میں بولی تو شہریار ذرا توقف کے بعد بولا۔

"اپنی دوست کی طرفداری میں تم میرے ساتھ زیادتی کر رہی ہو بنا میرا موقف سنے فرد جرم نافذ کرنا اچھا رویہ نہیں۔"

"سعیہ کے لئے آپ کا سب سے بڑا موقف محبت تھا شہری بھیا، وہ جنونی محبت جسے مضبوط رکھنے کی خاطر آپ نے اس کی مخالفت انکار کے باوجود اس سے شادی کی تھی اور شادی تو ایسا رشتہ ہے کہ اگر اس سے مفادات یا دشمنی بھی وابستہ ہو پھر بھی بیوی جو ایک خوبصورت اور تعلیم یافتہ بھی ہو کسی نہ کسی بے اختیارانہ نگاہ و توجہ کی حقدار ٹھہر جاتی ہے، سعیہ سے تو آپ کا معاملہ ہی اور تھا دل و جان سے فریفتہ تھے آپ اس پر، جبکہ حالات موجودہ گزشتہ کے برعکس ہیں جو صاف بتاتے ہیں سعیہ سے آپ کا مفاد وابستہ تھا دل نہیں۔" صبا ان کی کھنچائی کرتے ہوئے بے لچک انداز میں بولی۔

"تم ایسا کہہ کر میرے جذبات، میری محبت کی توہین کر رہی ہو صبا جبکہ تمہیں درست حقیقت حال سے آگاہی بھی نہیں۔" شہریار بے بس سا ہو کر بولا۔

"کون سی آگاہی یہی کہ مہینہ بھر سے ایک گھر میں ایک کمرے میں رہنے سونے کے باوجود آپ دونوں اجنبی ہیں، کمپومائز کر رہے ہیں، حقیقتاً خوش نہیں ہے اور یہ وہ روٹین لائف نہیں ہے بھائی جو ایک نو بیاہتا جوڑا گزارتا ہے، یہ محض انا وضد کا جھوٹا کھیل ہے جس کے ہاتھوں آپ اپنی زندگی کے خوبصورت دن برباد کر رہے ہیں۔" صبا نے دکھ سے کہا۔

"یہ باتیں تم اپنی دوست سے کیوں نہیں کہتی جو میرے جذبات سے کوئی سروکار نہیں رکھتی خوامخواہ کے الجھاووں میں خود کو الجھا کے گریز برتتی ہے اپنے رویے سے اس نے مجھے شب اول ہی باور کرا دیا تھا کہ نہ ہمارے درمیان فی الحال کوئی جذباتی وابستگی ہے نہ اس ہی آگے جا کر اس کا کوئی امکان ہو سکتا ہے، باوجود اس کے کہ میں نے اسے پیار سے سمجھانے کی کوشش کی تھی مگر وہ سمجھنا ہی نہیں چاہتی۔" شہریار نے اپنے مخصوص ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہتے ہوئے ذرا توقف کیا جیسے خود پر قابو پانے کی سعی کر رہا ہو۔

"شہری بھائی محبت تو بڑی آسانی سے خود کو منوا لیتی ہے پھر آپ جیسے شخص کی محبت، سعیہ لاکھ برگشتہ و کبیدہ خاطر سہی مگر ہے تو ایک لڑکی جو آپ سے باقاعدہ ایک شرعی و قانونی رشتے میں بندھی ہے اور اس رشتے کے حوالہ سے ہی سہی اسے کچھ توقعات ہونگی۔"

"میری بھولی بہن توقعات وہاں ہوتی ہیں اگلا بندہ یہاں آپ کو کچھ سمجھتا ہو۔" وہ تلخ ہوا۔

"وہ بیوقوف ہے تھوڑی سی مگر اتنی روڈ نہیں کہ شوہر کو......" صبا ہاتھ مروڑتے ہوئے چپ سی کر گئی اور شہریار اس کی ادھوری بات کا پورا مفہوم پا گیا تھا، اسی لئے اک زخمی سی مسکراہٹ سے سر جھٹکتا کھڑا ہوا دونوں ہاتھ پینٹ کی جیبوں میں پھنسائے نگاہیں اپنے سامنے کھلے پھولوں پر جمائے مڑا۔

"اگر اس کے دل میں میرے لئے کچھ ہوتا ناں ذرا سا بھی سافٹ کارنر رکھتی تو وہ میرے جذبات کی پذیرائی کرتی، مجھ سے منہ موڑتی جان بوجھ کر گریز نہ اپناتی۔" نہ چاہتے ہوئے بھی وہ اپنے اندر کی کھولن کو ایک تلخ سے جملے میں کہہ گیا اور صبا بے طرح چونک کر شہریار کو دیکھنے لگی۔

"تمہاری دوست کو اس رشتے سے کوئی سروکار نہیں، اس نے یہ رشتہ محض ایک مجبوری کے طور پر قبول کیا ہے اور مجبوری میں سودے کی مانند مانے گئے رشتوں میں توقعات ناپید ہوتی ہیں۔" وہ رنجیدہ سے لہجہ میں بولا۔

"اور آپ شہری بھائی، وہ بے پایاں محبتیں، اسے پانے کی خواہش، کیا آپ اس کے جذبات کے دھارے کو موڑنے کی سعی نہیں کر سکتے۔" صبا کچھ آزردگی سے بولی۔

"جب وہ مجھ سے خوش ہی نہیں، دل سے اب تک اس رشتے کو سمجھ نہیں پائی تو......"

"نہیں بھائی اب وہ آپ کی بیوی ہے اب آپ اسے ایک شوہر کے انداز میں ٹریٹ کریں، ورنہ یوں تو بہت مشکل ہو جائے گی۔" صبا نے کچھ جھجکتے ہوئے کہا۔

"صبا میری بہن یہ جو میاں بیوی کا رشتہ ہے اس میں آپسی تعلقات محبتوں کی پیداوار ہوتے ہیں جبکہ وہاں ایسا کچھ بھی نہیں ہے وہ صاف کہہ چکی ہے کہ نہ وہ میری قید میں زندگی گزارنا چاہتی ہے نہ......" شہریار لب کاٹتا ایک لخت خاموش ہو گیا اسے سمجھ نہ آیا کہ یہاں ایسے کون سے الفاظ استعمال آئے جو اندرونی کیفیت واضح کر دیں، صبا دکھ سے متاسف انداز میں بولی۔

"یہاں دلوں کے بندھن عمروں سے بندھ جائیں وہاں یہ صورتحال بہت اذیت دیتی ہے۔"

"مگر اسے کچھ نہیں ہوتا وہ مجھے تڑپتا دیکھنا چاہتی ہے اور نفسیاتی خواہشات کا اتنا غلام تو میں بھی نہیں کہ جبر زور کے ذریعے خود کو ہلکا پڑنے دوں۔"

"اور زندگی وہ یوں کیسے گزرے گی؟"

"جیسے گزر رہی ہے گزرتی جائے جب اسے موجودہ پچویشن سے کوئی فرق نہیں پڑتا تو پھر میں بھی مطمئن ہوں۔" وہ خود کو حوصلہ دیتے ہوئے بولا۔

صبا اسے بتانا چاہتی تھی کہ سعیہ خان جیسی طرح دار لڑکی کو فرق پڑنے لگا ہے کیونکہ وہ تسلیم نہ کرنے کے باوجود اب سعیہ شہریار ہے اور یہ رشتہ غیر شعوری طور پر ہی اپنا آپ منوانے لگا ہے جلد یا بدیر اس کا ادراک دونوں کو ہو جانا تھا اور بہتر تھا یہ وہ خود محسوس کرتے فی الحال خاموشی بہتر تھی کچھ دوست ہونے کے ناطے اسے اپنی ہم صنف کا بھرم عزیز تھا وہ بے بس سے شہریار کو افسردہ دیکھ رہی تھی۔

"اپنی ڈیئر تم ٹینشن نہ لو اللہ سب بہتر کرے گا۔" خود پہ قابو پا کے شہریار قدرے بشاشت بھرے انداز میں بولا تو وہ اک گہرا سانس لیتی پھیکے انداز میں مسکرا کے رہ گئی ایسی مسکراہٹ جو الجھن اور بے بسی لئے ہوئے تھی یقیناً وہ سعیہ کے لئے صحیح معنوں میں پریشان تھی۔

☆☆☆

خدا کا رزق تو ہرگز زمیں پر کم نہیں یارو

مگر یہ کاٹنے والے مگر یہ بانٹنے والے
ازل سے ظلم دیکھے جا رہی ہیں دیکھتی آنکھیں
ازل سے سوچ میں ڈوبے ہیں امجد سوچنے والے

اس نے کہیں پڑھا تھا کہ جو لوگ قبر کی تاریکی میں گم ہو جائیں ان کی یادوں کا سورج کبھی غروب نہیں ہوتا، ان کے ہجر کا چاند ٹھنڈی ٹھنڈی روشنی دیتا رہتا ہے، اسے بھی اپنے ابو اور بھائی کی یاد آتی تھی اکثر تو بے حد وحساب جب امی کی حالت زیادہ بگڑتی یا زندگی کے دکھوں سے گھبرا کر حوصلہ ٹوٹنے لگتا تو دل کتنا چاہتا کہ ابو اور معاذ کو کہیں سے پکڑ کر سامنے لے آئے ان کے سینے سے لگ کر اتنا روئے کہ صحرا بھی جل تھل ہو جائے، کتنی اکیلی بے بس اور مجبور تھی وہ تینوں بہنیں، ان کے بغیر اور کتنی غریب بھی کہ رشتے ناطے تعلقات اور محبتیں تک ان سے چھن گئیں تھیں کوئی مضبوط آسرا سہارا کچھ بھی تو نہ تھا دنیا میں اوپر آسمانوں پر واحد اللہ کے سوائے جو ان کی آزمائش کے دن بڑھاتا جا رہا تھا اور پتا نہیں تھا یہ آزمائش کب ختم ہونی تھی، حالات نے اسے پہلے کی نسبت بہت صابر اور شاکر بنا دیا تھا وہ خود کو حالات کے مطابق ڈھالنے کی پوری کوشش کر رہی تھی مگر کامیاب نہیں ہو پا رہی تھی اور اس کی وجہ یقیناً غیر متوقع طور پر پیش آنے والی کوئی نہ کوئی صورت ہی ہوتی۔

گزرنے والی رات بہت تکلیف دہ گزری تھی تینوں بہنیں جاگتی پریشان اور امی کو سنبھالتی رہی تھیں جو جانے عصبی نظام کی کیسی تکلیف میں مبتلا تھیں کہ ان کا منہ خشک ہونے کے ساتھ عضلات کا کھنچاؤ بڑھ رہا تھا آنکھیں سرخ ہو کر پتلیاں کبھی پھیلتی کبھی سکڑتیں اور سانس اکھڑنے لگتا، اریبہ کے لئے اپنی ماں کو اس حالت میں دیکھنا کسی اذیت سے کم نہ تھا ایسے وقت میں اسے اپنے گھر میں کسی مردانہ سہارے کی کمی شدت سے محسوس ہوئی اگر ابو یا معاذ ہوتے تو امی کو یوں تڑپتے کب دیکھتے، وہ لڑکیاں تھیں تنہا بے بس اور مجبور آدھی رات کو گاڑی کہاں سے لاتیں، ماں کو کیسے ہاسپٹل لے جاتیں اس نے جب ماں کو زیادہ تڑپتے پایا تو بنا سوچے سمجھے غیر شعوری طور پر وہاج کا نمبر ملا لیا اور وہاج نے غیر متوقع طور پر پہلی بیل پر اٹھا بھی لیا۔

"وہاج امی کی طبیعت بہت خراب ہے اور ہم انہیں سنبھال نہیں پا رہیں پلیز تم گاڑی لے آؤ ہاسپٹل لے چلتے ہیں انہیں۔" وہ بلا تمہید بھرائی آواز میں بولی۔

"اس وقت ایک بج کر چودہ منٹ ہو رہے ہیں، آدھی رات کو کہاں لے جائیں گے۔" وہ بیزار سے لہجے میں بولا، جبکہ ساتھ خالہ کو بھی ہولے سے بتایا تھا امی کے بارے میں۔

"پرائیویٹ ہسپتال عموماً کھلے ہوتے ہیں وہاں کوئی نہ کوئی ڈاکٹر ایمرجنسی اٹینڈنس کے لئے موجود ہوتا ہے، وہاج پلیز امی بہت تکلیف میں ہیں۔" وہ رو دی بولتے ہوئے اور وہاج کا دل لمحہ بھر کو پسیجا تھا کچھ بھی تھا یہ وہ لڑکی تھی جس نے اس نے محبت کی تھی اور محبت ہو گی تھی، خالہ بیٹے کے بدلتے تاثرات جانچ رہی تھیں۔

"اریبہ تم ذرا سنبھالو انہیں، میں دیکھتا ہوں اگر آ سکا تو......" وہ ذرا رکا پھر کچھ رکتے سے لہجہ میں بولا کیونکہ ماں کے تیور دیکھ رہا تھا۔

"ان فیکٹ آج ثمن اور ہما کی مایوں مہندی کا فنکشن ہے لیٹ نائٹ شروع ہوا تھا ابھی

سارے مہمان گھر میں ہیں میں یکدم سے سب چھوڑ کر نہیں آ سکتا۔"

"وہاج مجھے تمہارا حوصلہ محبت اور ہمت چاہیے، میں بہت اکیلی ہوں۔" وہ سسکی۔

"ارے کیا گونگے بنے سنے جا رہے ہو اس کے ڈھکوسلے کہہ کیوں نہیں دیتے صبح دیکھیں گے۔" خالہ کی ناگوار آواز کے ساتھ ڈھولک کی تھاپ شور شرابہ بھی سنائی دیا تھا۔

"کہہ رہی ہے خالہ کی طبیعت زیادہ خراب ہے سنبھل نہیں رہی ہاسپٹل لے جانا ہے۔" وہ ماؤتھ پیس پہ ہاتھ رکھے بغیر آہستگی سے بولا۔

"تو اس کی طبیعت ٹھیک کب ہوتی ہے وہ تو سال بھر سے یونہی ہے، لاؤ مجھے پکڑاؤ میں بات کروں۔" خالہ نے کہتے ہوئے وہاج کے ہاتھ سے موبائل پکڑ لیا۔

"دیکھو بی بی یہ شادی والا گھر ہے یہ اکیلا مرد بیسوں کام اس اکیلے کو دیکھنا ہیں ماں کو نیند کی گولی دے کر سلا دو، صبح میں کسی رکشہ، ٹیکسی والے کو بھجوا دونگی یہاں جانا ہو لے جانا۔" انہوں نے تڑاخ سے کہہ کر رابطہ ڈس کنیکٹ کر دیا۔

اریبہ ساکت سن سی چپ ہوتے موبائل کو دیکھ رہی تھی اور جویریہ، ربیعہ اسے آہستہ آہستہ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، حالات اسے سخت بنا رہے تھے وہ اپنی بے بسی اور ناکامی پر احتجاجاً رونے یا خدا سے شکوہ شکایت کرنے کی بجائے آنکھوں کو ہتھیلی کی پشت سے رگڑتی دوپٹہ درست کرتی اٹھی۔

"جویریہ تم ذرا دروازے میں کھڑی ہونا میں سامنے والے انکل عرفان سے بات کرتی ہوں شاید وہ اپنی گاڑی پہ امی کو لے جائیں۔" پھر اس نے کتنی دیر تک ڈور بیل بار بار دینے کے بعد مسز اور مسٹر عرفان نے دروازے میں لگی دوربین عدسہ سے جھانکا اور تلخی سے آنے کا سبب پوچھا۔

"انکل میری امی کی طبیعت بہت خراب ہے انہیں ہاسپٹل لے جانا ہے۔"

"تو لے جاؤ غضب خدا کا آدھی رات کو ہمیں جگا کے بتانا کیا ضروری تھا۔" مسز عرفان ناگواری سے بولی۔

"وہ آنٹی اس ٹائم کسی ٹیکسی رکشہ کا ملنا مشکل ہے اگر آپ مہربانی کریں تو اپنی گاڑی پر ہمیں ہاسپٹل پہنچا دیں۔" وہ ہاتھ مروڑتی ملتجی انداز میں بولی۔

"ارے بی بی ہم کوئی خیراتی ادارہ نہیں کھول رکھا بیماروں، پاگلوں کو ہسپتالوں تک چھوڑنے کا اور پھر ایسی نیکی سے۔" انہوں نے نان اسٹاپ بولتے ہوئے دروازہ مقفل کر لیا۔

بعض لوگوں کی زبان کے آگے خندق ہوتی ہے بولتے ہوئے یہ بھی نہیں سوچتے اپنے آپ کو انسانیت کی پستی میں گرانے کے ساتھ اگلے بندے کو بھی ذلت کی اتھاہ گہرائیوں میں اٹھا پھینکتے ہیں، اریبہ کی آنکھوں میں پانی آ رکا تھا لیکن اس نے بڑے صبر وضبط سے یہ پانی اپنے اندر ہی اتار لیا وہ مایوس نہیں ہونا چاہتی تھی اسے محلے میں دو تین گھر ایسے تھے جن کی اپنی گاڑیاں تھیں اور اس نے یکے بعد دیگرے کئی گھروں کا دروازہ ناک کیا تھا مگر قسمت آج کی رات اس سے سخت خفا تھی کہ ہر در سے سختی پھٹکار برسی تھی۔

"ارے دماغ خراب ہو گیا تیرا لڑکی کیوں آدھی رات کو لوگوں کی نیندیں خراب کرتی پھرتی

ہے، سو دفعہ کہا ہے پاگل خانے یا ایدھی ہوم پہنچا دے اپنی ماں کو، ایسی خرد ماغ ہے تو کب سنتی ہے اب بھگتو ہمیں کیوں بے آرام کرتی ہو، جاؤ اپنے گھر یہاں کوئی ایسا تخت نہیں، ویسے بھی جوان جہان ہو کون جانے کس نیت سے بہانہ کر کے بلا رہی ہو۔" یہ اس کی برداشت کی آخری حد تھی اس سے آگے سننے کی اس میں تاب تھی نہ سکت، اونچے گھروں میں رہنے والے اونچی ذاتوں اور نیچی اوقاتوں والے یہ لوگ انسانیت کے کس جامے پر پورے اترتے تھے اور حالات کی ستم ظریفی نے اسے ان بے مہر لوگوں کے ہاتھوں ذلت میں اتار دیا تھا جنہیں دوسروں کے جذبات و احساسات کی بالکل پروانہ تھی، جن کے چہروں پر ایک ہی تحریر نظر آتی تھی سفا کی اور بیگانگی کی، وہ بہت ڈھیلے قدموں سے گھر کے دروازے تک پہنچی تھی اور بے تحاشا رونے لگی تھی اندر آ کر۔

"کیوں دیتا ہے اللہ ایسے لوگوں کو بے تحاشا جنہیں سنبھالنے کا ہنر نہیں آتا، کیا فائدہ ایسی اونچائی کا جو زمین پہ کھڑے لوگوں کو دیکھے اور تکبر میں الجھ جائے۔"

اے خالہ، وہاج لوگ اللہ سب سے شکوے ہو رہے تھے وہ اپنی ماں کو دیکھ رہی تھی جس نے بہت پیار سے یہ گھر بنایا اپنے خون سے رشتے سینچے، محبت سلیقے سے پالے بلا تامل ہر خواہش پوری کی اور آج وہ بے بسی و مجبوری میں قید اذیت کے کس مقام پر تھیں یہ حالات کی سختی تھی۔

کہ صرف نجمہ خاتون کے لئے نہیں ان کی اولاد کے لئے بھی گزرنا ہر دن آزمائش سے بھرپور ہوتا اور آج کی رات تو جیسے بے بسی و ستم ظریفی کی انتہا لئے ہوئے تھی کہ ختم ہونے کا نام نہ لے رہی تھی اور آنکھوں میں آنسو پروتے کٹ رہی تھی اللہ اللہ کر کے صبح صادق طلوع ہوئی تو ان تینوں بہنوں نے وضو کر کے نماز فجر ادا کی اپنے لئے ماں کے لئے دعا مانگی اور وہ تینوں تھوڑا بہت ناشتہ کر کے قریبی سرکاری ہسپتال ماں کو لے گئیں، ابھی تک وہاں کوئی ڈاکٹر موجود نہ تھا، کوئی گیارہ دس کا ٹائم بتا رہا تھا ڈاکٹرز کے آنے کا، وہاں موجود ایک نرس نے صرف اتنا کہا کہ خواب آور انجکشن دے کر اس کی ماں کو سلا دیا وقتی طور پر۔

آفس میں چونکہ ماڈلنگ ایگزیبیشن کی تیاریوں اور ماڈلز کے انتخاب کا کام زوروں پر تھا وہ اتنی آسانی سے چھٹی بھی نہ کر سکتی تھی جویریہ نے اسے بصد اصرار آفس بھجوا دیا تھا البتہ اریبہ کا دھیان ماں میں اٹکا ہوا تھا خیال یہی تھا کہ جتنی جلد ہو سکا وہ چھٹی لے کر آنے کی کوشش کرے گی، بہت ڈپریس سی وہ آفس روانہ ہوئی تھی۔

☆☆☆

پہاڑوں، خوابیدہ مرغزاروں حسین وادیوں میں گھرے خوبصورت اسلام آباد کی سیر کے لئے ان کے اگلے تین دن مختص تھے کچھ تو کام مسلسل سیمینار اٹینڈ کر کے تھکن پھر ان کے وفد کے لئے سب سے زیادہ پریشان کن چیز ماریا جوزف کے دماغ میں بڑھتے منفی خیالات کا ہجوم جو اس کے ذہن کو ہر دم الجھائے رکھتا تو انہیں اس وقت اچھا لگا کہ وہ خود بھی دوڑتی بھاگتی زندگی سے کچھ لمحات چرا کر ضرور پرفضا مقام پہ جائیں، ماریا جوزف جو ہر جگہ جا کر روحانیت، مذہب اور وہاں سے منسلک روایات رسم و رواج کلچر و ثقافت کے متعلق جاننے کی شائق رہا کرتی اسے یہ آئیڈیا سب سے اچھا لگتا تھا، اپنے سیاحتی پیکج میں کہ کتب بینی سے زیادہ معلومات گھوم پھر کر لوگوں کو دیکھ، پڑھ کر میسر ہوتی تھیں، ویسے بھی اسے اچھا محسوس ہوتا فطرت کے نظاروں میں ڈوبے ہر الجھن پریشانی سے دور جب وہ اپنا تحقیقی کام آسانی سے کر سکتی اور روحانیت و مذاہب سے متعلق پوری آزادی سے ذہن کو متوجہ کر کے ہر اس رویے موڈ ماحول اور موضوع پہ ریسرچ کرتی جس کا تعلق انسان یا فطرت سے ہوتا، اسی شوق میں اس نے انڈیا رہتے ہوئے ایشیاٹک سوسائٹی کا کتب خانہ دیکھا تھا جو کلکتہ میں تھا جس کی لائبریری میں ڈیڑھ لاکھ نادر و نایاب کتابیں جمع ہیں اور 47 ہزار قدیم نسخہ جات کا خزانہ جن کا مطالعہ کرتے ہوئے درحقیقت انسان ماضی میں پہنچ جاتا ہے جب دیئے کی روشنی میں کتاب پڑھی جاتی ہاتھوں کے ذریعے چھپتی اور صرف امراء تک ہی محدود رہتی تھی، اس خزانے میں منقش وہ قرآن شریف بھی اسے یاد تھا جس پر خالق تاج محل، شاہجہان کے دستخط تھے۔

ویت نام کا وہ صدارتی پیلس جہاں وقت ساکت تھا جس کی جدید عمارت بیرونی شان و شوکت کا بھرپور احساس دلاتی مگر اندرونی تزئین و آرائش جامد تھی، عمارت کی بالائی منزل کے ایک وسیع کمرے میں چاروں طرف شیشے نصب ہونے کے باوجود اندر آج بھی نصف صدی پرانا ساز و سامان مثلاً قالین، تصاویر، شمع دان، فانوس وغیرہ نصب تھے، پھر چین، ہانگ کانگ، جس کی بیشتر آبادی بدھ مت سے تعلق رکھتی ہے مگر اسے وہ سکون چین اور شانتی کہیں نظر نہ آئی جو اس مذہب کا خاصا تھا بلکہ ہنگامہ اور تیز رفتار زندگی نے اسے کا استقبال کیا تھا خموشی، بدھی خانقاہ جیسی راحت اسے ایک بار ملی، جب اس نے فنگ شوئی کی مشقیں اپناتے ہوئے یوگا اور مراقبہ شروع کیا تھا یا پھر وہ وقت جب وہ ہانگ کانگ کے شاندار ریستوران Jimmy,s kitchen میں گئی تھی نیم تاریک کمرے میں مدہم لیمپوں کی روشنی تلے لذیز کھانے کھاتے ہوئے انسان ماحول کے سحر سے نکل نہیں پاتا، یہ ریستوران اپنے روایتی اور بین الاقوامی کھانوں کے باعث شہرت رکھتا تھا پاکستان سیاحتی ویو سے کیسا تھا، وہ اپنے گائیڈ سے متذکرہ جگہوں کو شیئر کرتے ہوئے اپنا سوال پوچھ رہی تھی۔

"اگر میں بہت زیادہ تعریف کروں تو اسے آپ شیخی خوری یا اپنے منہ میاں مٹھو والی بات بھی سمجھ سکتی ہیں، کیونکہ ہر انسان اپنے مدر لینڈ کے لئے بہت حساس اور الگ کچھ جذباتی تاثرات رکھتا ہے جو یقیناً آپ کے بھی ہونگے مگر ایک ورلڈ ٹور ازم رپورٹ کے مطابق پاکستان دنیا کے ان ممالک میں شامل ہے جہاں ونڈر لینڈز موجود ہیں جو دلفریب جھیلوں قدرتی آبی وسائل اور دلدل پر مشتمل ہیں، پاکستان میں 236 ونڈر لینڈ زہیں تقریباً پندرہ لاکھ پرندے بھی یہاں پناہ لیتے ہیں، ان کا سفر جولائی میں شروع ہوتا ہے۔"

"امیزنگ اور اس سفر میں ہمارا پڑاؤ کہاں کہاں ہوگا۔" کیتھرین نے بھی دلچسپی سے پوچھا۔

"مری، ایوبیہ، نتھیا گلی، سوات، گلگت، کاغان، ناران وغیرہ۔" سعید صاحب روانی سے بولے۔

"تین دن کیا کم نہیں ہونگے اتنے علاقے گھومنے کو۔" ماریا نے استفسار کیا۔

"مری، ایوبیہ، نتھیا گلی، سوات، گلگت، کاغان، ناران وغیرہ۔" سعید صاحب روانی سے

د لے۔

"تین دن کیا کم نہیں ہونگے اتنے علاقے گھومنے کو۔" ماریا نے استفسار کیا۔

"ہمارا پیکج ایسا ہے کہ یہ تین دن آپ کو بہت اچھے اور اکنامیکل گزرے محسوس ہونگے کچھ حصہ گھومنے والا رہ بھی گیا تو مسئلہ نہیں آپ کے شیڈول کو چینج کر کے ہم کچھ وقت بڑھا لیں گے۔" انہوں نے اطمینان دلایا۔

"اور یہ ہونا چاہیے چار پانچ دن زیادہ نہیں، ورکشاپوں، سیمیناروں، میٹنگز، کانفرنسوں میں ہر وقت ورکنگ ٹینشن نپٹاتے ذہن و طبیعت بوجھل ہو گئے ہیں اور ایسے میں کچھ وقت اپنی ذات کے لئے نکالنا، یا ذہن کو آسودگی مہیا کرنے کا خیال برا نہیں۔" ان کے وفد میں شامل ڈاکٹر آرتھر بولے تو ماریا کو جیسے کچھ یاد آیا تھا۔

"ایک بڑی ایکسٹرا جیپ کے ساتھ فوٹو گرافر اور جن علاقوں میں ہمارا قیام ہو وہاں اچھے ہوٹل کا انتخاب تاکہ ہم خوشی اور اطمینان سے وقت گزار سکیں۔"

"میم آپ فکر ہی نہ کریں تمام معاملات اور ضرورت کی ہر چیز پھر جس علاقے کا ہم رخ کریں گے اس کے بارے میں مکمل معلومات ہر چیز جانے سے پہلے پیکج ہے آپ کو قطعاً پریشانی نہیں ہوگی۔"

"اور اگر کہیں دہشت گردوں سے نپٹنا پڑ گیا توس کا انتظام بھی رکھنا۔" ڈاکٹر آرتھر اپنے وفد میں موجود خواتین کو دیکھتے ہوئے نیم مزاحیہ انداز میں بولے۔

"کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہم ڈاکٹر نزہت کو بھی دعوت دیں وہ ہمارے ساتھ ہونگی تو سیاحت و سفر کا لطف کچھ اور بڑھ جائے گا۔" کیتھرین نے پرسوچ لہجہ میں بولتے ہوئے اپنے ساتھیوں کو دیکھا۔

"واقعی اگر وہ آسکیں تو اچھا رہے گا۔" ماریا کا انداز بھی پرجوش ہوا۔

اور جب ان دونوں نے ڈاکٹر نزہت کا کال کر کے اپنے ساتھ چلنے کی دعوت دی تو انہوں نے بہت شائستگی سے معذرت خواہانہ انداز میں کہا تھا۔

"میں ضرور جاتی اگر مجھے اپنی بیٹی کی شادی کے سلسلہ میں ازحد مصروفیت نہ ہوتی اسی ماہ کے آخری اتوار کو اس کی رخصتی ہے اور میں چاہ کر بھی ٹائم نہیں نکال سکتی بلکہ میں آپ کے سارے وفد کو دعوت دیتی ہوں کہ آپ لوگوں نے لاہور آکر یہ شادی اٹینڈ کرنی ہے پھر میں آپ کے ساتھ لاہور گھوموں گی۔" وہ بصد اصرار و خلوص سے بولیں۔

"اوہ، مجھے تو آپ سے لازمی ملنا تھا میں کچھ شیئرنگ چاہتی تھی آپ سے، اسلام کے متعلق کچھ ضروری مواد بکس جو تحقیقی و تاریخی اور موجودہ حوالوں سے اہم ہوں، ان فیکٹ میں مختلف مذاہب پہ ریسرچ کر رہی ہوں۔" ماریا نے اپنا مدعا بیان کیا تو لہجہ مایوس سا تھا۔

"تم ٹینشن نہ لو سویٹ ہارٹ، میں خود تم سے ایک تفصیلی گفتگو چاہتی ہوں، کیتھرین نے مجھے تمہارا مکمل بائیو ڈیٹا بتایا ہے۔"

"تو آپ کچھ کر سکتی ہیں میرے لئے، یقین کریں میں بہت تھک ہار چکی ہوں بہت بھٹک چکی ہوں، ایک سیدھے سچے اور آسان راستے کی تلاش، ایک درست عقیدے کو پانا جس کی قبولیت میں ابہام، شک نہ ہو میرے خیال کے مطابق مجھے یہ ہو سکتا ہے اسلام میں مل جائے کیونکہ میری معلومات کے مطابق مسلمان عقیدہ توحید کے قائل ہیں اور یہ واحد چیز ہے جو مجھے کہیں اور نہیں ملی۔" ماریا کا انداز جذباتی تھا کیتھرین نے ایک ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے اسے تاسف سے دیکھا وہ ہر مذہب سے یونہی فوری طور پر متاثر ہو جانے والی لڑکی تھی، بنا سوچے سمجھے اس کی تعلیمات جاننے کی شائق، اب بھی وہ یہی کر رہی تھی۔

"ماریا میرا خیال ہے کہ ہم اس موضوع پر آمنے سامنے بیٹھ کر بات کریں تو بہتر ہے۔"

"تم اسلام آباد اور شمالی علاقہ جات کے سیاحتی ٹرپ سے واپسی پہ مجھے ملو۔" ڈاکٹر نزہت نے رسان سے کہا۔

"اٹس او کے۔" وہ اتفاق کرنے والے انداز میں بولی اور موبائل کیتھرین کو دیا۔

"لاہور ٹرپ کے لئے سب تیار رہنا یہاں تم لوگوں کے دیکھنے اور مزا کرنے کو بہت کچھ ہے تم سب یقیناً ہر جگہ بھول جاؤ گے مگر لاہور نہیں۔"

"واؤ امیزنگ تو سمجھو بس ہمارا اگلا قدم لاہور میں پڑنے والا ہے۔" ڈاکٹر نزہت خوشدلی سے ہنسیں۔

"Why not, most wellcome"۔

"Ok seeyou again take care and good bye"۔

"او کے گڈ بائے ڈیئر۔" الوداعی سلام و دعا کے بعد موبائل آف کرتے ہوئے کیتھرین نے پرے اچھالا اور بولی۔

"کیا خیال ہے پھر اپنی پیکنگ مکمل کر لی جائے۔"

"لیکن پہلا دن تو ہمارا اسلام آباد میں گھومتے تمام ہوگا پھر آگے بڑھنا ہے۔"

"کہتے ہیں اسلام آباد کے موسم کا کوئی بھروسہ نہیں یہاں کا موسم گرگٹ کی طرح اپنا رنگ بدلنے میں دیر نہیں لگاتا سو ہر مسئلہ کے لئے تیاری حفظ ماتقدم کے طور پر ضروری ہے۔" یہ رائے کیتھرین کی تھی اور سب نے اس کی تائید میں اپنی اشیائے ضروریہ اور سامان و مختصری بیگ کی لسٹ کو چیک کرنا شروع کیا۔

(باقی آئندہ)

"دعائے صحت"

ہماری ہر دلعزیز مصنفہ ہما عامر آج کل شدید علیل ہیں قارئین سے دعائے صحت کی اپیل ہے، وہ ہما عامر کی جلد صحت یابی کے لئے دعا کریں۔

[illegible]

عابی ناز

اپنوں کو کھو دینا زندگی کا بہت بڑا خسارہ ہوا کرتا ہے، ظل جنت کو بھی ایسا ہی ناقابل تلافی خسارہ بہت کمسنی میں جھیلنا پڑا تھا، اپنی زندگی میں موجود ماں باپ کے پرشفقت سہارے اور سائباں سے صرف آٹھ سال کی عمر میں محروم ہو جانے والی ظل جنت کو اس کے چچا جان یتیم و مسکین اور لاوارث جان کر اپنے گھر تو لے آئے تھے مگر چچی اسے چاہ کر بھی دل سے قبول نہ کر سکیں، اسے ماہا، مایا اور ضوبیا کی طرح پڑھنے نہیں دیا گیا تھا بلکہ چچی جان کا ہاتھ بٹانے کو گھر کے کام کاج میں لگا دیا گیا تھا، آٹھ سالہ ظل جنت نے اپنے صبر و تحمل یا شاید ناسمجھی کے باعث اس صورتحال سے سمجھوتہ کر لیا اور اپنے پڑھنے لکھنے کے شوق کو تین جماعتیں پڑھ لینے کے بعد چچا کے گھریلو حالات کو دیکھتے ہوئے خیرباد کہہ دیا، مما پاپا نے اسے کتنی چاہ اور شوق سے سکول بھیجنا شروع کیا تھا مگر صرف تین جماعتوں کے بعد حالات نے یوں پلٹا کھایا کہ زندگی کا سارا نظام ہی الٹ گیا، چچا چچی نے اس کو صرف دنیا دکھاوے اور خود کو لوگوں کی نظروں میں معتبر محترم بنانے کے لئے پالا تھا مگر ظل جنت کی نظر میں یہ ان کا اس پر ایسا احسان تھا جس کا بدلہ وہ ساری عمر چکا نہیں سکتی تھی۔

صرف چچا چچی ہی نہیں ان کی تینوں بیٹیوں اور دونوں بیٹوں عاصم اور جاسم کی بھی بے دام غلام بن گئی تھی وہ، اس نے ان کے سامنے کبھی نظر تک اٹھانے کی ہمت نہیں کی تھی خواہ وہ اس پر بے دریغ ہاتھ ہی کیوں نہ اٹھاتے، برتن دھوتی، آٹا گوندھتی اور گھر کے آنگن میں دوڑ دوڑ کر کام کرتی ظل جنت کب بچپن سے لڑکپن اور لڑکپن سے جوانی کی عمر کو پہنچی کسی کو خبر ہی نہ ہوئی، اس کی روٹین اور عادات میں اب بھی کوئی فرق نہ آیا تھا، مگر صرف اتنا کہ گھر کے وہ کام جو وہ اپنے ننھے نے ہاتھوں سے کرتے کرتے بے تحاشا تھک جایا کرتی تھی اب تھکتی نہیں تھی بلکہ ہر کام چٹکیوں میں بڑی نفاست، سلیقہ مندی اور ہنرمندی سے فوراً نمٹا لیتی تھی، گھر کے افراد تو کیا محلے اور پاس پڑوس کے تمام لوگ بھی معترف ہو چکے تھے اس کی ہارت اور خوش اسلوبی کے، لیکن مجال ہے جو س کی عاجزی اور انکساری اور تواضع میں رتی برابر بھی کمی آئی ہو، نہ جانے کیسا صبر و تحمل اور وصلہ عطا کر دیا تھا اللہ تعالیٰ نے اسے کہ اس کی زبان سے کبھی حرف شکایت نکلا ہی نہ تھا، وہ کبھی پنی قسمت سے شاکی ہوئی تھی اور نہ لوگوں سے، ر کسی کے کام آنا وہ بھی بنا غرض اور بغیر کسی قسم ے بدلے کی چاہ کیے یہی اس نے اپنی عادت ر شیوہ بنا لیا تھا، اس کی اس عادت اور رمانبرداری نے چچی کے دل میں اس کی نفرت ر کدورت کم کر کے اس کے لئے تھوڑی سی جگہ دی تھی، چچا جان کے گھر کا سارا انتظام و انصرام نبھالنے کے ساتھ ساتھ اس نے اردگرد کے گوں کے کام بھی کرنے شروع کر دیے تھے، تا سلائی، کڑھائی وغیرہ بلا معاوضہ ہی کر دیتی، لانکہ چچی جان نے اس کے اس اقدام اور رت خلق کو بالکل پسند نہ کیا، مگر وہ خود تو باتیں ڈانٹ ڈپٹ سن لیتی لیکن دوسروں کے کام کسی پڑوسن کی غیر موجودگی میں اس کے بچوں یکھ بھال یا کسی ہمسائی کے بیمار ہو جانے پر ے گھر کی صفائی ستھرائی اور کھانا پکانا تک کر تی تھی۔

☆☆☆

ایک روز جب نسیمہ خالہ کو اپنے کسی رشتہ دار انتقال پر جانا پڑ گیا تو وہ اپنے بچوں ذیشان یہا کی ذمہ داری اسے سونپ کر خود تین چار گھنٹے میں آنے کا کہہ گئیں، جبکہ نسیمہ خالہ (پڑوسن) اور چچی جان کے گھر کی دیوار ایک ہی ہونے کی وجہ سے چچی کو مروتاً اسے یہ ذمہ داری قبول کرنے کی اجازت دینا پڑی، جبکہ وہ تو پہلے ہی سب کی خدمت کے لئے ہمہ وقت تیار رہتی تھی یوں بھی کام کچھ زیادہ نہیں تھا صرف ذیشان اور نیہا کی سکول سے واپسی پر انہیں کھانا کھلانا اور یونیفارم وغیرہ چینج کر کے برتن دھونا یا کچن سمیٹنا تھا، چنانچہ وہ پورے دو بجے گھر کے کام نمٹا کر نسیمہ خالہ کی طرف چلی آئی، دونوں بچے سکول سے واپس آ چکے تھے، ان کے یونیفارمز بدل کر کھانا کھانے کے دوران وہ ان سے سکول اور ٹیچرز کی باتیں سنتی رہی ظل جنت اس وقت برتن دھو رہی تھی جب بیرونی دروازے پر دستک ہوئی، آنے والا شخص اس کے لئے اجنبی تھا مگر ذیشان اور نیہا ”ماموں“ کہہ کر اس سے لپٹ گئے، تو وہ لمحوں کی تاخیر کیے بغیر سمجھ گئی کہ وہ نسیمہ آنٹی کا بھائی ہے مگر آنے والے کی نظروں میں حیرت اور استعجاب کے ساتھ ساتھ الجھن بھی ابھر آئی۔

”معاف کیجئے گا میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔“ وہ چھوٹی نیہا کو باہوں میں بھر کر اٹھاتا اپنی الجھن بیان کر گیا۔

”اضلان ماموں یہ ہماری پڑوسن ہیں، زلیخا چچی کی بیٹی۔“ جواب اس کی جائے ذیشان نے دیا۔

”جب ماما گھر پہ نہیں ہوتی ناں تو یہ آپی ہمارے کام کرتی ہیں۔“ وہ اب تفصیل کے ساتھ اس کی یہاں موجودگی کی وجہ بتا رہا تھا، جبکہ وہ بے تحاشا کنفیوز ہوتی ہوئی دوبارہ اپنے ادھورے کام میں جت گئی، ہاتھوں کی تیزی کئی گنا بڑھ گئی تھی۔

”ہوں۔“ اضلان ہنکار بھرتا ہوا انہیں لئے دوسرے کمرے میں چلا گیا، تو اس نے اپنی اگلی

ہوئی سانس بحال کی، ابھی وہ برتن دھو کر فارغ ہوئی ہی تھی کہ اضلان کو ایک بار پھر کچن کے دروازے پر کچھ کہنے نہ کہنے کی کشمکش میں الجھتا پایا، اس کی نظریں جھکی ہوئی تھیں، چہرے پر اضطراب صاف محسوس ہو رہا تھا، شاید اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیسے مخاطب کرے، ظل جنت گھبرا گئی حالانکہ وہ اسے دیکھ نہیں رہا تھا۔

"وہ......" وہ متذبذب تھا۔

"وہ امی جان کی طبیعت ٹھیک نہیں رہی تو انہیں ہم ہاسپٹل لے گئے ہیں نسیمہ آپا امی جان کے ساتھ ہاسپٹل میں ہی رکیں گی اس لئے انہوں نے مجھے بچوں کو لے جانے کے لئے بھیجا ہے۔" وہ بالآخر ایک ہی سانس میں نظریں جھکائے کہتا چلا گیا۔

"تو یہ الجھن تھی؟" جنت نے شکر ادا کیا۔

"جی ٹھیک ہے آپ لے جائیں انہیں، یوں بھی میرا کام ختم ہو گیا ہے میں اب چلتی ہوں۔" تیزی سے کہتی وہ جانے کو پر تولنے لگی۔

"بات سنیں۔" اضلان نے یکدم نظر اٹھا کر اسے دیکھا آنکھیں چار ہوتے ہی جنت کے دل کی دھڑکن تھم سی گئی، کسی اور کے گھر میں وہ ایک اجنبی مرد کے ساتھ تنہا کھڑی تھی۔

ڈرنا ایک فطری عمل تھا کہ نجانے اب وہ کیا کہے، وہ تو یوں بھی سدا کی ڈرپوک اور سہمی ہوئی معصوم سی لڑکی تھی مگر اس وقت اس نے خود کو بہت بہادری سے کمپوز کرتے ہوئے اپنی حالت عیاں نہ ہونے دی۔

"جی!"

"کیا آپ کو معلوم ہے کہ آپا کے کپڑے وغیرہ کہاں رکھے ہیں؟ آئی مین ہو سکتا ہے کہ ان کو دو چار دن مزید وہاں رکنا پڑے تو ساتھ لے جانے کے لئے کچھ کپڑے چاہیے تھے۔"

"آپ پلیز تب تک کپڑے نکال دیجئے جب تک میں اپنی بائیک کو چیک کر آؤں۔" اس کو خاموش کھڑی دیکھ کر وہ اس کی پریشانی سمجھ ملتجی لہجے میں کہہ کر باہر چلا گیا، کیونکہ وہ اضلان کی موجودگی میں Uncomfortable اس نے جلدی سے کپڑے بیگ میں ڈال کر ذیشان کو دیئے اور خود گھر چلی آئی۔

☆☆☆

ابھی وہ اضلان سے ہونے والی اس اچانک ملاقات کی پوری طرح ذہن سے جھٹک بھی نہیں کر پائی تھی کہ اگلے ہی ہفتے نسیمہ خالہ کو چچا چچی کے سامنے رشتے کے لئے دست سوال دراز کرتے دیکھ کر وہ دنگ ہی تو رہ گئی، نسیمہ خالہ اپنے بھائی اضلان شاہ کے لئے ظل جنت کا ہاتھ مانگنے آئی تھی، چچا چچی نے کچھ توقف کرتے ہوئے سوچنے کا وقت طلب کر کے انہیں رخصت کیا اور پھر آخر کار تھوڑی چھان پھٹک اور جانچ پڑتال کے بعد رشتہ طے کر دیا گیا، ظل جنت تو حالات کو ٹھیک سے سمجھ تک نہ سکی اور صرف چھ ماہ کے قلیل عرصے میں وہ اضلان شاہ کی سنگت میں رخصت ہوتی اس گھر کو ویران کر گئی۔

دل ہی دل میں ہزاروں دعائیں مانگتی اور اپنے من میں ابھرنے والے وسوسوں اور اندیشوں کو خاموشی سے پڑھتی وہ اس "برائے نام" سی سجائی جانے والی سیج پر بیٹھی تھی ابھی تک اس نے خود کو کسی بھی قسم کی خوش فہمی کا شکار ہونے دیا تھا، کیونکہ وہ جانتی تھی کہ وہ اس گھر میں بنا کسی جہیز یا میکے کی پہچان کے آئی ہے اور جہیز نہ لا سکنے والی کئی لڑکیوں کے ساتھ سسرال میں کیا جانے والا سلوک وہ خود دیکھ چکی تھی، اضلان کی والدہ اور بڑی بہن انیلا نے پہلے ہی قدم پر اسے جتنا دیا تھا کہ وہ صرف اضلان کی خواہش اور ضد

کی وجہ سے بیاہ کر لائی گئی ہے ورنہ اور بہت سے رشتے تھے جہاں سے انہیں لڑکی بھی ملتی اور بہت سارا قیمتی سامان بھی، ظل جنت نے ان کی باتوں کا برا نہیں منایا، کیونکہ وہ بچپن سے ہی ایسی تلخ اور کڑوی حقیقت پر مبنی باتیں سنتی آئی تھی۔

"ظل جنت میں نہیں جانتا کہ تمہیں اپنی پچھلی زندگی میں کیسی کیسی تلخیاں مصیبتیں اور دکھ سہنے پڑے ہیں تمہارے ماں باپ نہیں یہی دکھ کافی ہوتا ہے زندگی کی رونقیں ختم کر دینے کے لئے اس پر دنیا کی باتیں اور اپنوں کا بدل جانے والا رویہ......؟ خیر میں نے تمہیں اپنی شریک حیات کسی ہمدردی کی وجہ سے نہیں بنایا بلکہ میں اس ہیرے کو پہچان گیا تھا جو شاید کوئلوں کی کان میں دبا تھا، تاکہ کوئی اور اسے نہ دیکھ لے، میں تمہیں زندگی کی تمام خوشیاں دینا چاہتا ہوں، تمہارے دکھوں کا ازالہ تو نہیں ہو سکتا مگر میں ان میں کمی ضرور کروں گا، انشا اللہ۔"

26 سالہ اضلان شاہ اس کے سامنے بیٹھا پورے جذب اور سچائی سے بولا تو بے اختیار کئی آنسو خاموشی سے پلکوں کی باڑ پار کر اس کے دامن میں سماتے چلے گئے شکر گزار تو وہ پہلے بھی تھی مگر اب تو اس کا روم روم اپنے رب کی بارگاہ میں سربسجود ہو کر اس مالک کو عطا کردہ اتنی بڑی نعمت پر شکر گزار رہنے لگا جو بن مانگے ہی اس کی جھولی میں ڈال دی گئی تھی، اضلان شاہ نے واقعی اپنے قول کو سچ کر دکھایا، آنے والے وقت نے ثابت کر دیا کہ وہ صرف شکل و صورت کا ہی نہیں دل کا بھی بے حد اچھا اور کھرا شخص تھا، نسیمہ اور انیلا دونوں بہنیں شادی شدہ بلکہ بال بچوں والی تھیں صرف ساس تھیں جو ظل جنت اور اضلان کے ساتھ رہتی تھیں اور وقت بے وقت وجہ بے وجہ اسے کڑوی کسیلی سنا کر اپنی معذور اور محتاج زندگی کا بدلہ اس سے لیتی تھیں مگر صد آفرین ظل جنت کے جس نے کبھی انہیں پلٹ کر جواب تک نہیں دیا، وہ ایسی ہی تھی گویا منہ میں زبان ہی نہ ہو۔

کئی بار جب نندیں اور ساس اکٹھی ہو کر بیٹھتیں اور اسے بے نقط سناتیں اسے طعنوں اور معنوں کا سامنا کرنا پڑتا تو اضلان اس کا حوصلہ اور صبر دیکھ کر بے اختیار کہتا۔

"ظل جنت تم اتنا صبر کیسے کر لیتی ہو؟ تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو، تم صابرہ ہو صابرہ۔" مگر وہ جواب میں ہلکی سی طمانیت بھری مسکراہٹ کے ساتھ کہتی۔

"میں صابر نہیں شاکر ہوں۔"

☆☆☆

وقت کا پنچھی ایک بار پھر اڑان بھرتا چار سال آگے پہنچ گیا، یہ سال ظل جنت کی زندگی کے لئے خوشیوں کے پیغام لائے تھے، شادی کے ایک سال بعد اللہ نے اسے بیٹے حمدان اور تین سال بعد بیٹی حجاب فاطمہ کی صورت اپنی نعمت اور رحمت سے نوازا، تو ساس شکیلہ خاتون کے لہجے اور رویے میں فرق صاف دکھائی دینے لگا، ان کا بے لچک اور طنز کی کاٹ لئے ہوئے لہجہ اب دھیرے دھیرے ظل جنت کی فرمانبرداری، خدمت گزاری اور اطاعت شعاری کو دیکھ کر اور کچھ پوتے پوتی کے آ جانے کے باعث نرم پڑنے لگا تھا۔

ہاں البتہ انیلا آپا کی زبان آج بھی اسے زخموں سے چور کرتی تو اضلان اپنے پیار اور محبت سے ان زخموں پر پھاہے رکھ کر مرہم لگا، ظل جنت کے سجدے طویل سے طویل تر ہونے لگے، شکیلہ خاتون کی حالت اب اکثر خراب رہتی تھی اور پھر ایک دن ایسا بھی آیا کہ وہ انہیں چھوڑ کر دائمی اجل کو لبیک کہتی عازم سفر ہوئیں، ان کے جانے

پر اضلان شاہ کیسے ٹوٹ گیا تھا لیکن ظل جنت نے اسے کچھ یوں سنبھالا دیا کہ وہ بھی صبر و تحمل میں اس کا رفیق بن گیا۔

”اضلان میں نے آپ سے کبھی کچھ نہیں مانگا اور انشا اللہ نہ آئندہ زندگی میں مانگوں گی، مگر آج میں آپ سے زندگی میں پہلی اور آخری بار کچھ مانگنے جا رہی ہوں، کیا آپ مجھے دیں گے۔“ اس کی آس و یاس کے دریا میں ڈوبتی ابھرتی آواز پر اضلان نے اپنی نم آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

”میری بہت عرصے سے یہ خواہش تھی جسے میں نے آپ کے اور دوسروں کے خیال سے دل میں دبا دیا تھا، مگر اب کہنے پر مجبور ہو گئی ہوں، مجھے آپ کی اجازت کی ضرورت ہے۔“ وہ تمہید باندھتے ہوئے بولی۔

”کیسی اجازت؟ اور تم اتنا ڈر کیوں رہی ہو تم اپنی بات منوانے کا ہر حق محفوظ رکھتی ہو جنت، بولو کیا کہنا چاہتی ہو؟“

”میں یتیم خانے جانا چاہتی ہوں، وہاں پر پناہ گزین ان معصوم، مسکین اور بے سہارا بچوں کے ساتھ اپنا وقت گزارنا چاہتی ہوں، جنہیں ہماری طرح کوئی رشتہ کوئی سہارا کوئی ساتھ نصیب نہیں، بچپن سے لے کر آج تک میں نے جو درد سہا ہے اور جو تکلیف اس وقت آپ پر گزر رہی ہے میں اس درد اس تکلیف کو ہمیشہ کے لئے ان لاچار اور بے کس بچوں کی زندگیوں سے نکال کر دور پھینک دینا چاہتی ہوں، اللہ تعالیٰ نے مجھے تو آپ جیسا مسیحا عطا کر دیا، چچا چچی اور ان کی اولاد کی صورت میں اپنوں کی کمی بھی پوری کر دی، (خواہ یہ اپنے دنیا دکھاوے کے لئے ہی سہی مگر) گھر کی چار دیواری اور عزت تو ملی مجھے، لیکن ان یتیم و مسکین اور نادار بچوں کا کیا؟ جن کو نہ تو کوئی مسیحا ملا نہ گھر نہ چھت اور نہ اپنوں کا احساس؟ میں بہت چھوٹی تھی جب سے لوگوں کے رویوں اور لہجوں اور انداز کو دیکھتی نہایت ہی عزم سے یہ سوچتی تھی کہ ایک دن میں بھی ان کی طرح بڑی ہوں گی اپنے سارے فیصلے خود لوں گی تب میں کسی یتیم کے ساتھ ایسا سلوک خود کروں گی نہ کسی کو کرنے دوں گی، وقت کے ساتھ ساتھ یہ خواہش شدید سے شدید تر ہوتی گئی، میں جب یتیم خانوں میں پلنے والے ان بچوں کے بارے میں سوچتی ہوں جنہیں دنیا نے حقیر اور راندہ ہوا جان کر کسی کوڑے کرکٹ کی طرح پھینک دیا ہے تو یقین مانئے میرا بس نہیں چلتا کہ کسی طرح میں ان کے تمام غم اور اداسیاں خود سمیٹ لوں اور اپنی ایک ایک خوشی چن چن کر ان کے قدموں تلے رکھ دوں، وہ بھی ہماری طرح محبت توجہ، پیار اور شفقت کے حق دار ہیں، اپنے بچوں کو ہم ہاتھ کا چھالہ بنا کر رکھتے ہیں، ان کی خوشی میں کھو کر سب غم بھول جاتے ہیں، انہیں دنیا کی ہر آسائش فراہم کر دینا چاہتے ہیں، مگر وہ یتیم بچے جو ہماری ایک نظر کرم اور تھوڑی سی توجہ کے طلبگار ہیں ان کو ہم در خور اعتناء ہی نہیں جانتے۔“ وہ جو بہت ہی کم بولتی تھی اس وقت بولتی ہی چلی جا رہی تھی، ظل جنت بے تحاشا روتے ہوئے اضلان کے سامنے ہاتھ جوڑ کر بولی۔

”آپ پلیز خدا کے لئے مجھے منع مت کیجئے گا، میرا ان بچوں کے ساتھ گزارا ہوا وقت ان کے لئے کوئی خوشی لائے گا یا نہیں یہ تو میں نہیں جانتی پر یہ وقت میرے سکون قلب کا باعث ضرور ہوگا، کم از کم میں اپنے رب کے دربار میں اس قابل تو ہو سکوں گی کہ نظر اٹھا کر کہہ سکوں کہ میں نے صرف اپنے بچوں کے لئے ہی نہیں کسی کے بے سہارا بچوں کے لئے بھی کچھ کیا تھا۔“

اضلان شاہ جو اس کی باتیں سن کر سکتے میں آیا ہوا تھا اسے یوں روتا اور ہاتھ جوڑتا دیکھ کر ایک قدم آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ تھام گیا، ابھی حال ہی میں تو اپنی ماں کے چلے جانے پر تنہا سا رہ جانے والا اضلان یتیمی اور بے چارگی سے دوچار ہوا تھا، ان رشتوں کی گھنی چھاؤں سے نکل جانے کے بعد زندگی کیسے دکھوں غموں اور صدموں کی کڑی دھوپ میں سلگتی ہے وہ جان چکا تھا اب انکار کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔

☆☆☆

خوشیوں کی عمر بہت قلیل ہوتی ہے یا شاید ہمیں ہی ایسا لگتا ہے جبکہ دکھ کا وقت کاٹے نہیں کٹتا، ظل جنت کی آزمائش کا دور ایک بار پھر شروع ہو گیا، اضلان شاہ ایک دن جب معمول کی طرح بچوں کو پیار کرتا اور جنت کو ہدایات دیتا گھر سے فیکٹری کے لئے نکلا تو ہمیشہ کے لئے خاموش ہو کر چار کندھوں پر سفید کفن میں لپٹا ہوا واپس لوٹا، اضلان شاہ جس فیکٹری میں کام کرتا تھا وہاں کوئی گڑبڑ ہو جانے سے دھماکہ ہوا تو اضلان سمیت گیارہ افراد لقمہ اجل بن گئے، ظل جنت کی تو دنیا ہی اجڑ گئی تھی شادی کے چھ سال بعد ہی اسے بیوگی کی چادر اوڑھنا پڑی، یہ اس کی زندگی کا سب سے مشکل دور اور کڑا وقت تھا، انیلا آپا تو اسے منحوس اور نہ جانے کیا کیا کچھ کہہ چکی تھیں، مگر اس نے ہمت نہ ہاری، اضلان کی موت نے اسے اندر تک توڑ دیا تھا، لیکن اسے اپنے لئے نہ سہی اپنے بچوں کے لئے جینا ہے، وہ جو دوسروں کو یتیمی ختم کرنے چلی تھی خود اپنے بچوں کو یتیم ہونے سے روک نہ پائی، آنسو تھے کہ تھمتے ہی نہ تھے مگر وہ زبان سے ایک بھی ایسا لفظ نہیں بولتی تھی جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا موجب بنتا پانچ سالہ حمدان اور دو سالہ حجاب فاطمہ کو اپنی بیوگی کی چادر میں چھپائے وہ گھر کی چار دیواری تک محدود نہیں رہ سکتی تھی، چنانچہ اس نے کسی کی مدد قبول کیے بغیر لوگوں کے گھروں میں کام کرنا شروع کر دیا، فیکٹری والوں نے ظل جنت کو کچھ رقم دی تھی مگر اس سے کب تک گزارہ ہو سکتا تھا،؟ چچا چچی کے حالات وہ جانتی تھی انہوں نے اسے پال کر اور بیاہ کر اس پر کیا کم احسان کر رکھے تھے جو وہ انہیں مزید تکلیف دیتی؟ ایک امیر گھرانے میں صفائی اور کوکنگ کا اچھا خاصہ معاوضہ مل جاتا تھا اسے چنانچہ وہ تین گھروں میں کام کر کے بچوں کا پیٹ پالنے لگی، یتیم خانے وہ اب بھی باقاعدگی سے جاتی تھی اور شام میں دو گھنٹے ان بچوں کے ساتھ گزارتی وہ سوچتی تھی کہ اگر خود پر تکلیف آ جائے تو کسی دوسرے کی تکلیف کو بھول جانا کہاں کا انصاف ہے؟ وہ اپنے بچوں کی طرح ان بچوں کے لئے بھی ٹافیاں اور چاکلیٹس لانا کبھی نہیں بھولتی تھی۔

☆☆☆

اس روز بھی وہ حسب معمول مغرب کی نماز سے پہلے ایدھی کے **Orphanage** پہنچی تو وہاں کے بچوں کو اپنا منتظر پایا، بچوں کی اس کے ساتھ گہری وابستگی ہو چکی تھی، وہ ان میں اپنے ساتھ لائی گئی ٹافیاں اور چاکلیٹس تقسیم کرتے ہوئے وہاں وجود سٹاف کا ایک حصہ ہی محسوس ہوتی تھی، ایمبولینس کی آوازیں اسے ہمیشہ جو نکالی تھیں اور اسے بے اختیار وہ حادثہ اور المناک منظر یاد آ جاتا تھا جبکہ اضلان شاہ اس کی زندگی کی تمام تر رونقیں اور خوشیاں ویران کرتا ہوا سفید کفن میں اس کے ساتھ پہنچا تھا، یتیم خانے میں اچانک بڑھ جانے والی چہل پہل اور افراتفری دیکھ کر وہ سمجھ گئی کہ آج پھر کسی بدنصیب کی خوشیوں کو نظر لگی ہے، کسی کی بستی لٹ گئی ہے،

ایمبولینس سے برآمد کی جانے والی پانچ کفن پوش لاشیں دیکھ کر وہ فوراً ایدھی کی اسٹاف نرس کے پاس پہنچی تو استفسار پر معلوم ہوا کہ حیدرآباد جانے والی ایک بس راستے میں بری طرح ایکسیڈنٹ کا شکار ہو کر ان پانچ بے گناہ مسافروں کی موت کا باعث بن گئی تھی، ابھی وہ ان لاشوں کو ساکت کھڑی دیکھ رہی تھی کہ جن کے بے چارے بے خبر ورثاء ابھی تک نہ پہنچ پائے تھے کہ اچانک اس کی نظر چھ سات ماہ کے اس روتے بلکتے بچے پر پڑی جسے قریبی نرس نے اپنی گود میں اٹھا رکھا تھا۔

”یہ بچہ کس کا ہے؟“

”یہاں پہنچنے والوں کا کوئی نام پتہ کوئی پہچان بھی ہوتی ہے کیا؟“ وہ نرس ظل جنت کو جانتی تھی سو اسی لے الٹا سوال کرتے ہوئے بولی۔

”مگر پھر بھی کہاں سے ملا ہے یہ آپ کو؟“ وہ فرشتوں جیسی معصومیت لئے ہوئے بچے کے خوبصورت پھول سے چہرے پر نظریں جمائے بولی۔

”حادثے کا شکار ہو جانے والے ان پانچ مسافروں میں سے دو مسافر اس معصوم کے ماں باپ تھے، جن کے ورثاء کا ابھی تک کوئی اتا پتا نہیں۔“ نرس کی بات سن کر اسے اپنے دل پر منوں بوجھ محسوس ہونے لگا تھا، صدموں کے پہاڑ یوں بھی ٹوٹتے ہیں؟ اس کی آنکھیں جل تھل ہو گئیں تو وہ بمشکل اپنے لڑکھڑاتے قدم اٹھاتی خود کو تقریباً گھسیٹتی ہوئی زخموں سے چور اور نڈھال مریضوں کو گریہ و زاری کرتے ہوئے چھوڑ کر ایدھی کے یتیم خانے سے نکل آئی، اس کا دل درد اور تکلیف کی شدت سے پھٹ رہا تھا، ظل جنت ساری رات سو نہ سکی، جائے نماز پر بیٹھی وہ اپنی آنکھوں سے لڑی کی صورت بہتے آنسوؤں سے چہرہ دھوتی رہی، آج اضلان کی کمی ایک بار پھر شدت سے محسوس ہو رہی تھی، مگر اس ننھے سے گلاب کا خیال تو جیسے ذہن سے چمٹ کر رہ گیا تھا، نجانے اس کا کیا ہوگا؟ اس کے ورثاء کو خبر بھی ہو گی یا نہیں کوئی پہنچ بھی پائے گا یا اس بچے کو بھی اپنی ساری زندگی یتیم خانے کے ان گمنام بچوں کی طرح گزارنی پڑے گی؟

”یارب ذوالجلال ایسا کبھی نہ ہو کسی کے ساتھ بھی نہیں کبھی بھی نہیں۔“ ظل جنت پوری شدت سے دعا مانگتی سجدہ ریز ہوئی، سجدے کی حالت میں پڑا اس کا وجود سسکیوں اور آہوں کی زد میں رہا۔

اگلی صبح وہ ایک بار پھر یتیم خانے میں موجود تھی۔

”مسٹر خدیجہ! اس بچے کا کیا ہوا جو آپ کو کل والے بس حادثے میں ملا تھا، اس کا کوئی والی وارث پہنچا؟“ اس نے بڑی امید سے پوچھا۔

”ابھی تک تو ہم اس بچے کے والدین کے گھر والوں یا کسی بھی رشتہ دار سے کانٹیکٹ کرنے میں ناکام رہے ہیں، ان کی ڈیڈ باڈیز ایدھی کے مردہ خانے میں جمع کروا دی گئی ہیں، البتہ وہ بچہ اس روم میں ہے۔“ خدیجہ نے ایک کمرے کی طرف اشارہ کیا۔

”خدیجہ میں آپ سے ایک بات کہنا چاہتی ہوں۔“ اس نے کچھ جھجکتے ہوئے کہا۔

”اگر اس بچے کے وارثوں میں سے خدانخواستہ کوئی نہ پہنچ سکا تو آپ اسے یتیم خانے میں مت رکھیے گا اس بچے کو میں ایڈاپٹ کرنا چاہتی ہوں، اپنے گھر میں اپنے بچوں کی طرح اس کی پرورش کرنا چاہتی ہوں۔“ فیصلہ مشکل تھا مگر ظل جنت پرعزم تھی، مسٹر چونکہ پچھلے تین سالوں سے اسے جانتی تھی، یتیم بچوں سے اس کی محبت و شفقت کسی سے پوشیدہ نہ تھی چنانچہ ایک ہفتہ اس بچے کے ورثاء کا انتظار کر کے مایوس ہو جانے پر تمام تر قانونی کاروائی پوری کرنے کے بعد وہ بچہ ظل جنت کے حوالے کر دیا گیا۔

☆☆☆

انیلا آپا کے ساتھ ساتھ نسیمہ آپا نے بھی اتنا بڑا قدم اٹھانے پر اس کی مخالفت کی تھی مگر اس نے کسی کو پرواہ کیے بغیر حمدان اور حجاب کی طرح اس بچے کو اپنا اور اضلان کا نام تفویض کرتے ہوئے اس کا نام آنوش رکھا اور اپنے بچوں کی طرح اس کی بھی پرورش اور دیکھ بھال کرنے لگی، اس نے گھروں میں کام کرنا چھوڑ کر عورتوں کے ایک کارخانے میں ملازمت شروع کر دی، وقت گزرتا رہا، تینوں بچے ذرا بڑے ہوئے تو وہ ان کو سکول بھیج کر خود سارا دن محنت مشقت کرتی، رات دن کا بے لگام گھوڑا اسبک رفتاری سے اپنی شاہراہ پر گامزن رہا اور میلوں پر میل گزرتے چلے گئے، بالآخر ایک دن ایسا بھی آیا کہ بیس سالہ حمدان شاہ بی کام کرنے کے بعد اپنی ذہانت و قابلیت اور ایک امیر دوست کی مدد اور توسط سے ہائیر ایجوکیشن کے لئے پہلے بیرون شہر اور پھر بیرون ملک چلا گیا، انگلینڈ سے ایم بی اے اور ایم فل کرنے کے بعد حمدان نے وہیں جاب کر لی تو ظل جنت نے سکھ کا سانس لیتے ہوئے ملازمت چھوڑ دی، اس کی آزمائش ختم ہو گئی تھی، اس کی دعائیں بارگاہ ایزدی میں باریاب ٹھہریں، حجاب فاطمہ اور آنوش جو ایم اے انگلش اور بی ایس سی کے لئے اب تک ٹیوشنز کا سہارا لے کر سٹڈی کا خرچ چلانے میں ظل جنت کا ساتھ دے رہے تھے، انہیں بھی حمدان کی بہت اچھی سیلری کی وجہ سے اب کوئی ٹینشن نہیں رہی تھی، گھریلو حالات بہتر سے بہتر ہوتے چلے گئے، حمدان نے انگلینڈ کی نیشنیلٹی حاصل کرنے کے لئے وہیں پر مقیم ایک مسلمان گھرانے کی لڑکی سے شادی کر لی، جبکہ حجاب فاطمہ کو بھی ماسٹرز کرنے کے بعد ایک بہت اچھی فیملی میں بیاہ دیا گیا، ظل جنت کے پاس دولت کی ریل پیل تھی ملازموں اور نوکروں کی لمبی قطاریں تھیں مگر فیملی کے نام پر صرف آنوش اور خود وہ رہ گئے تھے، ظل جنت ایدھی ٹرسٹ کے اس یتیم خانے کو آج تک نہیں بھولی تھی جہاں پر باقاعدگی سے چکر لگاتے ہوئے وہ اب بوڑھی ہو گئی تھی اس کے نحیف و کمزور وجود میں اب اتنی طاقت نہیں رہی تھی کہ وہ خود سے کچھ کر سکتی، حمدان اور حجاب کے چلے جانے کے بعد آنوش نے جس طرح اسے سنبھالا اور خدمت کی تھی، کبھی کبھی ظل جنت کو لگتا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی ساری نیکیوں اور صبر کا بدلہ اسے آنوش شاہ کی شکل میں عطا کر دیا تھا، جو بیس سالہ اس خوبرو اور سرخ و سفید رنگت والے تیکھے نقوش کے مالک آنوش شاہ کو دیکھتے ہوئے وہ دل ہی دل میں اپنے پروردگار کی شکر گزار ہوئی کہ آج سے چوبیس سال پہلے اس نے ظل جنت سے ایک ایسی نیکی کروائی تھی جسے اس کی محتاج اور کمزور بڑھاپے کا آسرا بنانا تھا، ظل جنت کا ہاتھ تھام کر یتیم خانے کی سمت جاتا ہوا آنوش شاہ اس ”عظیم اور معزز محترم“ عورت کا تہہ دل سے ممنون تھا جس نے ہمیشہ صرف خوشیاں بانٹنا ہی سیکھا تھا وہ اپنے حصے کی خوشیاں بھی تیاگ چکی تھی مگر ہر قدم پر دکھ سہنے والی یہ ہستی اب بھی ہر سانس میں اپنے مالک کی ”تسبیح شکرانہ“ ادا کرتی رہتی تھی ظل جنت واقعی جنت کا سایہ تھیں، وہ دونوں اپنی اپنی جگہ خدا اور ایک دوسرے کے بے حد مشکور ہوتے ہوئے یتیم خانے میں داخل ہو گئے۔

☆☆☆

کتاب نگر

ماں جی

قدرت اللہ شہاب

تبصرہ: سیمی کرن

قدرت اللہ شہاب سے میرا پہلا تعارف ''شہاب نامہ'' کے ذریعے ہوا اور پھر انہیں مزید پڑھنے کو خود کو مجبور پایا۔

''ماں جی'' میں قدرت اللہ شہاب کے افسانے، خاکے، مطالعے انشائیے اور سفرنامے بھی ہیں۔

اور بقول احمد ندیم قاسمی۔

''یہ طریقہ ہمارے مروجہ معیاروں کے مطابق نہیں ہے مگر اس مجموعے کے افسانے خاکوں سے اور خاکے مطالعوں سے اور مکالمے انشائیوں سے اور انشائیے سفرناموں سے پوری طرح مربوط ہیں اور ان کے درمیان باہمی ربط شہاب کے کہانی سنانے کے منفرد انداز سے پیدا ہوا ہے۔''

ان افسانوں کو پڑھیے تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ شہاب کے ہاں کس قدر تنوع ہے؟ آپ کوئی ایک سمت متعین نہیں کر پائیں گے کہ یہ خاص پہلو و موضوع کو شہاب نے فوکس کیا ہے، اپنے گہرے مشاہدے اور احساس کی شدت کے ساتھ قدرت اللہ شہاب نے جس موضوع پر ہاتھ ڈالا اسے صندل کر دیا۔

''ایک پنکچر''، ''اور عائشہ آ گئی'' اور ''آپ بیتی'' اور ''شلوار'' ان افسانوں کو پڑھ کر مجھے جانے کیوں لگا کہ شہاب کے اسلوب میں کہیں کہیں منٹو جھانکنے لگتا ہے اور یہ کچھ ایسے تعجب کی بات بھی نہیں سعادت منٹو اپنی ذات میں ایک عہد کا نام ہے اور اس عہد میں جینے والے ہر بڑے نثر نگار پر اس کے اثرات مختلف صورتوں میں وارد ہوئے ہیں۔''

قدرت اللہ شہاب کے جملوں میں مگر منٹو کی طرح کاٹ نہیں ہے لیکن سادہ پیرائے میں گہری بات کہنے کا ہنر ہے۔

احمد ندیم قاسمی کہتے ہیں دیباچے میں!

''اگر اس نے کہیں بیروں اور خاکروبوں کو بھی بات کرتے ہوئے دکھایا ہے تو یہ باتیں بیروں اور خاکروبوں ہی کے روز مرہ کی ہیں حیرت کی بات یہ ہے کہ ایک اعلیٰ افسر کو اس مخلوق کے مشاہدے اور مطالعے کا وقت کہاں سے ملا، اس سوال کا جواب یہی ہو سکتا ہے کہ سی ایس پی افسر شہاب اور ادیب شہاب دو الگ الگ شخصیتیں نہیں ہیں۔''

اس کتاب کا آغاز ''ماں جی'' سے کیا گیا ہے، ماں جی افسانہ ہے، انشائیہ، سکیچ ہے یا تاثر، احمد ندیم قاسمی کی زبانی ہی سنیے۔

''میرا عالمی ادب کا مطالعہ بہت وسیع نہیں تو کچھ ایسا محدود بھی نہیں مگر دوسری زبانوں کے ادب میں بھی ''ماں جی'' کے پائے کی کوئی چیز نظر سے نہیں گزری، شہاب اگر ''ماں جی'' کے سوا بھی کوئی چیز نہ لکھتا تو تب بھی ادب اسے صدیوں تک فراموش نہ کر سکتا...... میں حیران ہوں کہ اس ادب پارے کو کیا نام دوں جس سے اس مجموعے کا آغاز ہوا ہے اور جس سے اس مجموعے نے اپنا نام پایا ہے، میں اسے افسانہ یا انشائیہ یا سکیچ تاثر یا تذکرہ، کچھ بھی کہنے کا فیصلہ کروں تو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے میں اس گراں مایہ تحریر کے ساتھ بے انصافی کر رہا ہوں۔''

آئیے آپ کو ماں جی سے ملواؤں، قدرت اللہ شہاب اپنی ماں کو کیسے خراج تحسین یوں پیش کرتے ہیں۔

''نانا جی نے ماں جی کو تین آنے بطور عیدی دیے، زندگی میں پہلی بار ماں جی کے ہاتھ اتنے پیسے آتے تھے، انہوں نے بہت سوچا لیکن اس رقم کا کوئی مصرف ان کی سمجھ میں نہ آ سکا، عیدی کے تین آنے کئی روز ماں جی کے دوپٹے کے ایک کونے میں بندھے رہے جس روز وہ جڑانوالہ سے رخصت ہو رہی تھیں ماں جی نے گیارہ پیسے کا تیل مسجد کے چراغ میں ڈال دیا باقی ایک پیسہ رکھا اس کے بعد جب کبھی گیارہ پیسے پورے ہو جاتے وہ فوراً مسجد میں تیل بھجوا دیتیں، ساری عمر جمعرات کی شام کو اس عمل پر بڑی وضعداری سے پابند رہیں، رفتہ رفتہ بہت ساری مسجدوں میں بجلی آ گئی، لیکن لاہور اور کراچی جیسے شہروں میں بھی انہیں ایسی مسجدوں کا علم رہتا تھا جن کے چراغ اب بھی تیل سے روشن ہوتے ہیں۔''

سادگی آپ کو اپنے بہت سے بزرگوں میں نظر آئے گی مگر سخاوت و سادگی کا یہ عجب امتزاج ماں جی کا ہی خاصہ ہے دیکھیے تو ذرا۔

''پہننے کے تین جوڑوں کو وہ خاص اہتمام سے رکھتی تھیں ایک زیب تن دوسرا اپنے ہاتھوں سے دھو کر تکیے کے نیچے رکھا رہتا تھا تاکہ استری ہو جائے تیسرا دھونے کے لیے تیار ان کے علاوہ اگر چوتھا کپڑا ان کے پاس آتا تو وہ چپکے سے ایک جوڑا کسی کو دے دیتیں تھیں۔''

اب اس قناعت پہ کوئی کہے تو کیا کہے؟ کہنے کو تو یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اپنی ماں انہی طرح کے خوبصورت رنگوں میں ہر کسی کو رنگی نظر آتی ہے، مگر قدرت اللہ شہاب کے بے باک قلم نے ''ماں جی'' کے سفر میں ان کی غربت ان کی سادگی اور زندگی سفر میں جھوٹ کی آمیزش نہیں ہونے دی۔

وہ ماں جی جو اپنے ہونے والے ہم سفر کے لیے معصوم سی خواہش رکھتی تھیں۔

''ہاں میرے دل میں اتنی سی خواہش تھی کہ اگر مجھے ایسا آدمی ملے جو دو حرف پڑھا لکھا ہو تو خدا کی بڑی مہربانی ہوگی۔''

اور یہ ماں جی کی غالباً اکلوتی خواہش جسے ذاتی کہا جا سکتا ہے اور یہ خواہش اللہ نے ایسے پوری کی کہ عبداللہ صاحب سے بیاہی گئی، عبداللہ صاحب سر سید کے ہونہار شاگرد تھے علی گڑھ یونیورسٹی سے بی اے کر کے انگریزی، عربی، فلسفہ اور حساب کے لیکچرر ہو گئے، وہ عبداللہ صاحب جن کو ناراض ہونے پر سر سید صاحب نے مار مار کر یونیورسٹی سے نکال دیا کہ انہوں نے اپنی والدہ کے کہنے پر وظیفہ پر ولائیت جانے سے انکار کر دیا تھا، وہ عبداللہ صاحب جو کہ بعد میں گلگت کی گورنری پر فائز ہو گئے تھے۔

وہ ماں جی جو کہ لارڈ کچز کے لئے شاندار ضیافت کا اہتمام کر کے خود نمک مرچ کی چٹنی مکئی کی روٹی سے کھا رہی تھیں۔

اس پر آپ کیا کہیں گے، اس خاکے کے اختتام میں شہاب کہتے ہیں۔

''اگر ماں جی کے نام پر خیرات کی جائے تو گیارہ پیسے سے زیادہ ہمت نہیں ہوتی لیکن مسجد کا ملا پریشان ہے کہ بجلی کا ریٹ بڑھ گیا ہے اور تیل کی قیمت گراں ہو گئی ہے، ماں جی کے نام پر فاتحہ دی جائے تو مکئی کی روٹی اور نمک مرچ کی چٹنی سامنے آتی ہے لیکن کھانے والا درویش کہتا ہے کہ فاتحہ درود میں پلاؤ اور زردے کا اہتمام

ضروری ہے۔"

"سول لائن" بھی شہاب کے کچھ مافوق الفطرت تجربات کی داستان ہے غرض یہ کتاب بہت سے رنگوں میں بھی نظر آتی ہے آپ اس کی کوئی خاص سمت کا تعین نہیں کر پائیں گے۔

"آثار قدیمہ" کا ایک اقتباس دیکھیے۔

"جس طرح سانپ پالنے والے کو سپیرا اور ریچھ والے کو قلندر کہا جاتا تھا اسی طرح اخبار والے کو ایڈیٹر کہتے تھے۔"

پھر "اے بنی اسرائیل" کا مختصر سا سفر نامہ بیروت ہے جس نے "ماں جی" کے بعد مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا، دیکھیے۔

"الحمدللہ کہ میں مسلمان ہوں، بیرے کے اس بے ساختہ جواب نے مجھے چونکا دیا، عربوں کے متعلق مشہور ہے کہ وہ سب سے پہلے عرب ہوتے ہیں شامی یا لبنانی یا عراقی یا مصری ہوتے ہیں اور اس کے بعد مسلمان۔"

آپ سب کے جانے پہچانے شاعر
امجد بخاری کا ایک اور خوب صورت شعری مجموعہ
آیتِ ہجر
امجد بُخاری
شائع ہوگیا ہے
قیمت-/250روپے
منگوانے کا پتہ:
رمیل ہاؤس آف پبلی کیشنز
Ph:051-5551519
اقبال مارکیٹ اقبال روڈ کمیٹی چوک راولپنڈی

آپ کو ہر مقام سے گزرتے ہوئے قدرت اللہ شہاب کے گہرے مشاہدے، قدرت بیان اور عمدہ اسلوب وطرز کا احساس ہوتا چلا جائے گا، طنز کی کاٹ ہو یا پھر کردار نگاری قدرت کا قلم کہیں نہیں چوکتا۔

"پادریوں نے طوعاً وکرہاً جہاز چھوڑا اور کسٹم ہاؤس کے دروازے تک جاتے جاتے کئی بار فرانسیسی نرسوں کی طرف مڑ مڑ کر دیکھا جواب اپنے ہینڈ بیگ کھول کر اپنے رخساروں کے پاؤڈر اور ہونٹوں کی لپ اسٹک کو از سر نو تازہ کرنے میں مشغول ہو گئی تھیں، بوسے مقدس ہستیوں کے ہوں یا گنہگاروں کے عورتوں کے پاؤڈر اور لپ اسٹک پر ان کا اثر ایک سا ہی ہوتا ہے۔"

پھر "تلاش" ہے ٹریجڈک رومانس، طنز کی کاٹ، فلسفے ونفسیات کی گہرائی، ایک حساس ذہن ودل کے انسان کی ذہنی وسعت بھی کچھ تو ہے اس افسانے میں۔

"ظہیر میں ایک یہی عیب ہے وہ عورت میں عورت کو نہیں دیکھتا، وہ عورت میں اس کا جسم ٹٹولتا ہے اور پھر جسم میں بلوری گردنوں، ناچتی ہوئی آنکھوں اور دھڑکتے ہوئے سینوں کا جائزہ لیتا ہے اس پر بس نہیں وہ جسم کی ہر رعنائی، حسن کے ہر پیچ، سینے کے ہر نشیب وفراز کی بیوپاری کی نظر سے ناپ تول کر کے ان پر قیمتوں کے لیبل لگا دیتا ہے۔"

غرض یہ کتاب اک خوش رنگ گلدستے کی مانند ہے جس میں مختلف انواع کے پھول کھلے عجب بہار کھلا رہے ہیں۔

☆☆☆

حاصل مطالعہ

تحریم محمود

استغفار

حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب شیطان مردود ہو گیا تو اس نے کہا۔

"اے رب! تیری عزت کی قسم! میں نے تیرے بندوں کو ہمیشہ بہکاتا رہوں گا جب تک ان کی روحیں ان کے جسموں میں رہیں گی۔"

اللہ رب العزت نے فرمایا۔

"مجھے قسم ہے اپنی عزت اور جاہ وجلال کی اور اپنے اعلیٰ مقام کی کہ جب تک وہ استغفار کرتے رہیں گے میں ان کو بخشتا رہوں گا۔"

سعدیہ جبار، ملتان

نظر رکھیے

☆ اپنے خیالات پر، کیونکہ یہ الفاظ کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔
☆ اپنے الفاظ پر، کیونکہ یہ عمل کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔
☆ اپنی عادتوں پر، کیونکہ یہ شخصیت کا روپ دھار لیتی ہیں۔
☆ اپنی شخصیت پر، کیونکہ یہ آپ کا مقدر بن جاتی ہے۔
☆ اپنے اعمال پر، کیونکہ یہ عادات میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔

آنسہ ممتاز، رحیم یار خان

(نماز نہ پڑھنے کی سزا)

ایک آدمی کا اونٹ رات کو بہت روتا تھا، وہ آدمی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور سارا حال بتایا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اونٹ سے رونے کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا۔

"یہ رات کو عشاء کی نماز پڑھے بغیر سوتا ہے تو میں اس کے بستر کے نیچے جلنے والی آگ دیکھ کے روتا ہوں۔"

فریال امین، ٹوبہ ٹیک سنگھ

ہیڈنگ

○ کسی کام کا آغاز اس کی نصف کامیابی ہے، بغیر مقصد کے زندگی کبھی پائیدار نہیں ہوتی سو آغاز بہتر اور مقصد بہترین ہونا چاہیے۔
○ جس چیز کو دیکھنے سے نظر خراب ہو اسے نہ دیکھنا بہتر ہے۔
○ آدمی جب تک ٹوٹتا نہیں اسے پتہ نہیں چلتا کہ وہ کتنا مضبوط ہے۔
○ کردار کی مضبوطی میں دو چیزیں شامل ہیں ایک قوت ارادی اور دوسری ضبط نفس۔
○ محبت میں محبت جائز ہے دھوکا نہیں۔

محبوب کے لئے

○ مجھے یقین ہے کہ اگر میں مر جاؤں اور تم میری قبر کے پاس سے گزرو تو میں زمین کی گہرائیوں میں بھی تمہارے قدموں کی آواز سن لوں گا۔ (بنی ٹو پیرز گلڈوس)
○ جتنی بار تم میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ لاتے ہو اگر اتنی بار میں ہاتھ بڑھا کر آسمان سے ایک ستارہ توڑ سکوں تو رات کا سارا آسمان میری ہتھیلی پر آ جائے۔ (ڈورتھی پارکر)

- O ہر روز میں تمہیں گزرے ہوئے کل سے زیادہ اور آنے والے کل سے کم محنت کرتا ہوں۔ (روز منڈ جیر الڈ)
- O تمہارے ساتھ گزرے ہوئے لمحات میرے نزدیک ایک خوشبودار باغ ایک ملگجی شام اور ان میں گنگناتے ہوئے ایک فوارے کی مانند ہے صرف تم ہی مجھے احساس دلاتی ہو کہ میں زندہ ہوں، کہا جاتا ہے کہ دوسروں نے فرشتوں کو دیکھا ہے لیکن میں نے تمہیں دیکھا ہے اور میرے لئے یہ ہی کافی ہے۔ (جارج مور)
- O پیار ایسے ہی سکھ پہنچاتا ہے جیسے کہ بارش کے بعد دھوپ۔ (شیکسپیئر)

نازیہ کمال، حیدر آباد

اخلاص کا مفہوم

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں۔

"میں نے اخلاص ایک حجام سے سیکھا، وہ اس وقت مکہ معظمہ میں کسی رئیس شخص کے بال بنا رہا تھا میرے مالی حالات نہایت شکستہ تھے میں نے حجام سے کہا۔

"میں اجرت کے طور پر تمہیں ایک پیسہ نہیں دے سکتا بس تم اللہ کے لئے میرے بال بنا دو۔"

میری بات سنتے ہی حجام نے اس رئیس کو چھوڑ دیا اور مجھ سے مخاطب ہو کر بولا۔

"تم بیٹھ جاؤ۔"

مکے کے رئیس نے حجام کے طرز عمل پر اعتراض کیا تو وہ معذرت کرتے ہوئے بولا۔

"جب اللہ کا نام اور واسطہ درمیان میں آ جاتا ہے تو میں پھر سارے کام چھوڑ دیتا ہوں۔"

حجام کا جواب سن کر مجھے بڑا تعجب ہوا پھر اس نے قریب آ کر میرے سر پر بوسہ دیا اور بال بنانے لگا اپنے کام سے فارغ ہو کر حجام نے مجھے ایک پڑیا دی، جس میں کچھ رقم تھی۔

"اسے اپنے استعمال میں لائیے۔" حجام کے لہجے میں بڑا اخلوص تھا۔

میں نے رقم قبول کر لی اور اس کے ساتھ نیت کی کہ مجھے جو پہلی فتوح حاصل ہو گی وہ حجام کے نذر کروں گا۔

پھر چند روز بعد جب میرے پاس کچھ روپیہ آیا تو میں سیدھا اس حجام کے پاس پہنچا اور وہ رقم اسے پیش کر دی۔

"یہ کیا ہے؟"

حجام نے حیران ہو کر پوچھا، میں نے اس کے سامنے پورا واقعہ بیان کر دیا، میری نیت کا حال سن کر حجام کے چہرے پر ناگواری کا رنگ ابھر آیا۔

"اے شخص! تجھے شرم نہیں آتی، تو نے اللہ کی راہ میں بال بنانے کا کہا تھا اور اب کہتا ہے کہ اللہ کی راہ میں کام کرے اور پھر اس کی مزدوری لے۔" حضرت جنید بغدادیؒ اکثر فرماتے تھے۔

"میں نے اخلاص کا مفہوم اسی حجام سے سیکھا ہے۔"

مریم رباب، خانیوال

باتوں سے خوشبو آئے

- ☆ بے بسوں کی مدد کرنا، مجبوروں کی ضرورت پوری کرنا، بھوکوں کو کھانا کھلانا عذاب دوزخ سے محفوظ رکھتا ہے۔
- ☆ مومن کی معراج نماز ہے اس کے بغیر اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل نہیں ہو سکتا۔
- ☆ اللہ سے محبت کرنے والوں کا وہ مقام ہے جو ملائکہ کو بھی نصیب نہیں ہوا۔
- ☆ عارف وہ ہے جو "راہ عشق" میں اللہ کے سوا کچھ نہ دیکھے۔
- ☆ حاجت روائی کے لئے "سورۃ فاتحہ" کثرت سے پڑھنی چاہیے۔
- ☆ ملک ایک کھیتی ہے اور عدل اس کا پاسبان، پاسبان نہ ہو تو کھیتی اجڑ جاتی ہے۔
- ☆ ہر بچے کی پیدائی اس بات کا پیغام ہے کہ اللہ ابھی انسان سے مایوس نہیں ہوا۔
- ☆ ایک عالم کی طاقت ایک لاکھ جاہلوں سے زیادہ ہوتی ہے
- ☆ اگر کوئی عالم اپنی خوبیاں بتائے تو پانی کا نالہ ہے، اگر خاموش ہو تو بحر ہے۔
- ☆ تم دوزخ سے نہیں بھاگو بلکہ ایسے اعمال اختیار کرو کہ دوزخ خود تم سے دور بھاگے۔

اُم خدیجہ، شاہدرہ لاہور

جان لیجیے

- O یہ وقت کے بہتے دریا کے کناروں پر پھیلی ریت ہے اسے چھانو گے تو پتا چلے گا کہ ہر ذرہ سونا نہیں ہوتا۔
- O تم دنیا کے کسی بھی کونے میں چلے جاؤ، لوٹ کر اپنے ہی گھر آؤ گے کیونکہ یہی وہ جگہ ہے جہاں وہ لوگ بستے ہیں جو تمہارے حقیقی خیر خواہ ہیں۔
- O کچھ دل بہت نازک ہوتے ہیں ان پر لفظ استعمال کرنے سے پہلے ان کے حوصلوں کو جان لو ورنہ یا وہ دل ٹوٹ جائے گا یا تم خود۔
- O تنہائیاں اور اداسیاں بہت درد ناک ہوتی ہیں اللہ سے دعا کیجئے کہ وہ کسی ایسی خطا کے کرنے سے آپ کو محفوظ رکھے کہ جس کی سزا اس عذاب کی صورت میں آپ کو ملے۔
- O تمہارا بہترین دوست وہ ہے جو تمہاری لغزشوں کو بھلا دے اور تمہاری نیکیوں کو یاد رکھے۔
- O جس شخص کو سال بھر کوئی تکلیف یا رنج نہ پہنچے وہ جان لے کہ اس سے اس کا رب ناراض ہے۔

ثنا حیدر، سرگودھا

ذرا سنیے

- O شادی ایک ایسا بندھن ہے جس میں وہ شریف شہریوں کو خوامخواہ ایک دوسرے سے لڑنے پر مجبور کر دیا جاتا ہے۔
- O اللہ نے عورت کو مرد کی پیشانی سے نہیں بنایا کہ وہ مرد پر حکومت کرے اور نہ اس کے پاؤں سے پیدا کیا کہ اس کی غلامی کرے بلکہ اس کی پسلیوں سے پیدا کیا کہ وہ اس کے دل کے قریب ہو۔
- O اگر دنیا میں عورت نہ ہوتی تو مرد ریاضت کے بغیر ہی ولی بن جاتا۔

در ثمن، میاں چنوں

افکار جبران

- ☆ اس عورت کے انتہائی عذاب کا اندازہ کون لگا سکتا ہے جو ان دو مردوں کے درمیان گرفتار ہو گئی ایک اس سے محبت کرتا ہے دوسرے کو دل دے بیٹھتی ہے۔
- ☆ میں نے دنیا اس لئے تیاگ دی کیوں کہ ان لاکھوں انسانوں سے شفقت اور نرمی سے پیش آتے آتے بے زار ہو گیا جو انکساری کو کمزوری، رحم دلی کو بزدلی اور امارت پرستی کو قوت خیال کرتے ہیں۔
- ☆ جب کوئی شخص تیرے ایسے گناہ کو معاف کرے جس کا تو نے ارتکاب کیا تھا تو اس کا ایک ایسا گناہ معاف ہو جاتا ہے جس کا وہ مرتکب ہوا۔
- ☆ بہترین انسان وہ ہے جس اس کی تعریف کی جائے تو وہ شرمندہ ہو اور جب برائی کی جائے تو خاموش ہو۔

☆☆☆

تسنیم طاہر

سعدیہ جبار ---- ملتان
سکون قرب میں اترو تو یاد کر لینا
کبھی جو ٹوٹ کے بکھرو تو یاد کر لینا
خوشی کے وقت چاہے ہمیں بھولا دینا
غموں کی راہ جو دیکھو تو یاد کر لینا

……

چند لمحوں کی رفاقت ہی غنیمت ہے کہ پھر
چند لمحوں میں یہ شیرازہ بکھر جائے گا
اپنی یادوں کو سمٹیں گے بچھڑنے والے
کسے معلوم ہے پھر کون کدھر جائے گا

……

تمام عمر زندگی سے دور رہے
تیری خوشی کے لئے تجھ سے دور رہے
اب اس سے بڑھ کر وفا کی سزا کیا ہو گی
کہ تیرے ہو کر بھی تجھ سے دور رہے
آنسہ ممتاز ---- رحیم یار خان
بڑی خاموشی چھائی ہو صدائیں تب بھی ہوتی ہیں
گھٹن ہو ہر طرف ہر سو ہوائیں تب بھی ہوتی ہیں
مجھے اب بھی محبت پہ ایمان مکمل ہے
نہ ہو رشتہ کوئی قائم وفائیں تب بھی ہوتی ہیں

……

دل کے رشتے بھی کتنے عجیب ہوتے ہیں
دور رہ کر بھی کتنے قریب ہوتے ہیں
ہر کسی کو ملتی نہیں ان سے خوشیاں
جن کو مل جائیں خوشیاں وہ لوگ خوش نصیب ہوتے ہیں

……

محبت میں تیری میں حد سے بڑھ گیا تھا
تیری خاطر دنیا کا ہم ستم سہہ گیا تھا
یہ کیسی سزا دی تو نے اے سنگدل
کہ تیری بے وفائی سے میں اک پل مر گیا تھا
فریال امین ---- ٹوبہ ٹیک سنگھ
لاکھ بھلانا چاہو مجھ کو پر پھر بھی بھول نہ پاؤ گے
لاکھ سمجھا تو خود کو تم پر اپنے دل کو سمجھا نہ پاؤ گے
اک پھول کو شاخ سے توڑ کر لبوں سے لگا لیا
اے زندگی تجھے چھوڑ کر ہم نے موت کو گلے لگا لیا

……

کر لو رابطہ جب تک زندہ ہیں امیر
پھر مت کہنا کہ دل میں یاد بسا کر چلے گئے

……

کیسا ویران ہے یہ سلسلہ عشق زمانے کا
اک ریت کا محل ہے سمندر کے کنارے کا
کیوں یہاں اونچی لہریں ہزار اٹھتی ہیں امیر
جو وقت سے پہلے اندیشہ دیتی ہیں اسے گرانے کا
نازیہ کمال ---- حیدر آباد
ہم آج بھی آپ کو چاہتے ہیں در چاہتے رہیں گے امیر
ہمارے دل میں ہے جو اس کا دل نہ ٹوٹے اے خدا
آج اتنی ہے تنہائی کی دیواروں کو غم سنانے لگے امیر
لیکن دل پھر سے ٹوٹ گیا جب کوئی جواب نہ ملا

……

ذرا ہاتھ بڑھاؤ تمہاری دسترس سے باہر نہیں
چاند تاروں کو چھو لیتے ہیں ہمیشہ محنت کرنے والے
نہ مارتا ہے نہ زندہ رکھتا ہے دن ہیں یہ عذاب کے
غضب کا ظالم ہے میرا مسیحا رکھتا ہے پھاہے تیزاب کے

……

کہتے ہو تم کیا ہے مجھ میں اک فقط انا
بس یہی میری متاع ہے یہی میرا سرمایہ ہے
آؤ اپنے جسم چن دیں اینٹ پتھر کی طرح
ے درو دیوار سہی گھر تو آخر اپنا ہے
ریم رباب ---- خانیوال
جب لگی ٹھوکر دیار غیر میں
یاد آیا دھرتی ماں کا بانہوں میں سمیٹنا

……

ونہی آنکھوں سے آنسو بہتے ہیں
کسی اور کو ہم اپنا کہتے ہیں
ایک آپ ہی ہو جو زندگی میں رگ سے گے
ورنہ کہنے کے لئے ہم کس سے کہتے نہیں

……

تاریخ کہہ رہی ہے محرم کے چاند میں
شہنشاہ کے بخت اچانک الٹ گئے
اتنی غریب ہو گئی زاہرہ کی لاڈلی
زنب کے ایک لباس میں دو سال کٹ گئے
ام خدیجہ ---- شاہدرہ لاہور
رسوں بعد بھی اس کی عادت نہ بدلی ضد کی
کاش میں دوست نہیں اس کی عادت ہوتا

……

ہکے چپکے کوئی مانوس سی آہٹ پا کر
دوستوں کو بھی کس عذر سے روکا ہو گا
یار کر کے مجھے نم ہو گئی ہوں گی پلکیں
آنکھ میں پڑ گیا کچھ کہہ کر ٹالا ہو گا

……

ہوا کے زور سے ممکن نہیں بکھر جاؤں
ی اور بات نہ دیکھوں اسے تو مر جاؤں
بن کے شہر میں شہنشائیوں کا میلہ ہے
زلیف جاں میں تجھے ڈھونوں کدھر جاؤں
نا حیدر ---- سرگودھا
گلی کے موڑ پہ بچوں کے ایک جمگھٹ میں
کسی نے درد بھری لے میں ماہیا گایا
مجھے کسی سے محبت نہیں مگر اے دوست
یہ کیا ہوا کہ دل بے قرار بھر آیا

……

نہ جانے کسی گلی کے موڑ پہ ہم تم بچھڑ جائیں
وصال و ہجر کا یارو کوئی موسم نہیں ہوتا

……

تپش سے بچ کے گھٹاؤں میں بیٹھ جاتے ہیں
گئے ہوؤں کی صداؤں میں بیٹھ جاتے ہیں
ہم اردگرد کے موسم سے جب بھی گھبرائیں
تیرے خیال کی چھاؤں میں بیٹھ جاتے ہیں
درِ ثمن ---- میاں چنوں
جل چکے خواب تو پھر آگ بجھانے آیا
اک نئے ڈھنگ سے وہ چوٹ لگانے آیا
میرے پیروں تلے آنکھیں جو بچھاتا تھا کبھی
کانچ کی کرچیاں وہ راہ میں سجانے آیا

……

لفظوں کی جستجو میں سب کچھ گنوا دیا
وہ چل دیے اور میں طرز ادا بنتا رہا
اس کو کس نے رب سے مانگ لیا
میں سجدے میں گر کے حرف دعا ڈھونڈتا رہا

……

میں نے دنیا میں دوزخ کی اذیت پالی
اپنے احساس کو رشتوں کے حوالے کر کے
آسیہ وحید ---- لاہور
میں کہتا ہوں مجھے پلکوں کی چھاؤں میں سدا رکھنا
وہ کہتی ہے مجھے شامل دعاؤں میں صدا رکھنا
میں کہتا ہوں کوئی دل میں تمنا ہو تو بتلاؤ
وہ کہتی ہے محبت کی فضاؤں میں صدا رکھنا

……

اپنے ترکش کے تیروں کی گنتی کرو
میرے گھاؤ گنو گے تو تھک جاؤ گے

......

انا پرست ہے اتنا کہ بات سے پہلے
وہ اٹھ کے بند میری ہر کتاب کر دے گا
جویریہ ناصر ---- گلبرگ لاہور
میں سچ کہوں گی مگر پھر بھی ہار جاؤں گی
وہ جھوٹ بولے گا اور لا جواب کر دے گا

......

زرخیز زمینیں کبھی بنجر نہیں ہوتیں
دریا ہی بدل لیتے ہیں رستہ اسے کہنا
کچھ لوگ سفر کے لئے ہوتے نہیں موزوں
کچھ راستے کٹتے نہیں تنہا اسے کہنا

......

غموں کو میلے دوپٹے میں جذب کر لینا
یہ حوصلے تو ہیں فقط غریب ماؤں کے
ام ایمن ---- گوجرانوالہ
ہم جو روئے تو انہیں کہنا پڑا
اس طرح کرتی ہے برسات سفر

......

تھی میری تباہی میں کچھ درختوں کی بھی سازش
ورنہ یہ اجڑنے کا موسم تو نہیں تھا

......

محبت تو ازل سے ہے محبت تا ابد ہو گی
اسے میں عصر حاضر کا عقیدہ کہہ نہیں سکتا
کتاب زندگی میں ہے رقم باب محبت بھی
مگر کتنی ہیں سطریں خط کشیدہ کہہ نہیں سکتا
عابدہ سعید ---- گجرات
کچھ میں ہی جانتا ہوں جو مجھ پہ گزر گئی
دنیا تو لطف لے گی میرے واقعات میں
میرا تو جرم تذکرہ عام ہے مگر
کچھ دھجیاں ہیں میری زلیخا کے ہاتھ میں

......

ہر اک بار یہ سوچ کے دل بھر آیا ہے
اتنی عمر میں کیا کھویا کیا پایا

......

اب تو ٹوٹی کشتی بھی آگ سے بچاتے
ہاں کبھی تھا نام اپنا بخت آزماؤں
صرف اس تکبر میں اس نے مجھ کو جیتا
ذکر نہ ہو اس کا بھی کل کو نارساؤں
فرح عامر ----
عمر بھی سنگ زنی کرتے رہے اہل وطن
یہ الگ بات کہ دفنائیں گے اعزاز کے ساتھ

......

اپنی اپنی انا کے قیدی
ہمارے بیچ کوئی دوسرا نہ

......

وہ تعلق توڑ کر مہربان کر گیا
ربط جو فانی تھا اس کو غیر فانی کر گیا
میں سمجھا تھا کہ مل کر داستان پوری ہوئی
وہ تو بچھڑ کر پھر بڑی لمبی کہانی کر گیا
فائزہ قاسم ---- سکھر
تیرے گرد ہے میری دعاؤں کا دائرہ
میں تیری عافیت کی مبارک لکیر ہوں

......

ایک مہینے بعد ملا تو نام بھی میرا بھول گیا
جس نے چلتے وقت کہا تھا یاد بہت تم آؤ گے

......

مل گئی جو محبت یاراں غنیمت جانیے
پھر نہیں آتے پلٹ کر جب چلے جاتے ہیں دن
وقت اس کے ساتھ کچھ محسوس ہوتا ہی نہیں
جانے کس پل میں نے جانے کب گزر جاتے ہیں دن
نعیم امین ---- کراچی
شہر طلب کرے اگر تم سے علاج تیرگی
صاحب اختیار ہو آگ لگا دیا کرو

......

زندگی گزر جائے گی بہر صورت
تو کوئی شرط زندگی تو نہیں

......

ہم اپنے آپ میں یوں گم ہوئے ہیں عرصے سے
ہمیں تو جیسے کسی کا بھی انتظار نہیں
کسی کو ٹوٹ کے چاہیں کہ چاہ کو ٹوٹیں
ہمارے پاس تو اتنا بھی اختیار نہیں
ہما رائے ---- کراچی
یہ پھیلی ہوئی رات ڈھلے یا نہ ڈھلے
یہ یورش حالات ٹلے یا نہ ٹلے
روشن کر چراغ دہر و کعبہ
پھر شمع خراجات جلے نہ جلے

......

میں نے جھیلا ہے گلے مل کر بچھڑنے کا عذاب
میرے معبود کسی کو یہ سزا مت دینا

......

ان کی محبت کا ابھی نشان باقی ہے
نام لب پہ ہے جان باقی ہے
کیا ہوا اگر دیکھ کر منہ پھیر لیتے ہیں
تسلی ہے کہ ابھی شکل کی پہچان باقی ہے
آصف ---- قصور
کسی بھی رت میں کریدو کوئی بھی موسم ہو
وں کے زخم ہمیشہ ہرے نکلتے ہیں
ن وروں کے قبیلے میں یہ خرابی ہے
اس لوگ ہی دل کے کھرے نکلتے ہیں

......

کھلائے رکھنا امید گلشن یونہی ہمیشہ
اس چہرے پہ زندگی کا جمال رکھنا
تک سویروں سے مل رہا ہے پیام الفت
توں کے یہ رابطے بھی بحال رکھنا

......

خوشبو کی طرح گزرو میرے دل کی گلی سے
پھولوں کی طرح مجھ پہ بکھر جاؤ کسی دن
چہرے پہ میری زلف کو بکھراؤ کسی دن
سر رکھ کے میرے سینے پہ سو جاؤ کسی دن
ثمینہ رفیق ---- کورنگی کراچی
ہم نے دل ہی توڑ ڈالا دھڑکنوں کے خوف سے
اپنی بستی مٹا ڈالی بارشوں کے خوف سے
کون کہتا ہے ہمیں راس آگئی زندگی اپنی
وہ تو یونہی ہنس رہے ہیں آنسوؤں کے خوف سے

......

میں اپنی دوستی کو شہر میں رسوا نہیں کرتا
محبت میں بھی کرتا ہوں مگر چرچا نہیں کرتا
میری محفل میں جو آنا چاہے اس کا دل سے خادم ہوں
جو اٹھ کر جانا چاہے اسے روکا نہیں کرتا

......

کسی ادا کسی چہرے پہ اعتقاد میرا
ضمیر دے نہ اجازت تو جھک نہیں سکتا
میرے وجود کا سایہ مجھے معاف رکھے
میں روشنی کے اصولوں پہ بک نہیں سکتا
رمشہ ظفر ---- بہاولپور
یہ عجیب ہے محبت کہ زمانہ جانتا ہے
نہ میں اس کو مانتا ہوں نہ وہ میری مانتا ہے
کوئی اس سے جا کے پوچھے اسے کیا ملا بچھڑ کے
میں بھی خاک چھانتا ہوں وہ بھی خاک چھانتا ہے

......

گھاؤ گنتے نہ کبھی زخم شماری کرتے
عشق میں ہم اگر وقت گزاری کرتے
وقت آیا ہے جدائی کا تو پھر سوچتے ہیں
تجھ کو اعصاب پہ اتنا بھی نہ طاری کرتے

......

لب خاموش سے اظہار تمنا چاہیں
بات کرنے کو بھی تصویر کا لہجہ چاہیں

☆☆☆

رنگ حنا

بلقیس بھٹی

(مسکرائیے)

بیمار شوہر۔

"مجھے جانوروں کے ڈاکٹر کے پاس لے جاؤ۔"

بیوی۔

"وہ کیوں؟"

شوہر۔

"روز صبح مرغے کی طرح اٹھ جاتا ہوں، گھوڑے کی طرح بھاگ کے آفس جاتا ہوں، گدھے کی طرح کام کرتا ہوں، گھر آ کر سب پر کتے کی طرح بھونکتا ہوں اور رات کو بھینس کے ساتھ سو جاتا ہوں۔"

فرح عامر، جہلم۔

باتیں خلیل جبران کی

☆ اگر تیرا دل آتش فشاں ہے تو پھر کیوں توقع رکھتا ہے کہ وہ پھولوں کو تیرے ہاتھ میں تر و تازہ رہنے دے گا۔

☆ مبالغہ ایک حقیقت ہے جس کی فطرت قابو سے باہر ہے۔

☆ بڑے سے بڑے غنی اور بڑے سے بڑے فقیر کے درمیان حد فاصل ایک دن کی بھوک اور ایک دن کی پیاس ہے۔

☆ جب تمہارا غم یا خوشی حد سے بڑھ جائے تو دنیا تمہاری نظروں میں حقیر ہو جائے گی۔

☆ دوستی میں کوئی غرض پنہاں نہیں ہونی چاہیے سوائے اس کے کہ روح کی گہرائیاں پیش نظر ہوں۔۔

فائزہ قاسم

زندگی کیا ہے؟

☆ مرجھائے ہوئے پھولوں نے کہا زندگی چ ساعتوں کی کہانی ہے۔

☆ طالب علموں نے کہا زندگی ایک بوجھ ہے۔

☆ غریب مزدور نے کہا زندگی دکھوں کا گھر ہے۔

☆ تماشوں نے کہا زندگی ایک کھیل ہے۔

☆ نجومیوں نے کہا زندگی ایک قسمت کا حال ہے۔

☆ شاعر نے کہا زندگی ایک غم کا دریا ہے۔

☆ مگر میں نے کہا۔

☆ زندگی ایک نعمت ہے اس کی قدر کرو۔

نعیم امین، کراچی

احتجاج

مخالف جماعتوں کے دو سیاستدان زور و شور سے بحث میں مصروف تھے، دونوں نے پہلے ایک دوسرے کو قائل کرنے کی ناکام کوشش کی پھر الزامات پر اتر آئے، ایک سیاستدان نے کہا۔

"تمہیں معلوم ہے کہ تم کس کے اشارے پ ناچتے ہو۔"

دوسرے سیاستدان نے مشتعل ہو کر کہا۔

"احمق آدمی! سیاسی بحث میں میری بیوی و کیوں گھسیٹتے ہو۔"

ہما رائے، کراچی

معمولی فرق

لکھ پتی نے بھکاری کو بھیک دیئے بغیر ڈانٹتے ہوئے کہا۔

"دفع ہو جاؤ میری نظروں کے سامنے سے۔"

"اتنا غرور دکھانے کی ضرورت نہیں۔" بھکاری نے متانت سے کہا۔

"آخر تم میں اور مجھ میں فرق ہی کیا ہے؟ صرف یہی کہ تم نے اپنی زندگی کا پہلا ملین کما لیا ہے اور میں نے ابھی کوشش شروع کی ہے۔"

نبیہ آصف، قصور

الارم

کراچی میں بینکوں میں بڑھتی ہوئی ڈکیتیوں کی روک تھام کے سلسلے میں ایک بینک میں الارم سسٹم لگایا گیا، کیشیئر کے پاؤں کے قریب فرش میں ایک بٹن نصب کیا گیا، جسے دبانے سے قریبی پولیس اسٹیشن میں الارم بج سکتا تھا، الارم لگے ابھی تین دن ہوئے تھے کہ دو ڈاکو ٹی ٹی لئے بینک میں ان پہنچے، ایک نے گارڈ کو قابو کیا، دوسرے نے کیشیئر کو گن دکھا کر کیش کا مطالبہ کیا۔

کیشیئر نے کیش تو اس کے حوالے کر دیا مگر ساتھ ہی الارم کا بٹن بھی دبا دیا، چند سیکنڈ بعد اس کے قریب رکھے فون کی گھنٹی بج اٹھی، کیشیئر نے فون ریسیو کرنا چاہا لیکن ڈاکو نے گن دکھا کر اسے باز رکھا اور خود ریسیور اٹھا لیا، دوسری طرف سے آواز آئی۔

"اوئے، میں تھانے سے بول رہا ہوں، ذرا دیکھ بھال کے بیٹھا کرو تمہیں پتہ ہی نہیں ہے کہ تمہارا پاؤں الارم کے بٹن پر رکھا ہوا ہے، پاؤں ادھر سے ہٹا بے وقوف، ادھر تھانے میں الارم بج رہا ہے۔"

ثمینہ رفیق، کورنگی کراچی

دریافت

ایک سائنس دان نے دوسرے سائنس دان کو بتایا۔

"آج میں نے محض اتفاقاً ایک اہم چیز دریافت کر لی۔"

"وہ کیا؟"

دوسرے سائنس دان نے دلچسپی سے پوچھا۔

"مجھے پتا چلا ہے کہ آپ سیاہی کی دوات سامنے رکھ لیں تو کسی بھی فاؤنٹین پین میں سیاہی بھرنے کی زحمت کیے بغیر بھی اس سے لکھ سکتے ہیں۔"

رمشہ ظفر، بہاول پور

فرمائش

نئے نئے دولت مند ہونے والے ایک صاحب نے ایک پروفیسر صاحب کو بلایا، جو کئی زبانیں جانتے تھے۔

"پروفیسر صاحب! میں جانتا ہوں کہ آپ میرے بیٹے کو کوئی غیر ملکی زبان سکھائیں، آپ جو ٹیوشن فیس مانگیں گے، وہ میں دوں گا۔"

ان صاحب نے فرمائش کی۔

"ٹھیک ہے۔" پروفیسر صاحب نے آمادگی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"کون سی زبانیں سکھاؤں، انگریزی، فرانسیسی، جرمن، اطالوی یا روسی؟"

"بس ان میں سے جو زیادہ غیر ملکی ہو وہ سکھائیں۔"

عاصمہ سرور، وہاڑی

ٹریڈ مارک

لندن کے ایک ٹیلر نے اپنا ٹریڈ مارک گندم کا دانہ رکھا، اس کے دوست نے حیرت سے پوچھا۔

"تمہارا کام کپڑے سینا ہے، یہ گندم کا دانہ تمہارا ٹریڈ مارک کہاں سے ہوگیا؟"

"یہ سارا سلسلہ ہی گندم کے دانے سے شروع ہوا ہے۔" ٹیلر نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"تصور کرو، اگر گندم کا دانہ نہ ہوتا تو کیا آج کپڑوں کا رواج ہوتا؟"

نازیہ کمال، حیدر آباد

تازہ......تازہ

ایک صاحب نے ریسٹورنٹ میں بیٹھ کر تازہ ابلے ہوئے انڈے کا آرڈر دیا، انہوں نے بہت اصرار سے کہا کہ انڈا تازہ ابلا ہوا ہونا چاہیے، ویٹر انہیں اطمینان دلا کر رخصت ہوگیا کہ ان کی ہدایات پر حرف بہ حرف عمل ہوگا، انڈا آیا تو اس پر باریک الفاظ میں ایک پیغام بھی درج تھا۔

"میری عمر بائیس سال ہے، میں دنیا میں اکیلی ہوں، خوبصورت، زندہ دل اور خوش حال ہوں، شادی کرنا چاہتی ہوں، اگر آپ میری ذات میں دلچسپی محسوس کریں تو مندرجہ ذیل پوسٹ باکس کی معرفت خط لکھیں۔"

ان صاحب نے بہ صد اشتیاق پوسٹ باکس نمبر نوٹ کیا، انڈا کھایا اور گھر آ کر اس نا معلوم لڑکی کے نام ایک نہایت طویل اور متاثر خط لکھا، کافی دن بعد جواب آیا۔

"آپ نے جن جذبات کا اظہار کیا ہے، ان کا شکریہ، لیکن میری شادی ہوئے تو ڈیڑھ سال گزر چکا ہے۔"

مریم رباب، خانیوال

باعث تشویش

ایک معمر شخص شیو کرانے حجام کے پاس گیا اور اس کو بتایا کہ آج میری 92 ویں سالگرہ ہے، نائی نے مبارکباد دیتے ہوئے کہا۔

"میں آپ کی 100 ویں سالگرہ پر بھی شیو بناؤں گا۔"

"ہاں ممکن ہے۔" بوڑھے نے نائی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"مگر مجھے تمہاری صحت کچھ ٹھیک نظر نہیں آتی۔"

اُم خدیجہ، شاہدرہ لاہور

قابل دید

ٹیچر نے کلاس روم میں دیکھا کہ پچھلی بینچ پر بیٹھا ہوا ایک لڑکا کبھی منہ چلا رہا ہے اور کبھی عجیب عجیب شکلیں بنا رہا ہے۔

"اے فاخر!" ٹیچر نے اسے پکارا۔

"یہاں سامنے آؤ اور جو کچھ تمہارے منہ میں ہے، مجھے دے دو۔"

"کاش میں ایسا کر سکتا ٹیچر۔" فاخر نے کراہتے ہوئے کہا۔

"میرے منہ میں چھالے ہیں۔"

ثنا حیدر، سرگودھا

پیش بندی

"تم ایک نہایت حسین لڑکی ہو۔"

"مجھے معلوم ہے کہ تم دل میں ایسا نہیں سمجھتے، لیکن پھر بھی کہہ رہے ہو۔"

"میں اصل میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ اگر میں ایسا نہیں کہوں گا، تب بھی تم دل میں ایسا ہی سمجھتی رہو گی۔"

رابعہ ارشد، فیصل آباد

بے بسی

جہاں بھی جان تو آنکھوں میں خواب بھر لاتا
یہ کیا کہ دل کو ہمیشہ اداس کر لاتا
میں برف برف رتوں میں جلا تو اس نے کہا
واپس آتا تو کشتی میں دھوپ بھر لاتا

☆☆☆

حنا کی محفل

عین غین

سعدیہ جبار ---- ملتان

س: وہ سفید کپڑوں میں زیادہ کیوں چمکتے ہیں؟

ج: وہ نہیں کپڑے چمکتے ہوں گے ایکسل کی وجہ سے۔

س: ع غ بھیا آداب عرض ہے؟

ج: وعلیکم السلام۔

س: عینی بھیا آصفہ انبساط کو پیا دیس سدھارنے اور عظمیٰ اعجاز کو بھائی کی شادی کی مبارکباد پہنچا دیجئے ناں؟

ج: پہنچا دی۔

س: عینی بھیا نئے لوگ مل جانے کے باعث پرانے لوگ بھول گئے ہیں کیا؟

ج: کون سے پرانے لوگ۔

س: عینی بھیا تم لڑتے بہت ہو اسی لئے ہم تمہاری محفل میں شرکت نہیں کرتے؟

ج: میں تم سے کب لڑا ہوں جو یہ الزام لگا۔

س: عینی بھیا بہت ہو چکا اب تم واقعی اپنا نام تبدیل کرلو؟

ج: کیا بہت ہو چکا؟ جو میرے نام سے الرجک ہو۔

آنسہ ممتاز ---- رحیم یار خان

س: خوشیاں ملیں تو جلد بھول جاتے ہیں، درد دیر تک زندگی کا حصہ رہتے ہیں کیوں؟

ج: ان کی کسک تڑپاتی جو ہے۔

س: انسان کا سب سے بڑا مسئلہ کیا ہے؟

ج: انسان ہونا۔

س: دل میں اتر جانے والے لوگ کیسے ہوتے ہیں؟

ج: اچھے ہوتے ہیں۔

س: آئیں بائیں شائیں کب کیا جاتا ہے؟

ج: جب کوئی دل میں اتر جائے اور لوگ پوچھتے رہیں کہ وہ کیسا ہے۔

س: ہار کر بھی جیت کب محسوس ہوتی ہے؟

ج: جب مخالف بھی اپنا ہو۔

س: دال میں جب کالے کی بجائے لال نظر آنا شروع ہو جائے تو اس کا کیا مطلب ہوتا ہے؟

ج: آنکھیں خراب ہیں۔

فریال امین ---- ٹوبہ ٹیک سنگھ

س: حلوائی کی دکان پر نانا جی کی فاتحہ کب دلوائی جاتی ہے؟

ج: جب حلوائی سے دوستی ہو۔

س: اگر رات کو دیر تک نیند نہ آئے تو......؟

ج: ڈاکٹر سے رجوع کریں۔

س: تم کو اتنے دن کے بعد دیکھ کر مجھے کیا ہوا؟

ج: خوشی اور کیا۔

س: کیا دل کی بات پڑھنے سے آنکھوں پر اثر پڑتا ہے؟

ج: تمہارا تجربہ کیا کہتا ہے۔

س: لوگوں کو اپنی اوقات کا کب پتہ چلتا ہے؟

ج: جب اس کی کوئی سنتا ہی نہیں۔

س: لوگ کہتے ہیں عشق خلل ہے دماغ کا؟

ج: لوگ کہتے ہیں تو سچ ہی کہتے ہوں گے۔

نازیہ کمال ---- حیدر آباد

س: آپ کو دھوکا دینا اچھا لگتا ہے یا دھوکا کھانا؟

ج: میں دونوں دھوکوں سے گریزاں ہوں۔

س: سانس اور آس میں کیا فرق بتائیں؟

ج: سانس کے ہوتے ہوئے آس ختم ہو جاتی ہے۔

س: کیا بازار میں خوشیاں فروخت ہوتی ہیں؟

ج: خوشیاں تو ہمارے اطراف میں ہیں، بس اس کی کھوج کے لئے حوصلے کی ضرورت ہے۔

س: ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑنے کا کوئی مرہم بتا دیں؟

ج: بس دل سے بغض نکال دیں۔

س: آخر اس دل کی کیا بساط ہے؟

ج: یہ دل پر ہی منحصر ہوتا ہے۔

س: میرے دل میں کیا ہے بوجھ تو جانیں؟

ج: میں اپنے دل کے بارے میں تو بتا سکتا ہوں، تمہارے دل کے بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں۔

مریم رباب ---- خانیوال

س: سمندر کی گہرائی زیادہ ہوتی ہے یا دل کی؟

ج: دل دریا سمندروں ڈھونگے۔

س: سنا ہے صبر کا پھل بڑا میٹھا ہوتا ہے؟

ج: سننے اور کرنے میں بڑا فرق ہوتا ہے۔

س: کون اپنا کون پرایا؟

ج: آزما لینے میں کیا حرج ہے۔

س: ہماری نئی پود کو بگاڑنے میں سب سے زیادہ کس کا ہاتھ ہے؟

ج: بڑے بڑوں کا۔

س: پاگل تو اس کی حرکتوں سے پہچانا جاتا ہے، عقل مند کی کیا پہچان ہے؟

ج: وہ تو بے چارہ حرکت ہی نہیں کرتا۔

س: اگر دنیا میں موت نہ ہوتو؟

ج: زمین پر تل دھرنے کو جگہ نہ ہوتی۔

ام خدیجہ ---- شاہدرہ لاہور

س: مہنگائی کے اس دور میں سب سے سستی چیز کون سی ہے؟

ج: انسانی زندگی جہاں روپوں کے عوض انسان کو موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے۔

س: اگر کسی کو اس کا آئیڈیل نہ ملے تو وہ بچارہ کیا کرے؟

ج: صبر شکر کر کے جہاں ماں باپ کہتے ہیں شادی کر لے۔

س: عورت کا انتخاب مشکل ہے یا مرد کا؟

ج: انتخاب بڑا مشکل ہوتا ہے۔

س: ایک ڈال پر طوطا بیٹھا، ایک ڈال پر مینا ع غ جی کیا کہنا؟

ج: دونوں کو صحیح جگہوں پر رہنا چاہیے۔

س: اگر خواب صرف خواب ہی رہیں تو؟

ج: خواب تو خواب ہی ہوتے ہیں۔

س: کنوارے شادی کرنا چاہتے ہیں اور شادی شدہ اپنی جان کو روتے ہیں؟

ج: شادی بور کے لڈو ہیں جس نے کھائے وہ بھی پچھتائے جس نے نہیں کھائے وہی بھی پچھتائے۔

میری ڈائری سے

صائمہ محمود

درثمن: کی ڈائری سے ایک انتخاب

"چلو کچھ دور چلتے ہیں"
چلو کچھ دور چلتے ہیں
وفا میں چور چلتے ہیں
جفا میں درد ہے کتنا
جفا سے دور چلتے ہیں
چلو کچھ دور چلتے ہیں
کہ جب تو ساتھ ہوتی ہے
یوں بھی ساتھ چلتی ہے
تیرے ہر قدم پہ جاناں
صدا میں آہ بھرتی ہیں
چلو کچھ دور چلتے ہیں
یہ دنیا بے مروت ہے
یہاں جاہل ہی بستے ہیں
چلو ہمدم، چلو آؤ
یہاں سے دور چلتے ہیں
ابھی تو رات باقی ہے
ابھی احساس آس باقی ہے
ابھی اک آس باقی ہے
ابھی تو چاند، تاروں کا
حسیں اک رقص باقی ہے
ابھی تو تیرے ہاتھوں کا
نرم اک لمس باقی ہے
ابھی تو بانہوں میں تجھ کو
مجھے بھرنا ہے جان جاں
ابھی تو ہاتھوں میں چہرہ
تیرا دھرنا ہے جان جاں
ابھی کچھ دیر رک جاؤ
چلو کچھ دور چلتے ہیں

آسیہ وحید: کی ڈائری سے خوبصورت نظم

اے محبت تو ایسی کیوں ہے
کبھی مخملی کبھی شبنمی
سب کو گھائل کرے تیری ہنسی
تیرے رخ پہ غازہ ریشم کا
تیرے اندر نور ہے کرنوں سا
تیرا رنگ ہے رنگیں دھانی سا
تجھے اوڑھ لے کوئی مجھ جیسا
تو ہو جائے وہ بھی تجھ جیسا
تیرا روپ ہے سیندر پریوں سا
تیرے اندر جل تھل ندیوں سا
تیری بولی کوئل کوئل سی
تو چال ہے چلتی جھرنوں سی
تو دور کہیں سے آتی ہے
اور آتے ہی چھا جاتی ہے
تیرا رین بسیرا پربت پر
تیرا جلوہ ہر اک انگ انگ پر
تو ہر اک آنکھ میں دیکھتی ہے
تو ہر اک دل کو جھانکتی ہے
تو ہر اک روح کو تکتی ہے
اور اندر تک چھو لیتی ہے
تیری ہیت سب سے جدا جدا
کوئی کیا جانے تو کیسی ہے؟

جویریہ ناصر: کی ڈائری سے خوبصورت انتخاب

تو ٹھوس ہے نا مائع ہے
تیرے اندر رب سمایا ہے
تو چپکے چپکے آتی ہے
اور آتے ہی چھا جاتی ہے
جب کسی کو تو چھو جاتی ہے

تو لوہا کندن بنتا ہے
تو پارس ہے تو پارس ہے
ہر ٹوٹے دل کی ڈھارس ہے
تیرا چرچا ہر سو ہوتا ہے
کوئی ہنستا ہے کوئی روتا ہے
دل بہت سوں کا مچلتا ہے
پر سب کا بس نہ چلتا ہے
تو جب کسی کو ملتی ہے
جب کوئی تجھے پالیتا ہے
تب وہ امر ہو جاتا ہے
ہو ہو کے نعرے لگاتا ہے
پھر حق کی صدائیں آتی ہیں
اور تیرے ہی گیت گاتی ہیں
اب کی رضا تو
اور بندے کی پیکار ہے
آغاز تیرا بندگی
انجام بندہ کار ہے

ام ایمن: کی ڈائری سے ایک غزل

جب یہ سفر شروع کیا تو تم بہت یاد آئے
جب تمہاری باتوں پہ غور کیا تو تم بہت یاد آئے
ایسی بھی کیا خطاء کی کہ تم روٹھ ہی گئے
جب تنہائی ستانے لگی تو تم بہت یاد آئے
جب جھانک کر دیکھا دل میں تو تم نظر آئے
اور جب دل اداس ہوا تو تم بہت یاد آئے
جب ہوا چلی تو کچھ عجیب سا ہونے لگا ہم کو
جب تمہاری خوشبو کو محسوس کیا تو تم بہت یاد آئے
اب تو منزل ختم ہونے کو آئی ہے لیکن امیر
جب بھی کوئی موڑ آیا تو تم بہت یاد آئے

عابدہ سعید: کی ڈائری سے ایک غزل

جس کے نام انتساب ہے میری کتاب زیست
ایک لمحہ بھی فقط اسی کا میرا نہیں
جن گلوں کی تابندگی میں شامل میرا لہو رہا
اسی شاخ کے اک خار پہ بھی حق میرا نہیں
بہت زعم ہے اسے اپنے اعصاب کی مضبوطی پہ
ابھی مصیبتوں میں ٹھیک ہے میری جان وہ گھرا نہیں
کبھی آئے گا خود کو میرے حوالے کرنے تم دیکھنا
بہت کہتا ہے کہ میں تیرا نہیں
نہ کرنا دل لگی مجھ سے نہ سنگ باری لوگو
میں عاشق ہوں جنوں میں ہوں میں سر پھرا نہیں
بس اک بار الجھا تھا اس کے گریبان میں سحر
صد شکر پھر بھی شانے سے آنچل ڈھلکا نہیں

فرح عامر: کی ڈائری سے خوبصورت غزل

تیرے آگے سوال کرتے کیوں
اک خود کو نڈھال کرتے کیوں
اک تعلق بھی کم نہیں ہوتا
سو تعلق بحال کرتے کیوں
تیرے انداز کے نہیں ہیں ہم
ورنہ اپنا ملال کرتے کیوں
اک مروت نے ہم کو مار دیا
ورنہ جینا وبال کرتے کیوں
ہجر جب راس آ گیا تھا تیرا
تجھ سے عرض وصال کرتے کیوں
تجھ کو دکھا ہوا ہے یاد اے دوست
اس سے بڑھ کر خیال کرتے کیوں

فائزہ قاسم: کی ڈائری سے ایک نظم

آزمائشوں اور بارشوں کا
ساتھ ہے چولی دامن کا
پر اے خدا تو یہ تو بتا
پانی اگلتی دھرتی پر اب
آگ اور پانی کی بوچھاڑ ہے
لوگ کہاں تک سہہ پائیں گے
صبر تو دے ورنہ یہ مر جائیں گے
تیری چلتی چکی میں پس جائیں گے
پانی کے طوفاں میں بہہ جائیں گے

فہیم امین: کی ڈائری سے خوبصورت نظم

"پیار کرتا تھا"

اپنا حصہ شمار کرتا تھا
وہ مجھ سے اتنا پیار کرتا تھا
وہ بناتا تھا میری تصویریں
پھر ان سے باتیں ہزار کرتا تھا
میرا دکھ بھی خلوص عنایت سے
اپنے دکھوں میں شمار کرتا تھا
سچ سمجھتا تھا جھوٹ بھی میرا
یوں میرا وہ اعتبار کرتا تھا
جب بھی روتا تھا رات کی تنہائی میں
وہ اپنے ہاتھوں سے میرے چہرے کو صاف کرتا تھا
آج سوچتی ہوں تو دل روتا ہے
وہ شخص مجھ سے کتنا پیار کرتا تھا۔

ہما رائے: کی ڈائری سے ایک غزل

نہ گنواؤ ناوک نیم کش دل ریزہ ریزہ گنوا دیا
جو بچے ہیں سنگ سمیٹ لو تن داغ داغ لٹا دیا
میرے چارہ گر کو نوید ہو صف دشمناں کو خبر کرو
وہ جو قرض رکھتے تھے جاں پر وہ حساب ہم نے چکا دیا
کرو کج جبیں پہ سر کفن مرے قاتلوں کو گماں نہ ہو
کہ غرور عشق کا بانکپن پس مرگ ہم نے بھلا دیا
ادھر ایک حرف کی کشتنی یہاں لاکھ غدر تھے گفتنی
جو کہا تھا سن کے اڑا دیا جو لکھا تھا پڑھ کے مٹا دیا
جو رکے تو کوہ گراں تھے ہم جو چلے تو جاں سے گزر گئے
رہ یار ہم نے قدم قدم تجھے یادگار بنا دیا

نسیمہ آصف: کی ڈائری سے ایک نظم

اجل ہنگام سے پہلے
اندھیر شام سے پہلے
تمہارا نام لیتے ہیں
کبھی کے نام سے پہلے
اسے کہنا ایسے کب بھلاتے ہیں محبت کو
کئی برسوں کی قربت کو
گئے بچپن کی محبت کو
اگر اس شہر سے گزرو
تو اسے کہنا
در بھی ابھی وا ہیں میرے گھر آتی راہوں کے
یہ حلقے میری بانہوں کے
اگر ممکن ہو تو لوٹ آئے
سواد شام سے پہلے
کسی انجام سے پہلے
کھلی آنکھوں سے اسے دیکھوں
اجل ہنگام سے پہلے

ثمینہ رفیق: کی ڈائری سے ایک غزل

ہر شخص کبریا ہے تجھے دیکھنے کے بعد
دعویٰ میرا بجا ہے تجھے دیکھنے کے بعد
ہم آ کر تیرے شہر سے واپس نہ جائیں گے
یہ فیصلہ کیا ہے تجھے دیکھنے کے بعد
کہتے ہیں تجھ کو لوگ مسیحا مگر یہاں
اک شخص مر گیا ہے تجھے دیکھنے کے بعد
سجدہ کروں گی تجھ کو تو کافر کہیں گے لوگ
یہ کون سوچتا ہے تجھے دیکھنے کے بعد
رہتی ہوں کھوئی کھوئی سی ہر وقت اب
یہ حال ہو گیا ہے تجھے دیکھنے کے بعد

رمشہ ظفر: کی ڈائری سے خوبصورت نظم

"ہجر نامہ"

بدلتے موسم بدل رہے ہیں
ہزار رستے نکل رہے ہیں
تمہاری دستک کی منتظر ہوں
تمہیں سنانے کو گیت میرے
میرے لبوں پہ مچل رہے ہیں
ندیم میرے
کلام میرے، کلیم میرے
چلے بھی آؤ میں تھک گئی ہوں
سجا کے رکھوں یہ گھر، گھروندا
مگر ادھورا ہے یہ سپنا
یہ جانے کیسے، نہ جانے کیونکر
دو دور مجھ سے میں دور اس سے

جو ہے جہاں بھر میں ایک اپنا
حسین میرے
حریم دل میں مکین میرے
چلے بھی آؤ میں تھک گئی ہوں
حریری جامے تو ان گنت ہیں
میرا وہی جو گیا نہ چولا
ہر ایک نعمت ہے گھر میں وافر
کمی کسی چیز کی نہیں ہے
مگر یہ گھر ہے اداس رضا
جمیل میرے
محبتوں میں کفیل میرے
چلے بھی آؤ میں تھک گئی ہوں

عاصمہ سرور: کی ڈائری سے ایک غزل

گزرنے ہی نہ دی وہ رات میں نے
گھڑی پر رکھ دیا تھا ہاتھ میں نے
ذرا سی رہ گئی ہے عمر باقی
نبھایا ہے کسی کا ساتھ میں نے
میں اس کی ذات میں گم ہو گیا ہوں
مٹا ڈالی ہے اپنی ذات میں نے
یہ کیسی آگ دل میں کی فروزاں
جلا کر رکھ دیے جذبات میں نے
بہت رویا ہوں مگر اس سے پہلے
کبھی دیکھی نہ تھی برسات میں نے
فلک کشکول لے کر آ گیا تھا
ستارے کو دیے خیرات میں نے
بڑی مشکل سے ہاتھ آئے تھے
کہاں رہے ہیں وہ لمحات میں نے

رابعہ ارشد: کی ڈائری سے ایک نظم

میں بھول جاؤں تمہیں
اب یہی مناسب ہے
مگر بھلانا بھی چاہوں تو کس طرح بھولوں
کہ تم تو پھر بھی حقیقت ہو
کوئی خواب نہیں
یہاں تو دل کا یہ عالم ہے، کیا کہوں
کم بخت
بھلا نہ پایا یہ وہ سلسلہ
جو تھا ہی نہیں
وہ اک خیال
جو آواز تک گیا ہی نہیں
وہ اک بات
جو میں کہہ نہیں سکا تم سے
وہ ایک ربط
جو ہم میں کبھی رہا ہی نہیں
مجھے ہے یاد وہ سب
جو کبھی ہوا ہی نہیں

مسرت مصباح: کی ڈائری سے ایک نظم

"وہ دن"

چھیاسٹھ سال پہلے ایک دن ایسا بھی آیا تھا
جب اک سورج نکلنے پر
چمکتی دھوپ پھیلی تھی تو منظر جگمگایا تھا
اگرچہ میں نے وہ منظر بچشم خود نہیں دیکھا
مگر جب یاد کرتا ہوں تو سانسیں گنگناتی ہیں
کئی صدیوں سے صحرا میں بکھری ریت کی صورت
کروڑوں لوگ تھے جن کا
نہ کوئی نام لیتا تھا نہ کچھ پہچان تھی باقی
ہر اک رستے میں وحشت تھی
کبھی آنکھوں میں حسرت تھی
نہ آبا سی ہنرمندی نہ اگلی شان تھی باقی
کھلا سر پر جو اس اعلان کا خوشبو بھرا سایہ
ہلالی سبز پرچم کا وہ ٹھنڈا دلربا سایہ
تو ان کی جاں میں جاں آئی
لہو میں روشنی جاگی، ذہن میں پھرزیاں آئی
چھیاسٹھ سال پہلے وہ اک احسان، مت بھولو
خدا کی خاص رحمت ہے یہ پاکستان، مت بھولو

☆☆☆

خبرنامہ

عبداللہ

شان کی شان ہے نرالی

مسلسل دو سال سے ایک ہی شاخ پر بیٹھے شان نے پھر اڑان بھرنے کا سوچا اور "سایہ ذوالجلال" کے نام سے فلم بنانے کا ارادہ پختہ کر لیا، اس فلم میں کام کرنے کے لئے مختلف آرٹسٹوں کا انتخاب کرتے ہوئے ان کی نظر ریمبو کی مسز صاحبہ پر ٹھہری، صاحبہ جس نے عرصہ ہوا فلم انڈسٹری کو خیر باد کہہ دیا تھا، شان کے بے حد اصرار پر دوبارہ سے سلور اسکرین سے ناطہ جوڑنے کے لئے تیار ہو گئیں، جبکہ یہی صاحبہ کچھ عرصہ پہلے فلم میں کام کرنے کے سوال پر کانوں کو ہاتھ لگاتی تھیں، تاہم شان کی تو شان ہی الگ ہے یہ بات سب مانتے ہیں اور کہنے والے کہتے ہیں جب شان جاگتا ہے تو سب جاگنے والوں کو سلا دیتا ہے تو دیکھیے شان اپنی اس فلم میں صاحبہ کے علاوہ اور کیا نیا پن لے کر آتے ہیں۔

نام میں کیا رکھا ہے

ایک ماہر علم اعداد کے کہنے پر پاکستانی مونا لیزا، بولی ووڈ کی سارہ لورین بن گئی، ایک طرف کہا جاتا ہے کہ نام میں کچھ نہیں رکھا مگر دوسری طرف سب نام کی بدولت کھانا اور کمانا چاہتے ہیں اور نصیب کے ستارے نام سے ہی چمکاتے ہیں، بالی ووڈ میں مونا لیزا کی پہلی فلم "کجرارے" کب آئی اور گئی کسی کو پتا نہیں چلا اسی مونا کے ساتھ اس فلم کو بھی بھول گئی اور سارہ بن کر "مرڈر تھری" میں جلوہ گر ہوئی اور یہ فلم ریلیز بھی ہو گئی، سارہ نے اس فلم میں خاصے بہتر اور جرأت مندانہ کام کی بدولت سارہ نے دیکھنے والوں کو منہ میں انگلیاں دابنے پر مجبور کر دیا ہے اب جبکہ وہ بالی ووڈ ٹریک پر چل پڑی ہے دیکھتے ہیں سارہ کا یہ راستہ کتنا لمبا ہے اور سارہ جیسی لڑکی اس پر کہاں تک جا پاتی ہے۔

آپ کے ساتھ ہم بھی دیکھتے ہیں اور انتظار کرتے ہیں۔

اُف یہ پابندی

پرینکا چوپڑا کے انٹرنیشنل آڈیو البم نے توقع سے زیادہ پذیرائی حاصل کی، اسی بنا پر ہندی فلم "گمگری" میں پرینکا کو نئی بیک سنگر کے طور پر دیکھا جا رہا ہے، تاہم حقیقت یہ ہے کہ ہندی فلموں میں فی الحال پرینکا، کسی قیمت پر نہیں گا سکے گی، کیونکہ متعلقہ انٹرنیشنل کمپنی کے ساتھ معاہدے کے تحت مس چوپڑا دو سال تک اسی کمپنی کے لئے گائے گی، اس کے علاوہ وہ کسی پبلک پوائنٹ پر بھی گنگنانے کا شوق پورا نہیں کرے گی۔

مطلب ہم دوسرے لفظوں میں کہہ سکتے ہیں کہ یہ نئی نویلی گلوکارہ انٹرنیشنل اسٹوڈیو کے سوا صرف باتھ روم میں ہی گا سکتی ہے۔

زیرو سے بنے ہیرو

سلمان آج اس مقام پر ہے کہ پتھر کو چھولے تو اسے بھی پارس بنا ڈالے، سونا کشی کو کھرا سونا بنانے والا سلمان آج کل اپنے ذاتی باڈی گارڈ پر بے حد مہربان ہے شیرا نامی شخص پندرہ سال سے سلمان خان کا سب سے خاص باڈی گارڈ ہے اس کے بنا سلمان کہیں بھی نہیں جاتا، اس گارڈ نے سلمان کے ساتھ باڈی گارڈ کے سونگ میں بھی حصہ لیا، اسی باڈی گارڈ شیرا کے بیس سالہ بیٹے کو سلمان نے خوب شان سے لانچ کرنے کا وعدہ کیا ہے یہی وجہ ہے کہ آج کل شیرا کی طرح اس کا بیٹا بھی اپنے انکل کے دائیں بائیں دکھائی دیتا ہے سلمان نے اس کے ساتھ وعدہ کر رکھا ہے کہ وہ بہت جلد اسے کروڑوں کا ہیرو بنا دے گا اور سلمان کے بارے میں ایک بات پر تو آنکھیں بند کر کے یقین کیا جا سکتا ہے کہ وہ اپنی کمٹ منٹ ہر حال میں پوری کرتا ہے۔

لو جی میں نے ہاں کر دی

بالی ووڈ اداکارہ ششمیتا سین نے شادی پر رضامندی ظاہر کر دی، ششمیتا سین کا کہنا ہے کہ انہوں نے بہت انتظار کر لیا اب اور نہیں، عمر کی چھتیس بہاریں دیکھنے والی ششمیتا سین کا کہنا ہے کہ وہ ہر فیصلہ بہت سوچ سمجھ کر کرتی ہیں، لیکن ایک بار جو فیصلہ کرتی ہیں نہ صرف اسے پورا کرتی ہیں بلکہ اس پر قائم بھی رہتی ہیں اور وہ شادی جیسے اٹوٹ بندھن پر مکمل یقین رکھتی ہیں اب دیکھنا یہ ہے شادی کے لئے قرعہ فال کس کے نام نکلتا ہے، یاد رہے کہ ششمیتا سین نے پہلے ہی دو بچیوں کو گود لے رکھا ہے اس کی بڑی بیٹی رینی اپنی منہ بولی ماں کے اس فیصلے سے کافی ناراض ہے، اب دیکھنا یہ ہے کہ ششمیتا سین کس کو خوش رکھ پاتی ہیں خود کو یا اپنی لے پالک بیٹیوں کو۔

☆ ☆ ☆

حنا کا دسترخوان

افراح طارق

ویجی ٹیبل رائس کیک

اشیاء

چاول (صاف کر کے بھگو لیں)	ایک کپ
ہری پیاز (باریک سلائس کاٹ لیں)	ایک عدد
مرغی کی یخنی	ایک کپ
لیموں	ایک عدد
پنیر	تین کپ
ہری مرچیں (چوپ کیا ہوا)	دو کھانے کے چمچے
ہرا دھنیا (چوپ کیا ہوا)	دو کھانے کے چمچے
نمک	حسب ذائقہ
سیاہ مرچ پاؤڈر	حسب ذائقہ
تیل	حسب ضرورت
لیموں کی قاشیں	سجاوٹ کے لئے

ترکیب

سوس پین میں تین کھانے کے چمچے مرغی کی یخنی ڈال کر اس میں ہری پیاز ڈالیں اور درمیانی آنچ پہ پیاز کے نرم ہو جانے تک پکائیں۔

چاولوں میں سے پانی نتھار کر چاولوں کو سوس پین میں ڈالیں اور پیاز کے ساتھ مکس کریں، اس کے بعد اس میں باقی بچی ہوئی یخنی شامل کریں۔

ایک بار ابال آ جانے کے بعد سوس پین پہ ڈھکن ڈھک کر چاولوں کو دھیمی آنچ پہ یخنی کے اچھی طرح خشک ہو جانے تک پکائیں۔

لیموں کا چھلکا، پنیر، ہری مرچیں، ہرا دھنیا، نمک اور سیاہ مرچ پاؤڈر ڈال کر مکس کریں اور چولہا بند کر دیں۔

ایک کیک ٹن میں تیل لگا کر اس میں چاولوں کے مکسچر کو ڈال کر اسے اچھی طرح سیٹ کر دیں اور اس کے اوپر فوائل پیپر لگا کر اسے کور کر دیں۔

کیک ٹن کے پہلے سے گرم اوون میں 200.c پہ رکھ کر پینتیس منٹ تک بیک کریں، آمیزے کے گولڈن براؤن ہو جانے کے بعد کیک ٹن کو اوون سے باہر نکال لیں، تیز چھری سے کنارے کاٹ کر آمیزے کو پلیٹ میں نکال لیں، قتلے کاٹ کر سروِنگ ڈش میں رکھیں، مزے دار ویجی ٹیبل رائس کیک تیار ہے، چلی گارلک سوس کے ساتھ سرو کریں۔

رشین پف

اشیاء

میدہ	دو کپ
بیکنگ پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ
چینی	آدھا کپ
مکھن	ایک کھانے کا چمچہ
انڈا (پھینٹ لیں)	ایک عدد
کشمش	ایک کپ
دودھ	دو کھانے کے چمچے
پانی	حسب ضرورت
تیل	ڈیپ فرائی کے لئے

ترکیب

میدہ میں بیکنگ پاؤڈر، چینی، کشمش ڈالیں، ایک پین میں مکھن کو پگھلا لیں، انڈا اور دودھ ملا کر پیڑ تیار کر لیں، اگر پانی کی ضرورت

محسوس ہو تو ڈالیں، یہ آمیزہ گاڑھا ہی رہے گا، پھر تیل گرم کریں اور پف کو پکوڑوں کی طرح لے کر ڈیپ فرائی کرلیں، ہلکی آنچ پر گولڈن براؤن ہونے پر نکال لیں اور سرو کریں۔

بنانا اینڈ لیمن کیک

اشیاء

میدہ	دو کپ
بیکنگ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
مکھن	آدھا کپ
چینی	آدھا کپ
براؤن شوگر	آدھا کپ
انڈے	دو عدد
لیموں کی چھال	آدھا چائے کا چمچہ
کیلے (چھیل کر میش کرلیں)	ایک کپ
ونیلا ایسنس	ایک چائے کا چمچہ
دودھ	ایک چوتھائی کپ
اخروٹ (چوپ کیا ہوا)	ایک کپ
مکھن	آدھا کپ
آئسنگ شوگر	چار کپ
لیموں کی چھال	ایک چائے کا چمچہ
مکھن	آدھا کپ
آئسنگ شوگر	چار کپ
لیموں کا رس	چار کھانے کے چمچے

ترکیب

میدے میں بیکنگ پاؤڈر اور نمک مکس کرکے چھان لیں، الگ پیالے میں مکھن اور چینی کو اتنا پھینٹیں کہ وہ کریم کی طرح سے ہو جائے پھر ایک ایک کرکے انڈا شامل کریں اور خوب پھینٹیں، ساتھ ہی لیموں کی چھال بھی ملا دیں، کیلے میں براؤن شوگر، ونیلا ایسنس اور دودھ ملا دیں، اب مکھن اور میدے کو تھوڑا تھوڑا کرکے مکس کریں، تمام اجزا کو اچھی طرح مکس کریں پھر اخروٹ ڈال دیں، نو انچ کا کیک کا سانچہ لے کر گھی یا مکھن سے چکنا کرلیں، اس میں کیک کا آمیزہ ڈال کر پہلے سے گرم اوون میں 250.C پر رکھ کر پینتیس منٹ کے لئے بیک کرلیں۔

سجاوٹ کے لئے مکھن کو اچھی طرح سے پھینٹیں اس میں آئسنگ شوگر اور لیموں کی چھال ملا کر مکس کریں، آخر میں لیموں کا رس ڈالیں کہ یہ کریم کی طرح بن جائے، اس آمیزے کو کیک کے چاروں طرف لگا کر کیک کو کور کرلیں، کیلے اور لیموں کے قتلوں سے سجائیں، مزے دار بنانا اینڈ لیمن کیک تیار ہے۔

لیمن چیز کیک

اشیاء

بسکٹ	170 گرام
مکھن	170 گرام
کریم چیز	170 گرام
جیلاٹن پاؤڈر	ایک کھانے کا چمچہ
چینی (پسی ہوئی)	90 گرام
انڈا	ایک عدد
لیموں (رس نکال لیں)	ایک عدد
فریش کریم	200 گرام
آئسنگ شوگر	دو کھانے کے چمچے

ترکیب

کیک ٹن بسکٹ کا چورا اور مکھن مکس کرکے لگا دیں اور فریزر میں رکھیں، انڈے کی زردی اور سفیدی الگ کرلیں، اب ایک برتن میں پانی گرم کرنے رکھیں، اس کے بعد زردی اور چینی ملا کر ایک پیالے میں ڈالیں اور گرم پانی پر رکھیں اور پکائیں، چمچہ چلاتے رہیں تاکہ زردی پک جائے جیلاٹن پاؤڈر گرم پانی میں مکس کرلیں، زردی اور چینی ٹھنڈی کرکے پھینٹیں اس کے بعد چیز کریم ڈال کر پھینٹیں جیلاٹن اور لیموں کا رس ڈال کر پھینٹیں، اب کریم پھینٹ کر اس آمیزے میں مکس کریں، اس کے بعد سفیدی الگ پھینٹ لیں کہ اچھی طرح پھول جائے، آمیزے میں اس سفیدی کو فولڈ کردیں، تیار آمیزے کو ٹن میں ڈال کر فریج میں رکھیں، سیٹ ہو جائے تو ٹن سے نکال لیں اور کریم اور لیموں کے سلائس سے سجا دیں۔

بٹر کیک ود مینگو

اشیاء

میدہ	بارہ کھانے کے چمچے
چینی (پسی ہوئی)	بارہ کھانے کے چمچے
انڈے	تین عدد
پھیکا مکھن	150 گرام
آئسنگ شوگر	آٹھ کھانے کے چمچے
بیکنگ پاؤڈر	ڈیڑھ کھانے کا چمچہ
مینگو جیلی	ایک کپ
آم	حسب ضرورت
مکھن	ایک کپ
مینگو کے پیس	حسب ضرورت

(میدے کو چھان کر اس میں بیکنگ پاؤڈر ملا لیں)

ترکیب

چینی اور ایک کپ مکھن کو اچھی طرح پھینٹیں، اس کے بعد اس میں ایک ایک کرکے انڈے ڈال کر پھینٹی جائیں اس میں میدہ ڈال کر احتیاط سے مکس کریں اور پھر سانچے میں ڈال کر پہلے سے گرم اوون میں 140.C پر رکھ کر تیس سے پینتیس منٹ تک بیک کریں۔

جب کیک تیار ہو جائے تو اس کو ٹھنڈا کرلیں اس کے بعد کیک کے درمیان میں سے دو حصے کرلیں اس پر مینگو جیلی لگائیں اور آم کے پیس شوگر ڈال کر خوب اچھی طرح پھینٹ کر آمیزہ تیار کرلیں تیار کیے ہوئے کیک پہ مکھن اور آئسنگ شوگر کے آمیزے سے ڈریسنگ کریں مزے دار بٹر کیک ود مینگو تیار ہے، سرو کریں۔

ویجی ٹیبل پلاؤ

اشیاء

چاول	ایک کلو
گاجر	دو عدد
بند گوبھی (کٹی ہوئی)	11/2 کپ
پھول گوبھی (کٹی ہوئی)	11/2 کپ
آلو (درمیانے)	دو عدد
مٹر	11/2 کپ
شملہ مرچ (درمیانی)	دو عدد
ہری پیاز	تین عدد
پیاز (درمیانی)	دو عدد
ٹماٹر	تین عدد
ہری مرچ	دس عدد
لہسن	آٹھ جوے
ادرک	ایک انچ کا ٹکڑا
املی	آدھا پاؤ
انجور	دو چائے کے چمچے
نمک	حسب ذائقہ
گرم مصالحہ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
ثابت سفید زیرہ	ایک چائے کا چمچہ
تیز پات	چند پتے
ہلدی پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
سونٹھ	چوتھائی چائے کا چمچہ
گھی	حسب ضرورت

ترکیب

ایک دیگچی میں گھی گرم کریں اور باریک کٹی ہوئی پیاز کو فرائی کرلیں، دوسری پیاز اور لہسن کا

پیسٹ بنا کر اس میں شامل کر دیں، ہلکا سا بھون کر اس میں نمک، مرچ، ہلدی، سونٹھ، گرم مصالحہ، زیرہ اور بھگی ہوئی املی گٹھلی سمیت ڈال دیں، کچھ دیر فرائی کرنے کے بعد اس میں انچور، ہری مرچ، اور ٹماٹر کاٹ کر ڈال دیں اور پھر پھول گوبھی، بند گوبھی، اور مٹر بھی شامل کر دیں اور ساتھ ہی دو کپ پانی ڈال دیں، جب جوش آ جائے تو اس میں گاجر، شملہ مرچ، ہری پیاز، آلو کاٹ کر ڈال دیں اور ساتھ ہی اس میں کچھ اور پانی میں شامل کر دیں تا کہ سبزیاں گل جائیں، چاول بھگو دیں اور چاولوں کو چھان کر ان سبزیوں میں شامل کر دیں اور مزید کچھ پانی ڈال دیں، جب پانی بالکل تھوڑا سا رہ جائے تو دم پر رکھ دیں اور پھر سلاد اور رائتے کے ساتھ سرو کریں۔

حیدر آبادی مرچوں کا سالن

اشیاء

ہری مرچ (درمیانے سائز کی)	آدھا کلو
پیاز بڑی (باریک کٹی ہوئی)	دو کھانے کے چمچے
خشخاش	دو کھانے کے چمچے
تل	دو کھانے کے چمچے
ثابت دھنیا	دو کھانے کے چمچے
سفید زیرہ	ایک کھانے کے چمچہ
کھوپرا	ایک چھوٹا سا ٹکڑا

(خشخاش، تل، کھوپرا، ثابت دھنیا اور سفید زیرہ توے پر بھون کر باریک پیس لیں)

سالن کے لئے مصالحہ:۔

ہلدی پاؤڈر	دو چائے کے چمچے
ادرک لہسن پیسٹ	ایک کھانے کا چمچہ
کڑی پتہ	چھ پتے
کلونجی	ایک چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
املی	ایک پیالی

بگھار کے لئے مصالحے:۔

ثابت سفید زیرہ	حسب ضرورت
ثابت لال مرچ	چھ عدد
میتھی کے دانے	چھ عدد
کڑی پتا	چار عدد

ترکیب

ایک پھیلی ہوئی دیگچی میں تیل گرم کریں، پھر اس میں مرچیں ذرا سے نمک کے ساتھ تل کر نکال لیں، تیل گرم کریں، اس میں پیاز ڈال کر ہلکا سا فرائی کر لیں، اس کے بعد ہلدی، ادرک، لہسن، کلونجی اور نمک ڈال کر بھونیں، اس میں بھنا ہوا مصالحہ ڈال کر ہلکا بھون کر مرچیں ڈال دیں، املی کا رس اچھی طرح سے نکال کر ڈال دیں، ساتھ میں کڑی پتے ڈال کر ہلکی آنچ میں دم پر رکھ دیں، الگ پین میں تیل گرم کریں، اس میں سفید زیرہ، لال مرچ، میتھی کے دانے اور کڑی پتہ ڈال کر کڑکڑائیں، مرچوں پر بگھار ڈال دیں اور گرم گرم سرو کریں۔

ٹماٹر کی کڑھی

اشیاء

ٹماٹر	آدھا کلو
ٹماٹو سوس	ایک کپ
بیسن	ایک کپ

ترکیب

ٹماٹروں کا چھلکا اتار کر انہیں گرائنڈ کر لیں، بیسن کو دو گلاس پانی میں گھول کر پتلا کر لیں اور اس میں ٹماٹروں کا پیسٹ اور ٹماٹو سوس بھی شامل کر کے ایک طرف رکھ دیں، پتیلی میں آدھا کپ آئل گرم کر کے ہینگ ڈالیں اور چند سیکنڈ کے وقفے سے سونف، رائی اور کلونجی بھی شامل کر کے سنہری ہونے پر ثابت سرخ مرچ اور نمک بھی شامل کر دیں اور ہلکی آنچ پر ایک گھنٹے تک پکائیں۔

☆☆☆

کس قیامت کے یہ نامے

فوزیہ شفیق

السلام علیکم!

آپ کے خطوط اور ان کے جوابات کے ساتھ حاضر ہیں آپ کی صحت و سلامتی عافیت اور خوشیوں کے لئے دعا گو ہیں۔

انسان کو اللہ تعالیٰ نے فکر و عمل کی بہترین صلاحیتیں ودیعت کی ہیں علم و حکمت کی تعلیم کے ذریعے اس کے شعور و آگہی کو وسعت دی ہے، اس کی زندگی کے کچھ فرائض و مقاصد ہیں انسانی زندگی مقاصد کے تعین، اہداف کے لئے جدوجہد مسلسل اور ان کے حصول سے تعبیر کی جاتی ہے، اگر انسانی زندگی سے مقصد کو خارج کر دیا جائے تو زندگی بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے اور خود فرد جس کی زندگی کا کوئی مقصد متعین نہ ہو، کار فضول کی مانند ہو کر رہ جاتا ہے۔

اپنی زندگی کے مقصد کا تعین کریں، اگر آپ کے دل میں کامیابی کے حصول کی تمنا ہے تو اپنی تمام تر فکر و جسمانی صلاحیتوں اور میسر مادی وسائل جہتوں کو اللہ کی راہ میں بھرپور استعمال کریں زندگی سے آپ کو وہی کچھ ملتا ہے جس کا آپ کو یقین ہو۔

ہر کامیابی اور ناکامی کی ذمہ داری آپ پر ہی عائد ہوتی ہے بس خود میں یقین کی قوت پیدا کریں، انشاء اللہ ہر لمحہ ہر پل اللہ تعالیٰ کی مدد آپ کے ساتھ ہوگی، اپنی دعاؤں میں یاد رکھیئے گا اللہ پاک آپ کو اور اس وطن عزیز کو اپنی حفظ و امان میں رکھے آمین۔

یہ پہلا خط فیصل آباد سے ہماری مصنفہ سیمی کرن کا ہے سیمی کرن نے اپنی رائے کا اظہار کچھ یوں کیا ہے۔

تمام مستقل سلسلے اور ناول اچھے اور عمدہ ہیں، لیکن پروف ریڈنگ کے شعبے میں توجہ کی ازحد ضرورت ہے، نازیہ ضیاء ایک میچور لکھاری ہیں ادبی تحریر کے تمام لوازمات سے آگاہ، نسرین خالد اور صدف اعجاز کے موضوعات اچھے تھے، عالی ناز آپ کا مشاہدہ اچھا ہے اسے مطالعے سے مزید مہمیز کیجئے۔

اور پیاری فوزیہ اردو زبان کا پرچہ، رومن اردو کا نہیں، پورے پورے جملے لکھاری بہنیں ایسے لکھ رہی ہیں ایک لکھاری ہی اپنے قاری کی زبان و بیاں کی قدرت پر اثر انداز ہوتا ہے درستگی کرتا ہے۔

ایک تجویز جو مرد حضرات لکھنا چاہتے ہیں کیا ہی اچھا ہو کہ اس اتنے پیارے ڈائجسٹ کو صرف خواتین کا نہیں فیملی پرچہ بنا دیا جائے اس سے صحت مند مقابلہ جنم لے گا منہ کے ذائقہ کو بدلنے کو ایک آدھ تحریر شامل کرنے میں کیا حرج ہے۔

”کتاب نگر سے“ سلسلہ کو پسند کرنے کا شکریہ، پیاری لکھاری اور قاری بہنوں اگر میرے ذریعے سے اچھا ادب، اچھی کتاب آپ کی لائبریری میں پہنچ جائے تو میں سمجھوں گی حق ادا ہوا۔

عشاء بھٹی، اجالا نور، زرقہ آپ سب کی پسندیدگی کا شکریہ، آپ کی رائے میرے لئے بہت اہم ہے میری تحریروں میں آپ کو فلسفہ اور

الفاظ میں مشکل اس لئے محسوس ہوتی ہے کہ میں بنیادی طور پر ادبی پرچوں میں لکھتے ہوئے ادھر آئی ہوں یہ سوچ کر برداشت کرلیا کریں کہ، جن رائٹرز سے میں آپ کو متعارف کروائی ہوں آپ یقین جانیے ان کو پڑھتے ہوئے مجھے بھی ڈکشنری اٹھانی پڑتی ہے، آپ کی محبتوں اور حوصلہ افزائی کی مجھے ہمیشہ سے ضرورت ہے اور رہے گی۔

سمی کرن اس محفل میں خوش آمدید تعریف یا تنقید آپ کا حق ہے ہم نے کبھی اس بات پر اعتراض نہیں کیا، جن غلطیوں کی طرف آپ نے توجہ دلائی ہے انشا اللہ کوشش کریں گے کہ آئندہ آپ کو کوئی ایسی شکایت نہ ہو، الحمدللہ ہمارا پرچہ فیملی پرچہ ہی ہے لیکن مرد حضرات کی تحریریں شائع کرنے سے ہم معذرت خواں ہیں بلاشبہ آپ نے اب تک بہترین کتابوں پر بڑے اچھے انداز میں تبصرہ لکھ کر بھیجا ہے لیکن سمی جی یہ ضروری نہیں کہ ہر قاری کے پاس لغت ہو اس لئے پلیز آپ اس چیز کا خیال رکھیے گا اور آسان اُردو کا استعمال کریں، آپ نے کہا کہ تحریروں میں رومن الفاظ کا استعمال کیا جاتا ہے کیا ہی بہتر ہوتا جو آپ ہمیں تحریر کا نام بتا دیتی تو ہمارے لئے بھی آسانی ہوتی، ہمیں تو کوشش کے باوجود پورے پرچے میں کہیں رومن الفاظ نظر نہیں آئے، آپ کی رائے کا بے حد شکریہ ہم آئندہ بھی آپ کی قیمتی رائے کے منتظر رہیں گے شکریہ۔

عمارہ امداد: راولپنڈی سے لکھتی ہیں۔

مارچ کا حنا تو تاریخ کو ہی مل گیا تھا، ٹائٹل پر آمنہ شیخ کو دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی کیونکہ وہ میری فیورٹ اداکارہ ہیں، سارا شمارہ ہی بہت اچھا تھا، پچھلے شمارے میں "عشاء بھٹی" نے کہا تھا کہ محفل میں آتی جاتی رہا کریں تو جناب ہم پھر حاضر ہو گئے، مکمل ناول دونوں ہی اچھے تھے، صبا جاوید کے ناول کا دوسرا حصہ بھی بہت اچھا تھا، اینڈ اچھا کیا، عابی ناز کو دوبارہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی، یہ افسانہ پڑھ کر بھی بہت مزا آیا، سباس گل آپ تو جب لکھتی ہو اچھا ہی لکھتی ہو، آپ میری پسندیدہ رائٹرز میں سرفہرست ہو، ظل ہما اور سمی آپ دونوں کے افسانے بھی بہت اچھے تھے، باقی رہا میرا افسانہ تو وہ تو آپ لوگ ہی رائے دے سکتے ہو، آپی افسانے پر میرا نام "عمارہ حامد" کی بجائے "عمارہ احمد" لکھا ہوا تھا پلیز اور قرۃ العین کا خط پڑھا، ارے یہ کیا، آپ نے ایسا کیوں سوچا؟ آپ اتنا اچھا لکھتی ہو اور ہم سب آپ سے بے حد محبت کرتے ہیں، اس لئے پلیز زیادہ سے زیادہ لکھا کرو، آپی میں نے جب لکھنا شروع کیا تھا تو "عمارہ امداد" کے نام سے لکھا تھا، لیکن جب حنا میں لکھا تو شوہر کے نام سے لکھنا شروع کر دیا لیکن میرے ہزبینڈ نے کہا کہ جب تم باقی ہر جگہ اپنے ابو کے نام سے لکھتی ہو تو یہاں بھی اسی نام سے لکھو، تو بھئی جب میرے ان کو کوئی اعتراض نہیں تو اپنا پہلا نام کیوں چھوڑوں؟

عمارہ امداد کیسی ہو؟ اس محفل کو رونق بخشنے کا شکریہ افسانے پر آپ کا نام غلط شائع ہوا جس کے لئے ہم آپ سے معذرت خواں ہیں آپ عمارہ امداد کے نام سے لکھیں یا عمارہ حامد کے نام سے آپ بس لکھیں قارئین آپ کو پڑھنا چاہتے ہیں آپ کے مکمل ناول کا انتظار ابھی سے شروع کر دیا ہے اپنا خیال رکھیے گا اور اپنی قیمتی رائے سے نوازتی رہیے گا شکریہ۔

نسرین خالد: سانگھڑ سے لکھتی ہیں۔

شکر ہے اس ماہ حنا جلدی مل گیا فروری کا حنا تو لگتا ہے لاہور سے سانگھڑ تک پیدل آیا تھا شاید، پھر بھی "پاکستان پوسٹ زندہ باد" کیونکہ دل تو پاکستانی ہے نا، حنا ملتے ہی پہلی نظر فہرست پر دوڑائی اور پھر سیدھا "کس قیامت کے یہ نامے" پر آ کر رکے کیونکہ اپنے افسانے "خدا کرے میری ارض پاک پر اترے" کے متعلق قارئین کی رائے جو جاننی تھی، قارئین کی رائے کسی بھی ادارے اور اس کے رائٹرز کے لئے بہت محترم ہوتی ہے۔

سب سے پہلے تو مجھے ایک شکوہ ہے آپ سے، خطوط کے لئے اتنے کم صفحات کیوں؟

زرقہ فرام لاہور بہت بہت شکریہ آپ کا، اتنے پیارے الفاظ استعمال کرنے کا، جناب آپ اتنے پیار سے بلائیں گی تو ہم آتے جاتے رہیں گے بلکہ مستقل رہائش بھی اختیار کر لیں گے حنا میں، بس آپ برداشت کرنے کا حوصلہ رکھیں، اب آتے ہیں مارچ کے شمارے کی طرف، آمنہ شیخ کا انٹرویو بہت اچھا لگا، "جیا اور جاناں" ظل ہما جی کیا کہنے ہیں آپ کے بہت زبردست بھئی، عابی ناز آپ دل چھوٹا مت کیجئے گا، ہم دعا کریں گے آپ کے لئے کہ آپ جلد از جلد منگنی شدہ ہو جائیں، آپ بھی ہمیں دعاؤں میں یاد رکھیے گا کیونکہ ہمارے منگیتر کی اسامی بھی خالی ہے۔

کل ہی حنا ملا ہے اس لئے مکمل پڑھ نہیں سکی، اس بار لطیفے بہت مزے کے ہیں۔

نسرین خالد خوش آمدید مارچ کے شمارے کے لئے پسندیدگی کا شکریہ، کوشش کریں گے کہ قیامت کے نامے کے صفحات بڑھا سکیں آپ کی دونوں تحریریں مل گئی ہیں انشا اللہ جلد شائع کریں گے اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہیے گا شکریہ۔

رانی: نوشہرہ سے پہلی بار لکھتی ہیں۔

فوزیہ آپی میں دو تین ماہ سے آپ کا حنا مسلسل پڑھ رہی ہوں سب افسانے ناول بہت اچھے ہوتے ہیں مس سندس جبیں کا ناول بہت اچھا جا رہا ہے میں نے جب یہ کہانی پڑھی تو میں سمجھی شاید یہ نامکمل کہانی ہے، مجھے پسند آئی، اس تحریر میں نوفل اور تارا کی سٹوری اچھی لگتی ہے، خیر اب تو حنا کو ہم ضرور پڑھیں گے میں پہلی مرتبہ آپ کو خط لکھ رہی ہوں سو پلیز حوصلہ افزائی ضرور کیجئے گا، اگر آپ کی اجازت ہو تو میں بھی کہانی ارسال کر سکتی ہوں۔

رانی خوش آمدید آپ کی محبتوں کا شکریہ، جی ضرور آپ اپنی تحریر بھیجیں قابل اشاعت ہوئی تو ضرور شائع کریں گے سندس جبیں تک آپ کی پسندیدگی پہنچائی جا رہی ہے شکریہ قبول کیجئے آئندہ بھی اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہیے گا شکریہ۔

اجالا نور: ڈیرہ غازی خان سے لکھتی ہیں۔

سب سے پہلے تو آپ کا بہت بہت شکریہ کہ آپ نے مجھے شمارے میں جگہ فراہم کی۔

میری ماما کہتی ہیں کہ اچھی ٹیم اچھا پرچہ، ان کی بات بھی سو فی صد متفق ہو گئی ہوں، واقعی اچھی ٹیم ہی کی محنت کا نتیجہ اچھا شمارہ ہوتا ہے، اس ماہ حنا بہت لیٹ ملا، خیر جب ملا تو دھڑکتے دل کے ساتھ "کس قیامت کے یہ نامے" کو بے تابی سے کھولا، اپنا خط دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔

باقی خطوط میں قرۃ العین رائے، عشاء بھٹی اور زرقہ طارق کا خط پسند آیا، ویسے اس دفعہ مجھے پورے کا پورا شمارہ پسند آیا، (خط کی موجودگی کی وجہ سے)

آمنہ شیخ (مائی فیورٹ ایکٹریس) سے سجا ٹائٹل عمدہ تھا، آمنہ سے انٹرویو بہت ہی اچھا تھا، حقیقت سے قریب ترین اداکاری کرتی ہیں محترمہ، سو کاشف بھائی ویری ویلڈن۔

"کچھ باتیں ہماریاں" میں انکل سردار محمود اور کس قیامت کے یہ نامے میں فوزیہ باجی جن مسائل کا آپ نے تذکرہ کیا، اس سے میرے

ذہن میں ایک ہی سوچ در آئی، ہمیں اپنا ووٹ کا حق استعمال کرتے ہوئے اچھے لیڈروں کا چناؤ کرنا ہوگا تاکہ ہمارے پیارے وطن کے بنیادی مسائل حل ہو سکیں۔

اس دفعہ تمام لکھاریوں کی کہانیاں زبردست تھیں، افسانے بھی اچھے تھے خاص طور پر عابی ناز کا افسانہ ''اف یہ منگیتر'' ہلکا پھلکا افسانہ تھا، عابی ناز آئندہ بھی ایسی تحریریں ہمارے لئے لکھا کریں، یعنی ہنستی مسکراتی سی، عمارہ امداد کا افسانہ ''نیکی'' نہایت ہی سبق آموز تھا، عمارہ جی کیا کہنے آپ کے، ناولٹ میں ''ایک خواب'' ثمینہ شیخ کا ناولٹ اصلاحی ناولٹ تھا، پولیو سے متعلق خاصی آگاہی ہوئی، ویری ویلڈن ثمینہ جی۔

مکمل ناول میں ''نیناں لگیاں بارشاں'' کا دوسرا اور آخری حصہ حسب توقع تھا، جبکہ دوسرا مکمل ناول صبا احمد ''ایک کہانی میری زبانی'' اپنے عنوان سمیت پسند آیا، مرجان کا کردار زبردست تھا۔

سلسلے وار ناول ویسے تو دونوں کی اقساط اچھی تھی لیکن فوزیہ غزل صاحبہ کی کہانی مجھے زیادہ اچھی لگتی ہے، ویسے فوزیہ باجی! حنا کے ایکچز انتہائی زبردست ہو گئے ہیں، مستنصر حسین تارڑ صاحب کی کتاب ''خس خاشاک زمانے پر'' سیمی کرن کا تبصرہ انتہائی جاندار تھا، سیمی کرن یو آر گریٹ۔

فوزیہ باجی! اگر ہو سکے تو مستنصر حسین تارڑ صاحب کا انٹرویو بھی شائع کریں۔

اللہ تعالیٰ آپ کو صدا خوش رکھے آمین۔

اجالا نور حنا کو پسند کرنے کے لئے آپ کا شکریہ، آپ کی تجاویز نوٹ کر لی ہیں انشاء اللہ جلد پورا کریں گے، انٹرویو والی فرمائش کاشف گوریجہ تک پہنچا دی ہے، اپنی ماما کا ہماری طرف سے شکریہ ادا کیجیے گا، اپنی محبتوں کا اظہار یونہی کرتی رہیے گا، شکریہ۔

رباط سویرا: کی ای میل ہمیں رحیم یار خان سے موصول ہوئی ہے وہ لکھتی ہیں۔

مارچ کا حنا آمنہ شیخ کے ٹائٹل سے سجا ملا ہے کوئی خاص پسند نہیں آیا، جلدی سے پیارے نبی کی پیاری باتیں پڑھی دل و روح کو سکون ملا، آگے بڑے انشاء جی کے ساتھ ہم بھی گدھے کی تلاش میں نکلے اور مسکراتے ہوئے آمنہ جی لفٹ کرائے بنا فوزیہ غزل کی تحریر میں کھو گئے، بہت خوب فوزیہ جی اس ماہ کی قسط انتہائی شاندار تھی اذان کا روح پرور سما ہمیں اپنے اطراف محسوس ہوا اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھے آپ یونہی ہمارے لئے اچھی اچھی تحریریں لکھتی رہیں، ام مریم کے ناول ''تم آخری جزیرہ ہو'' ابھی پسند آ رہا ہے، ناول میں ''مرحومہ صبا احمد کی تحریر ''میری کہانی اپنی زبانی'' بے حد پسند آئی دعا گو ہیں اللہ تعالیٰ صبا احمد کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے نوازے آمین، ''نیناں لگیاں بارشاں'' کی دوسری قسط ویسی ہی تھی جیسا ہم نے سوچا تھا یعنی اینڈ پر سب ٹھیک، افسانوں میں عمارہ حامد، کا ''نیکی'' اور عابی ناز کی تحریر بے حد پسند آئی، سباس گل کی تحریر حسب عادت رومان سے بھری پتا نہیں یہ مصنفہ تھکتی نہیں اتنا رومانس لکھتے لکھتے کہیں کہ وہ کرنل محمد خان اور کرنل صدیق سالک کی کتابوں پر بھی تبصرہ لکھیں۔

رباط سویرا، اس محفل میں خوش آمدید، مارچ کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ، آپ کی فرمائش بھی تک پہنچائی جا رہی ہے اپنی رائے سے آئندہ بھی آگاہ کرتی رہیے گا، شکریہ۔

☆☆☆